جامعہ کراچی میں اردو

طارق محمود

مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

۱۹۸۶ء

جامعہ کراچی میں اردو

پمفلٹ نمبر ۳۷

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۱/۸ ؛
اسلام آباد

جامعہ کراچی میں اُردو

طارق محمود

مقتدرہ قومی زبان ۔ اسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پاکستان میں جن اداروں نے قومی زبان کی ترویج واشاعت کے لیے خدمات انجام دی ہیں ان میں کراچی یونیورسٹی کا نام ہراول دستہ میں آتا ہے۔ وطن عزیز کی یہ پہلی یونیورسٹی ہے جہاں انگریزی کے ساتھ ساتھ اُردو کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا اور محض دفتری حکم کے اجرا پر اکتفا نہ کرتے ہوئے، اس فیصلہ کو روبعمل لانے کے لیے عملی اقدامات بھی کیے گئے۔

کراچی یونیورسٹی ۱۹۵۲ء میں قائم ہوئی اور اس کے قیام وانتظام وانصرام، توسیع اور آئندہ کی منصوبہ بندی سے ایسے حضرات وابستہ رہے جن کو اس امر کا کماحقہ احساس تھا کہ تعلیم اسی وقت بار آور ثابت ہوسکتی ہے جب یہ قوم کے رگ وپے میں اتر جائے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب تعلیم اپنی زبان میں دی جائے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ قوموں کی تخلیقی صلاحیتیں اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب زبانِ غیر سے شرحِ آرزو نہ ہو بلکہ دل کی بات اپنی زبان میں ہی کہی جائے۔

یہی وجہ تھی کہ ۲۶ جنوری ۱۹۶۳ء کے اجلاس میں یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل نے نفاذِ اُردو کے لیے ایک جامع پروگرام مرتب کیا اور یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے اپنے ۲۴ فروری ۱۹۶۳ء کے اجلاس میں اکیڈمک کونسل کی سفارشات میں قدرے تبدیلی کرتے ہوئے مندرجہ ذیل لائحہ عمل منظور کیا:

۱۔ ۱۹۶۳ء۔۶۴ء کے علمی سال کے آغاز سے بی اے/بی ایس سی/بی کام کی سطح تک تدریس اُردو یا انگریزی میں ہوگی۔

۲۔ ۱۹۶۵ء۔۶۶ء کے تعلیمی سال کے آغاز سے بی اے/بی ایس سی/بی کام/بی ایڈ کی سطح تک تدریس اردو ہی میں ہوگی۔

۳۔ ۱۹۶۷ء۔۶۸ء کے تعلیمی سال کے آغاز سے انجینیئری اور طب کی تدریس اور امتحان اُردو میں ہوگا۔

۴ - ۱۹۶۵ء - ۶۶ء کے تعلیمی سال سے پوسٹ گریجوئیٹ جماعتوں میں تدریس ممکنہ حد تک اُردو میں ہوگی۔

۵ - ۱۹۶۷ء - ۶۸ء کے تعلیمی سال سے پوسٹ گریجوئیٹ جماعتوں میں تدریس اُردو میں ہوگی۔

کراچی یونیورسٹی کے اس اُردو نواز فیصلہ کا ایک اور محرک بھی تھا۔ اس زمانے میں کراچی پاکستان کا دارالحکومت تھا اور کراچی یونیورسٹی کو سرکاری طور پر نہ سہی عرفاً ضرور وفاقی یونیورسٹی کی مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ لہٰذا اگر کوئی یونیورسٹی زبان کو اپنانے کا حق رکھتی تھی تو یہی وہ یونیورسٹی تھی۔

اگرچہ اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی نیت تھی اور اس کے لیے تمام قانونی اقدامات کیے جا رہے تھے لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اس وقت اُردو میں اعلیٰ درجہ کا تدریسی مواد موجود نہیں تھا اور جو تھا وہ نہ تمام علوم پر محیط تھا، نہ کسی ایک علم کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ اوّلین ضرورت اس بات کی تھی کہ کسی طرح تدریسی مواد، حوالے اور درس کی کتابیں وغیرہ اردو میں تیار کی جائیں اور اس کے لیے ایک باقاعدہ ادارے کی ضرورت تھی۔ یہ ادارہ جو کراچی یونیورسٹی میں قائم ہو چکا تھا، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ تھا۔ کراچی یونیورسٹی کے قیام کے پانچ برس بعد یعنی ۱۹۵۷ء میں انجمن ترقی اُردو کے زیرسایہ قائم اُردو کالج پرنسپل میجر (ریٹائرڈ) آفتاب حسن صاحب نے کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر کو یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس یونیورسٹی میں ایک شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ قائم کیا جائے۔ تجویز کا اصل متن درج ذیل ہے۔

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے قیام کی تجویز

"یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ علم، عوام کی دسترس میں اسی وقت آتا ہے، اس کو وسعت اسی وقت نصیب ہوتی اور اس کی افادیت اسی وقت بڑھتی ہے جب یہ غیر زبان کی محدود چار دیواری سے نکل کر عام فہم اور مروج زبان کے ذریعے پھیلنا اور بڑھنا شروع کرتا ہے۔ اسی وقت صحیح واقفیت لوگوں میں پیدا ہوتی ہے اور اسی وقت ملک کا معیار تعلیم اور اس کے ساتھ معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔"

"یہ مسئلہ کوئی نیا نہیں ہے۔ سرسید کے وقت سے لے کر اب تک یہ کوشش جاری رہی ہے

کہ تمام تعلیم ایسی زبان کے ذریعہ دی جائے جو مروج زبان ہو اور ملک کی زبان ہو۔ بیرونی تسلط نے اس میں کامیابی نہ ہونے دی۔ لیکن ہندوستان میں جہاں موقع تھا اس خیال کو عملی جامہ پہنایا گیا اور جامعہ عثمانیہ تیس سال تک اعلیٰ تعلیمی خدمات انجام دیتی رہی۔

"سلطنت خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد اب پھر موقع آگیا ہے کہ اس عمل کو دہرایا جائے اور زیادہ کامیابی کے ساتھ چلایا جائے کیونکہ ملک کی بقا اور عزت کا دارومدار اسی پر ہے۔

پورے پاکستان میں صرف کراچی یونیورسٹی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں انگریزی کے ساتھ ساتھ اُردو کو بھی ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا ہے اور آرٹ، سائنس، تجارت اور قانون کی تعلیم اُردو کے ذریعے دی جارہی ہے۔

"اب وقت آگیا ہے کہ اطلاقی مضامین مثلاً طب، انجنیری، زراعت وغیرہ کی تعلیم بھی اُردو کے ذریعے دی جائے۔

کراچی یونیورسٹی نے گو اُردو کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کرلیا ہے اور اس پر عمل ہو رہا ہے۔ لیکن علمی اصطلاحات کی تیاری یا درسی کتابوں کی ترتیب میں اس کا کوئی حصّہ نہیں رہا ہے۔ حالانکہ جو مقام اس یونیورسٹی کو حاصل ہے اس لحاظ سے اس کو "تعلیم بذریعہ قومی زبان" کی تحریک کا امام ہونا چاہیے تھا۔ کراچی یونیورسٹی کو اب تک اس لائق ہونا چاہیے تھا کہ تمام علوم وفنون کی اصطلاحات کو جمع کرے، معیاری بنائے مرتب کرے اور شائع کرے۔ ساتھ ساتھ اُردو زبان میں ہر مضمون کی درسی کتابیں تالیف کروائے۔ یہ ایک زبردست کمی ہے جس کو پورا ہونا چاہیے اور اس پر بعجلت ممکنہ عمل ہونا چاہیے۔

اس لیے تجویز پیش کرتا ہوں کہ کراچی یونیورسٹی میں بلا تاخیر شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ قائم کیا جائے جس کے مقاصد حسب ذیل ہوں۔

۱ ۔ تمام علوم وفنون بالخصوص سائنس کی اُردو اصطلاحات کو معیاری بنانا، مرتب کرنا اور شائع کرنا۔

۲ ۔ اُردو زبان میں درسیات کی کتابیں تصنیف، تالیف اور ترجمہ کروانا۔

۳ ۔ اُردو کی ادبیات عالیہ کا انگریزی اور دیگر مغربی زبانوں میں حسب ضرورت ترجمہ کروانا۔

اس تجویز کے ساتھ مجوزہ شعبہ کے عملہ اور وظائف کا مندرجہ ذیل خاکہ پیش کیا گیا۔

۱۔ شعبہ تصنیف، تالیف و ترجمہ کا ایک دفتر ہو گا۔ جو ایک ڈائریکٹر کی نگرانی میں کام کرے گا۔ ڈائریکٹر پروفیسر کے گریڈ کا ہوگا۔

۲۔ ڈائریکٹر کے تحت متعدد مددگار ہوں گے جو لیکچرار کے گریڈ کے ہوں گے۔ ابتدا میں (۵) مددگار کافی ہوں گے۔

ا۔ مددگار برائے طبیعیات۔ ریاضی، فلکیات، انجنیئرنگ و متعلقہ علوم۔

ب۔ 〃 〃 کیمیا، کیمیادی ٹیکنالوجی، ارضیات و متعلقہ علوم وغیرہ۔

ج۔ 〃 حیاتیات، طب، زراعت و متعلقہ مضامین۔

د۔ 〃 عمرانیات، تجارت و متعلقہ علوم۔

ہ۔ 〃 فلسفہ و نفسیات، تعلیم وغیرہ۔

مددگاروں کا کام یہ ہوگا کہ :۔

۱۔ متعلقہ علوم کی اصطلاحوں کی فہرست کی تکمیل کرتے اور کرواتے رہیں۔

۲۔ جو کام اب تک ہو چکا ہے اس کو جمع کریں۔

۳۔ درسی کتابوں کی تیاری کا انتظام کریں۔

۴۔ مؤلفین، مترجمین اور مصنفین کی فہرست تیار کریں۔

۵۔ ادبیات عالیہ کی فہرست تیار کریں۔

۶۔ ماہر کمیٹی کے لیے ہر قسم کا مواد تیار کریں۔

۷۔ طباعت و اشاعت کا انتظام کریں۔

ماہرین کی کمیٹی

شعبہ کے ارکان کے علاوہ ماہرین کی معاون کمیٹیاں ہوں گی جن کا کام یہ ہوگا کہ :۔

۱۔ جو اصطلاحیں تیار ہو چکی ہوں ان پر نظر ثانی کریں اور ان کو معیاری بنائیں۔ نئی اصطلاحیں تجویز کریں۔

۲۔ کتابوں کا انتخاب کریں اور پیش کردہ کتابوں کے معیار کی جانچ کریں۔

ان کمیٹیوں میں ماہرینِ علوم کے علاوہ ماہرینِ زبان بھی ہوں گے۔ کمیٹی کے ارکان کو شرکت کمیٹی کے لیے معاوضہ دیا جائے گا۔

ان کمیٹیوں کی ہفتہ واری میٹنگ ہوگی۔

ڈائریکٹر میٹنگ سے پہلے غور طلب اصطلاحوں کی فہرست ارکان کمیٹی کے پاس بھیج دے گا اور ان کی منظوری کے بعد ان کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرے گا۔

طباعت و اشاعت

طباعت کے مدارج حسب ذیل ہوں گے۔

۱۔ ہر مہینے تیار شدہ اصطلاحات عوام اور اہلِ علم کی رائے کے لیے شائع کر دی جائیں گی۔

۲۔ کوئی اعتراض وصول ہو تو کمیٹی اس پر غور کرے گی۔

۳۔ مضمون وار اصطلاحیں الگ الگ جلدوں میں شائع ہوں گی۔

۴۔ کام کی تکمیل کے بعد تمام اصطلاحوں کی مکمل لغات شائع کر دی جائیں گی۔

۵۔ لغت کے شائع ہو جانے کے بعد پھر ایک کتاب شائع کی جائے گی جس میں اصطلاحوں کے معنی اور مطلب درج ہوں۔

تالیف و ترجمہ

ماہر کمیٹیوں کے مشورے سے درسیات کی کتابیں تصنیف، تالیف یا ترجمہ کی جائیں گی۔

ماہرینِ فن کے مشورے سے اُردو زبان کی کتابیں بیرونی زبانوں میں ترجمہ کروائی جائیں گی۔

اس تجویز سے شعبہ کے اغراض و مقاصد اور اس کی تنظیم اور طریق کار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مالی وسائل کی کمی کے باعث مددگاروں کی مجوزہ تعداد کبھی پوری نہ ہو سکی لیکن اس کے باوجود تمام کام حسب تجویز ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔

یہ تجویز وائس چانسلر نے اکیڈمک کونسل کو بھیجی جہاں اسے ۱۷ جنوری ۱۹۵۶ء کو بالاتفاق منظور کر لیا گیا اور اس منظوری کی بنیاد پر یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے جولائی ۱۹۵۶ء میں قرارداد نمبر ۱۵ کے ذریعے یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور کر لی۔

قومی زبان کو قومی زندگی میں اس کا جائز مقام دلانے کے سلسلے میں کراچی یونیورسٹی کا یہ

اقدام بلاشبہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ شعبہ کسی یونیورسٹی میں قائم ہونے والا اپنی طرز کا پہلا شعبہ تھا۔ خوش قسمتی سے اس کو کچھ ایسے افراد کا تعاون بھی میسر آگیا جو قومی زبان میں تدریس کے سلسلے میں مخلص تھے۔ ان بزرگوں میں پروفیسر افضال حسین قادری مرحوم، ڈاکٹر عباد الرحمن خان مرحوم، پروفیسر ایم ایم احمد مرحوم، پروفیسر رفعت حسین صدیقی مرحوم، جناب ممتاز حسن مرحوم، پروفیسر ابواللیث صدیقی، پروفیسر سید مجتبیٰ کریم، پروفیسر احمد علی اور ڈاکٹر غلام سرور شامل تھے۔ شعبہ کے پہلے ناظم میجر (ریٹائرڈ) آفتاب حسن صاحب کی کاوشیں بھی اس داستان کا درخشاں باب ہیں۔ علاوہ ازیں یونیورسٹی کے پہلے دو وائس چانسلروں جناب ابوبکر احمد حلیم مرحوم اور جناب بشیر احمد ہاشمی مرحوم نے یونیورسٹی میں اُردو کی ترویج و اشاعت اور شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے قیام اور اس کی تنظیم و توسیع میں بھرپور دلچسپی لی اور اس راستے میں حائل تمام دشواریوں کو دور کیا۔ ان کے بعد ڈاکٹر اشتیاق حسین مرحوم نے ان کاوشوں کی آبیاری کی۔ آج کل ڈاکٹر جمیل جالبی کے ہاتھوں اس داستان کا ایک نیا اور درخشاں باب رقم ہورہا ہے۔

اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے درسی مواد کی ضرورت اولین تھی، چنانچہ اس سلسلے میں کراچی یونیورسٹی میں جو کچھ کیا گیا وہ قارئین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

تدریسی مواد کی تیاری

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے تدریسی مواد کی تیاری کے سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات کیے۔

وضع اصطلاحات

اُردو زبان کی علمی اصطلاحات وضع کرنے کا کام دہلی کالج میں شروع ہوچکا تھا۔ مگر پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بعد دہلی کالج نہ رہا اور اس کے اساتذہ اور ماہرین مارے گئے یا جان بچاکر کہیں جا چھپے۔ پھر طویل عرصہ تک کوئی ایسا ادارہ وجود میں نہیں آیا جو اُردو کی اصطلاحات وضع کرنے کا بیڑہ اٹھاتا اور جسے کسی اعتبار سے مرکزی حیثیت حاصل ہوتی۔ ایک عرصہ کے بعد جامعہ عثمانیہ قائم ہوئی۔ جو دراصل سرسید کے اُردو یونیورسٹی کے خواب کی ایک تعبیر تھی۔ وہاں دارالترجمہ قائم ہوا اور اُردو میں علمی مواد کی منتقلی کا کام بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ لیکن یہ کام ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ملک کو آزادی مل گئی اور یوں سقوط حیدر آباد کے بعد بوجوہ وہاں کا

دارالترجمہ بند کر دیا گیا۔

جامعہ عثمانیہ کی وضع کردہ اصطلاحات کا خاصہ بڑا ذخیرہ پاکستان میں انجمن ترقی اُردو کے پاس موجود تھا اور وہاں کی چھپی ہوئی درسی کتابیں بھی دستیاب تھیں مگر غائر نظر اور غیر جانبداری سے جائزہ لینے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ موجودہ دور کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اصطلاحات کے اس ذخیرہ پر نظر ثانی کی جائے اور اس میں توسیع کی جائے۔ اس کے بغیر اُردو میں درسی مواد تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ دراصل دوسری عالمی جنگ کے دوران متعدد علوم میں بے پناہ توسیع ہوئی تھی اور اصطلاحات کا نیا ذخیرہ وجود میں آگیا تھا جس کو اُردو میں منتقل کیے بغیر چارہ نہ تھا چنانچہ اس مقصد کے لیے شعبے میں مضامین کے اعتبار سے وضع اصطلاحات کی حسب ذیل انیس ذیلی کمیٹیاں وقتاً فوقتاً تشکیل دی گئیں۔

۱۔ تاریخ و سیاسیات	۲۔ فلسفہ	۳۔ معاشیات و تجارت
۴۔ نفسیات	۵۔ ارضیات	۶۔ جغرافیہ
۷۔ طبیعیات	۸۔ ریاضیات	۹۔ شماریات
۱۰۔ نباتیات	۱۱۔ حیوانیات	۱۲۔ خورد حیاتیات
۱۳۔ کیمیا	۱۴۔ طب	۱۵۔ علم دواسازی
۱۶۔ قانون	۱۷۔ علم کتب خانہ	۱۸۔ فن تدریس
۱۹۔ حیاتی کیمیا		

کمیٹیوں کی وضع کردہ اصطلاحات میں سے بیشتر شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے "جریدہ" میں شائع ہو چکی ہیں۔ جریدہ کے تادم تحریر سترہ شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ یہ اصطلاحات کی دراصل تسویدی اشاعتیں ہیں۔ ان کمیٹیوں نے وضع اصطلاحات کا جو کام کیا اس کی اجمالی کیفیت درج ذیل ہے۔

۱۔ اصطلاحات تاریخ و سیاسیات و عمرانیات — ابتدائی فہرست A تا Z شائع ہونے کے بعد نظر ثانی شدہ فہرست A تا L شائع کی گئی ہے۔

۲۔ اصطلاحات فلسفہ	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔ حرف A کی کچھ اصطلاحات تعریفات کے ساتھ بھی شائع ہوئیں۔
۳۔ اصطلاحات معاشیات و تجارت	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔
۴۔ اصطلاحات نفسیات	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔ نظر ثانی کے بعد A تا G کی فہرستیں دوبارہ شائع کی گئی ہیں۔
۵۔ اصطلاحات جغرافیہ و ارضیات	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن نظر ثانی کی ضرورت ہے۔
۶۔ اصطلاحات حیاتیات (حیوانیات اور نباتیات)	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔
۷۔ اصطلاحات کیمیا و صنائع کیمیا	جریدوں میں A سے M تک شائع ہوئی ہیں فرہنگ کیمیا کی اشاعت کے باعث اس سے آگے جریدہ میں طبع نہیں کی گئی۔
۸۔ اصطلاحات طب	A تا C اور D کی فہرست کا کچھ حصہ جریدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس سے آگے طبع نہیں کی گئیں۔ مسودہ Z تک موجود ہے۔
۹۔ اصطلاحات علم کتب خانہ (لائبریری سائنس)	A تا C شائع ہوئی ہیں۔
۱۰۔ اصطلاحات حیاتی کیمیا	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔
۱۱۔ اصطلاحات شماریات	A تا Z شائع ہو چکی ہیں۔
۱۲۔ اصطلاحات و محاورات قانون	
۱۳۔ اصطلاحات خرد حیاتیات	صرف A کی فہرست شائع ہو سکی

ان اصطلاحات پر مختلف اہل علم و ماہرین موضوع و زبان کی آرا وصول ہونے کے بعد مختلف علوم کی مندرجہ ذیل فرہنگیں شائع ہو چکی ہیں۔

۱۔ فرہنگ اصطلاحات فلسفہ ۲۔ فرہنگ اصطلاحات کیمیا
۳۔ فرہنگ اصطلاحات طبیعیات، ریاضیات، فلکیات
۴۔ فرہنگ اصطلاحات عمرانیات ۵۔ فرہنگ اصطلاحات حیاتیات (دو جلدیں)
۶۔ فرہنگ اصطلاحات معاشیات، تجارت و بنکاری
۷۔ فرہنگ اصطلاحات شماریات (سائیکلو اسٹائل)
۸۔ فرہنگ اصطلاحات سیاسیات و عمرانیات
۹۔ فرہنگ علم کتب خانہ ۱۰۔ فرہنگ اصطلاحات و محاورات قانون
۱۱۔ فرہنگ اسما العلوم ۱۲۔ فرہنگ برقیات

ان کے علاوہ شعبہ نے صوبائی حکومتوں کی فرمائش پر اور ان کے تعاون سے دفتری اصطلاحات و محاورات کی فرہنگ بھی مرتب کی جو مختلف صوبائی حکومتوں کو بھیجی گئی۔

وضع اصطلاحات کا یہ کام رکا نہیں، جاری ہے۔ آج کل طبیعیات اور حاسبیات (کمپیوٹر سائنس) کی فرہنگوں پر کام ہو رہا ہے۔

یونیورسٹی میں اُردو کے نفاذ کو تیز تر کرنے کے لیے ایک اور اقدام کیا گیا جسے سلسلہ درسیہ کا نام دیا گیا اور جو عام طور پر "درس پارہ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔

سلسلہ درسیہ

سلسلہ درسیہ کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ کو جامع لیکچر اُردو زبان میں مہیا کیے جائیں۔ اساتذہ کرام سے درخواست کی گئی کہ اپنے اپنے مخصوص موضوعات پر اُردو میں جامع لیکچر مع خاکہ اشکال و حوالجات تحریر کریں۔ اس خدمت کا اساتذہ کو معاوضہ بھی دیا جاتا تھا۔ اس منصوبے کے تحت جو مواد شائع ہوا، اس کا اجمال یہ ہے کہ سیاسیات کے ۶۹، فلسفہ کے ۷، عمرانیات کے ۱۳، معاشیات کے ۶، تاریخ عالم کے ۲۰، نفسیات کے ۱۵، جغرافیہ کے ۸، شماریات کے ۴۵، ریاضیات کے ۱۸، حیوانیات کے ۱۴، علوم فطری کے ۳، کیمیا کے ۳، خورد حیاتیات کا ایک، طبیعیات کے ۲، ارضیات کے ۲، اُردو کا ایک اور تاریخ اسلام کا ایک "درس پارہ" شائع ہوا ہے۔ عمرانیات کے دس پاروں کو یکجا کر کے اور خفیف

ترمیم و اضافہ کے بعد عمرانیات کی درسی کتاب شائع ہو چکی ہے۔ ان "درس پاروں" پر مبنی کچھ اور کتابیں مصنفین کرام کی مرضی سے دوسرے ناشران نے بھی چھاپی ہیں۔

سلسلہ درسیہ کا کام جو بوجوہ عرصہ سے رکا ہوا تھا، موجودہ وائس چانسلر ڈاکٹر جمیل جالبی کے ایما پر، دوبارہ شروع کیا جارہا ہے۔ اس میں ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے گہری دلچسپی لی ہے۔ جس سے یقین ہے کہ اردو میں درسی مواد جلد تیار ہو جائے گا۔

تراجم

سائنسی موضوعات پر اُردو میں اعلیٰ درجہ کے مواد کی کمی کے پیش نظر یہ طے کیا گیا کہ انگریزی زبان کی بعض اہم درسی اور حوالجاتی کتب کو اُردو میں ترجمہ کرایا جائے۔ اس مقصد کے لیے مندرجہ کتب کا انتخاب کیا گیا۔

1. Physical Chemistry by Glasstone
2. Regional Geography of Anglo America by White, Knight and Foscue
3. Anatomy of Chordates by Weickert
4. Economic Mineral Deposits by Alan M. Bateman
5. Plant Anatomy by Catherine Essau

یہ تراجم ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ثقافتی تبادلہ کے پروگرام کے مالی تعاون سے شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔

ان کے علاوہ جو تراجم شائع ہوئے ان میں نفسیات، معاشیات، سیاسیات، فلسفہ، تاریخ پاکستان، تاریخ برصغیر اور بین الاقوامی سیاست کی کتب شامل ہیں۔

تراجم کی کل تعداد سترہ ہے۔ یہ تمام تراجم اپنے اپنے مضمون میں درسی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

اشاعتی پروگرام

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے اگرچہ انگریزی میں بھی کتابیں شائع کی ہیں مگر اولیت ہمیشہ قومی زبان کے اشاعتی پروگرام کو دی گئی ہے چنانچہ پندرہ طبع زاد تصنیفات شائع ہو چکی ہیں۔

جو نباتیات اور اس کی ذیلی شاخوں، حیوانیات، خورد حیاتیات، شماریات، عمرانیات، سماجی بہبود، فلسفہ و منطق، اسلام اور اُردو ادب پر محیط ہیں۔

حالیہ اقدامات

شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ نے اگرچہ اپنی بساط اور وسائل سے بھرپور کام لیا مگر پھر بھی رفتارِ کار سست تھی۔ خاص طور پر ۷۰ کی دہائی کے نصف آخر میں کشتی ڈانواڈول ہونے لگی۔ کچھ وسائل کی کمی تھی، کچھ بے دلی اور بے توجہی۔ مزید براں ملک کی سیاسی فضا کے اثرات سے یونیورسٹی بھی متاثر ہوئی اور اس کا اثر شعبہ پر اور خاص طور پر قومی زبان کی ترویج و اشاعت پر بھی پڑا۔ مالی وسائل کی کمیابی، بلکہ نایابی کا بھی اس ابتلا میں بہت بڑا حصہ تھا تاہم ۱۹۸۳ء میں جب ڈاکٹر جمیل جالبی نے وائس چانسلر کا عہدہ سنبھالا تو شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کی رفتارِ کار میں ایک تیزی آگئی۔ ڈاکٹر صاحب خود تصنیف و تالیف و ترجمہ اور اشاعت و طباعت کے رموز سے آگاہ ہیں۔ چنانچہ ان کی ذاتی دلچسپی کی بدولت اور جدتِ طبع کے نتیجے میں کتابت اور لیٹر پریس کمپوزنگ کے بجائے (جن میں دیر لگتی تھی) ٹائپ رائٹر پر براہِ راست اُردو کمپوزنگ کا تجربہ کیا گیا جو کامیاب رہا۔ چنانچہ اب ضخیم کتب کی طباعت، لاگت کم رکھنے اور طباعت میں عجلت کی خاطر اس طرح کی جاتی ہے کہ مسودہ اُردو ٹائپ رائٹر پر کمپوز کیا جاتا ہے اور اس کے چربے یا فلم سے آفسٹ طباعت کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی خصوصی توجہ کی بدولت پچھلے دو برسوں میں بیس کتب اور جرائد اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تعداد پچھلے برسوں کے مقابلے میں ایک ریکارڈ ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مالی وسائل کی کمی کو نہ صرف شعبہ کے سالانہ بجٹ میں معتد بہ اضافہ سے دور کیا بلکہ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ اور مقتدرہ قومی زبان کے درمیان اشتراکِ کار کو بھی استوار کیا۔ اس پروگرام کے تحت پانچ کتابیں جن میں چار فرہنگیں شامل ہیں طبع ہو چکی ہیں اور تین زیرِ طبع ہیں۔ امید یہ ہے کہ اس مشترک اشاعتی منصوبے میں مزید توسیع ہوگی۔

ان صفحات میں شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کا ذکر اس لیے زیادہ آیا ہے کہ کراچی یونیورسٹی میں نفاذ و ترویج اُردو کا کام سچ پوچھیے تو، اس شعبہ کی مساعی کے بغیر ناممکن تھا۔ شعبہ کی خدمات کا

اعتراف دیگر اداروں اور حکومت نے بھی کیا ہے۔

کراچی یونیورسٹی کی قومی زبان سے متعلق پالیسی سنڈیکیٹ کی مذکورہ قرارداد مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۶۳ء کی روشنی میں وضع کی گئی تھی اور اسی کے مطابق نفاذِ اُردو کا کام شروع بھی ہوا تھا مگر بوجوہ وہ سب کچھ حاصل نہ کیا جا سکا جس کا اس قرارداد میں تعین کیا گیا تھا۔ تاہم جو کچھ کیا گیا وہ بھی کچھ کم نہیں۔ اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ کراچی یونیورسٹی میں کلیہ فنون کے کئی شعبوں میں اور کلیہ معارف اسلامیہ، کلیہ قانون اور کلیہ تعلیم میں نہ صرف تدریس اور امتحان کی زبان اُردو ہے۔ بلکہ ایم۔ اے کے تحقیقی مقالے اور "ٹرم پیپر" اور ایم فل اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے اُردو میں لکھے گئے ہیں۔ پہلے السنہ شرقیہ اور اُردو زبان کے علاوہ باقی تمام مضامین کے تحقیقی مقالے وغیرہ انگریزی ہی میں قبول کیے جاتے تھے لیکن یہ روایت کراچی یونیورسٹی نے توڑ دی۔ کلیۂ قانون میں ایم فل کے لیے اور کلیۂ تعلیم میں ایم ایڈ کے لیے لکھے جانے والے مقالوں کی بڑی تعداد اُردو میں ہوتی ہے۔ کلیہ معارف اسلامیہ کے مقالے اُردو ہی میں لکھے جاتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ کراچی یونیورسٹی کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ کلیہ سائنس میں پی ایچ ڈی کا مقالہ اُردو زبان میں لکھا گیا۔ یہ مقالہ ڈاکٹر نعیم الحسن نقوی صاحب کا تھا۔ جو اب شعبہ حیوانات میں پروفیسر ہیں۔ اس مقالے کا موضوع "صحرائی ٹڈی کے نظام ہضم میں ترشہ اور الکین فاسفیٹز" تھا۔

علاوہ ازیں یونیورسٹی کے قواعد ملازمت کے مطابق اُردو میں لکھے ہوئے مقالے انگریزی مقالوں کے ہم سر قرار دیے گئے ہیں جس کی وجہ سے اساتذہ اور محققین کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے اور اُردو میں کئی گراں قدر تحقیقی کاوشیں منظر عام پر آئی ہیں۔

علاوہ ازیں یونیورسٹی کی انتظامی کارروائی بڑی حد تک اُردو میں ہوتی ہے اور دفتری حکم نامے، اطلاع نامہ اور گشتی خطوط اُردو میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

اس جائزے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کراچی یونیورسٹی میں اُردو زبان میں تدریس اور تحقیق کا کام برابر آگے بڑھتا رہا ہے اور اس میں مزید ترقی کی امید ہے۔

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر
۶۔ وزارت قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے
اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذ اُردو
۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں
چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصاب تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلس زبان دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان - آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور عالمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو

چترال میں اردو

عنایت اللہ فیضی

مقتدرہ قومی زبان ○ اسلام آباد

۱۹۸۶ء

چترال میں اردو

پمفلٹ نمبر ۳۸

وضع اصطلاحات

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۱/۸ ؛
اسلام آباد

چترال میں اُردو

عنایت اللہ فیضی

مقتدرہ قومی زبان ○ اِسلام آباد

۱۹۸۶ء

عرضِ ناشر

دفتری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جہاں لغات، مراسلات اور نمونہ جات کے منصوبے بروئے کار لائے جا رہے ہیں وہیں تاریخی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے اور ماضی کے سرمائے سے استفادے کی خاطر پاکستان کے مختلف دور دراز علاقوں میں اُردو کی صورت حال کا جائزہ بھی لیا جا رہا ہے۔

پمفلٹ زیر نظر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جس میں مصنف نے چترال میں اُردو کا ابتدا سے لے کر اب تک کی پیش رفت کا جائزہ پیش کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

چترال کی ریاست نویں صدی عیسوی میں ایک مستقل سیاسی اور انتظامی حلقے کی حیثیت سے وجود میں آئی اور ایک ہزار سال تک اسی طرح رہی۔ بیسویں صدی کا آغاز چترال کی ریاست پر برطانوی سایے کا زمانہ تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ریاستی پرچم کے اوپر مملکت خداداد پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرانے لگا اور سنہ ۱۹۶۹ء میں ریاستی پرچم کو ہمیشہ کے لیے لپیٹ دیا گیا۔ اب ضلع چترال، پاک سرزمین کا وہ خطہ ہے جسے صوبے کے زیر انتظام قبائلی علاقہ کہا جاتا ہے، اس تاریخی تناظر میں چترال پر سنسکرت، فارسی اور دردی زبانوں کے ساتھ ساتھ، جس زبان کے اثرات سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں، وہ اُردو ہے اور مستقبل کا ماہرِ لسانیات جب چترال کی زبانوں پر قلم اٹھائے گا، تو اُسے یہاں کی زبانوں پر اُردو کے اثرات ہی سب سے زیادہ ملیں گے۔

چترال میں اُردو سب سے پہلے تاجروں کے ذریعے وارد ہوئی، یہ تاجر برصغیر کے مرکزی شہروں سے مال تجارت لے کر وسطی ایشیا تک جاتے تھے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی میں بعض تاجروں نے چترال اور دروش میں اپنی منڈیاں قائم کیں۔ ان میں سے بعض کی زبان اُردو تھی۔ چترال کے اندر سبھی اُردو بولتے تھے، چنانچہ مقامی آبادی نے ان منڈیوں سے سودا سلف کے ساتھ ساتھ اُردو کا اکتساب بھی کیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر تک اس میں مزید وسعت پیدا ہوگئی۔

بیسویں صدی کے آغاز ہی سے چترال میں اُردو کے قدم جم گئے تھے۔ تجّار اور علما کی اُردو بولنے والی جماعت کے ساتھ برطانوی ہند کے فوجی رجمنٹ متعینہ چترال میں سارے دیسی سپاہی اور جونیئر کمیشنڈ افسر رابطے کی زبان کے طور پر اُردو ہی بولتے تھے۔ اس دَور میں شہزادوں اور امیرزادوں کو تعلیم کے لیے دہلی، ڈیرہ دون اور آگرہ بھیجا جاتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں دہلی اور اس کے نواح میں تعلیم اور روزگار کے لیے جمع ہونے والے اہلِ چترال کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی۔ ان

میں سے کچھ لوگ چند سال پہلے تک زندہ تھے۔ جن کا بچپن دہلی میں گذرا تھا۔ اس لیے یہ لوگ چترالی کے ساتھ ساتھ اُردو بھی بول سکتے تھے۔ مہتر ریاست چترال بھی وقتاً فوقتاً برصغیر کے مرکزی شہروں میں دوروں پر جاتے تھے۔ ان کے درباریوں میں سے جو لوگ بطور خاص ان کے ہمرکاب ہوتے انہیں بھی اُردو بولنے میں مہارت حاصل ہو جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ مہتر چترال کے دربار میں فارسی کی جگہ اُردو کا عمل دخل شروع ہونے لگا۔ کیونکہ چترال کی زبان کھوار میں خط وکتابت اس وقت تک نہیں تھی بیسویں صدی کے ربع اوّل کے بعد ریاستی فائلوں میں فارسی کے ساتھ اُردو بھی جا بجا ملتی ہے اسی طرح ۱۹۵۴ء تک مکمل فارسی کی جگہ اُردو نے لے لی۔ البتہ ۱۹۶۹ء میں ریاست کے انضمام کے بعد انگریزی کو برتری ملی اور اُردو کو دفتروں سے حکماً نکال دیا گیا۔ چونکہ عملاً اُردو لکھنے والے سارے عملے کو گھر بھیجنا ممکن نہ تھا اس لیے اُردو کسی حکم کی پرواہ کیے بغیر نائب تحصیلدار کی عدالت تک اب بھی چلتی ہے۔ نئے آنے والوں کے لیے انگریزی لکھنا لازمی ہے، اس لیے خدشہ ہے کہ دفتروں میں اُردو کو قومی زبان کی حیثیت سے رائج کرنے کا حکم اگر دو چار برسوں تک چترال نہ پہنچا تو اُردو یہاں کی پرانی فائلوں میں دفن ہو جائے گی۔

چترال میں ریاستی حکمرانوں کی قدیم لائبریری عربی اور فارسی کی نادر کتابوں پر مشتمل ہے اور اس کا ایک حصہ اُردو کے لیے بھی وقف ہے۔ ریاستی زمانے میں سٹیٹ ہائی سکول چترال کی لائبریری میں اُردو کی نادر کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ اس وقت کے لحاظ سے کم وبیش تین ہزار اُردو کتابیں اس لائبریری میں موجود تھیں۔ ۱۹۷۰ سے ۱۹۸۰ کے درمیانی عشرے میں اس لائبریری کی بیشتر کتابیں ضائع ہوگئیں۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں پولیٹکل انتظامیہ نے ایک پبلک لائبریری کا انتظام بھی کیا تھا۔ جس میں دو ہزار کتابیں رکھی گئی تھیں اور ان کا دو تہائی حصہ اُردو کتابوں پر مشتمل تھا۔ اسی طرح چترال کے اسماعیلیہ سنٹر کی لائبریری میں اُردو کی کتابوں کا نادر ذخیرہ جمع کیا گیا تھا۔ ڈگری کالج اور کامرس کالج کی لائبریریاں بھی اس کمی کو پورا کر رہی ہیں جن میں مجموعی طور پر آٹھ ہزار کتابیں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک ہزار کتابیں اُردو ادب کی ہونگی۔ چترال اسکاؤٹس ہیڈ کوارٹر دروش کی لائبریری میں کرنل مراد خان نیر نے حال ہی میں "اردو ادب" کا ایک شعبہ قائم کیا ہے۔ اسی طرح اتالیق جعفر علی شاہ کی ذاتی لائبریری میں موجود چھ ہزار کتب میں بھی اُردو ادب کی کتابوں کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ اس ضمن

میں خوش آئند بات یہ ہے کہ چترال کے نوجوان طبقے میں اُردو کے مطالعے کا شوق بڑھ رہا ہے، ولی الرحمٰن ایڈوکیٹ، نور الہٰی، انعام اللہ، اور شہزادہ افتخار الملک زاہد جیسے باذوق اصحاب صرف اُردو ادب کی کتابوں پر مشتمل لائبریریاں بنا رہے ہیں۔ ان لائبریریوں میں مطالعے کی کتب کے ساتھ ساتھ حوالے کی کتب بھی دستیاب ہیں اور آئندہ برسوں میں چترال میں زبان اُردو کے فروغ کے لیے یہ لائبریریاں بہت بڑا کام دے سکیں گی۔

علمی طور پر بھی چترال میں اُردو نے اس دَور میں فارسی کے نعم البدل کا کام دیا ہے۔ چترال کے باکمال علما اور فضلا بیسویں صدی کے نصف اوّل تک جو کام فارسی میں کرتے تھے، اس دَور میں ان کی توجہ اُردو کی طرف ہوگئی ہے۔ شہزادہ محمد حسام الملک اس کارواں کے سالار تھے۔ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں اپنے سیاسی خیالات کو "مظالم چترال" کے نام سے لکھا، اور مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے دینی مدارس کے طلبا کے نام پر دہلی میں چھپوایا۔ اس کے بعد بھی آپ کا قلم چلتا رہا۔ آپ کی بارہ کتابوں کے اُردو مسودات موجود ہیں۔

اُردو صحافت کو چترال میں فروغ دینے کے لیے مولانا محمد صاحب الزمان نے ۱۹۶۵ء میں قدم اٹھایا تھا۔ "تریچمیر" ان کا ہفت روزہ پرچہ تھا جس کی ادارت ولی زار خاں ولی کرتے تھے اور اس کے مستقل لکھنے والوں میں پروفیسر اسرار الدین شامل تھے۔ یہ پرچہ تین سال تک چلتا رہا لیکن مناسب پشت پناہی اور اچھی مارکیٹنگ نہ ہونے کی وجہ سے "متوفی" ہوگیا۔ اس سے پہلے ۱۹۶۳ء میں وزیر علی شاہ نے تاریخ چترال مصنفہ مرزا محمد غفران کا اُردو ترجمہ کیا تھا جو اب تک مارکیٹ میں تاریخ چترال پر واحد اُردو کتاب ہے۔ ۱۹۸۴ء میں غلام عمر کی دو کتابیں مارکیٹ میں آگئی ہیں۔ ایک کتاب چترال کے صوفی شاعر "بابا سیار" کے منتخب فارسی اور کھوار کلام کے تراجم اور ان کے حالات زندگی پر ہے۔ دوسری کتاب چترال کی لوک کہانیوں اور گیتوں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ دونوں کتابیں لوک ورثے کے قومی ادارے نے شائع کی ہیں۔ اس وقت چترال میں اُردو شاعری، افسانہ، ناول اور ڈرامے پر کافی کام ہو رہا ہے۔ پروفیسر عبد السمیع اور پروفیسر اسرار الدین کے علاوہ امین الرحمان چغتائی، محمد یوسف شہزاد، ولی زار خاں ولی، وقار احمد، تکرم شاہ، شیر ولی خاں اسیر، محمد عرفان عرفان، بلبل ولی خاں، شیر نواز نسیم اور گل مراد حسرت کا شمار اُردو کے اچھے لکھنے والوں میں ہوتا ہے۔ عبد الرحمان

سرفراز علی خاں فراز، امیر علی، محمد حسنین خاں، کرم الٰہی کرم، مولوی جان فگار، امیر خان میر، سلطان علی صالح ولی آزاد، شہزادہ شمس الدین شمس اور سید شمس النظر شاہ اُردو کے لکھاری ہیں۔ مگر لکھنے کا میدان اور تحریری صلاحیتوں کو بڑھانے کی ترغیب کا سامان میسر نہیں۔

شیر ولی خاں اسیر کی کتاب "چترال کے آلات موسیقی"، پروفیسر اسرار الدین اور وزیر علی شاہ کی مشترکہ کتاب "چترال، ایک تعارف" اور راقم کی کتاب "لوک چترال" چھپائی کے مراحل میں ہیں۔

چترال میں ذوق، سودا، میر و غالب اور اقبال کے شیدائیوں کی تعداد کچھ کم نہیں۔ سر سید، شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی اور مولانا ظفر علی خاں کے مداحوں کی بھی کمی نہیں۔ نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ، نسیم حجازی، اختر شیرانی، حفیظ جالندھری اور فیض احمد فیض کی کتابوں سے خاص رغبت رکھتا ہے۔

قومی اُردو اخبارات کے علاوہ نگار، ماہِ نو، قومی زبان اور اخبار اُردو جیسے دیگر علمی اور ادبی جرائد و رسائل بھی چترال میں ذوق و شوق کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور گذشتہ دو دہائیوں سے چترال کے دیہاتوں میں ارباب ذوق کی کوششوں سے چھوٹی چھوٹی اُردو لائبریریاں بھی قائم کی جارہی ہیں۔ ان لائبریریوں میں اُردو زبان و ادب کی پرانی اور نئی کتابیں جمع کی جاتی ہیں۔ یہ کتابیں مطالعہ کے شائقین کا شوقِ مطالعہ بھی پورا کرتی ہیں اور طلبہ و اساتذہ کے کام بھی آتی ہیں۔ ایسی دو لائبریریاں چمرکن (CHUMARKON) میں واقع ہیں۔ یہ گاؤں چترال خاص سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں نورالٰہی اور انعام اللہ خان نے دو مثالی لائبریریاں قائم کی ہیں۔ اسی طرح دنین (DIENIN) میں شہزادہ افتخار الملک زاہد کی لائبریری، کوغذی (KOGHOZI) میں ولی الرحمن ایڈوکیٹ اور دروش میں حاجی حضرت یوسف کی لائبریریاں چترال میں اُردو کے اچھے مراکز سمجھے جاتے ہیں۔

چترال میں اُردو درس و تدریس کا انتظام ریاستی زمانے میں بھی تھا۔ اس وقت اُردو کا نصاب بہت ضخیم کتابوں پر مشتمل ہوتا تھا اور اس میں اساتذہ کا کلام اور اُردو کے نامور نثر نگاروں کی اہم اہم کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۸ء تک لوئر مڈل کی سطح پر دیوانِ ذوق، دیوانِ میر، مراثی انیس، بانگ درا، سحر البیان، فسانہ عجائب اور توبۃ النصوح پڑھائی جاتی تھیں۔ اُس زمانے میں اُردو کے اساتذہ ادیب فاضل اور منشی فاضل ہوتے تھے۔ اُردو کی تعلیم ادب و انشا کے ذریعے

دی جاتی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد سرحد ٹیکسٹ بک بورڈ، مغربی پاکستان ٹیکسٹ بک بورڈ اور پھر سرحد ٹیکسٹ بک بورڈ کا اردو نصاب چترال میں پڑھایا جانے لگا۔ سکول کی سطح پر پہلے دور کے فاضل اساتذہ ایک ایک ہو کر خانہ نشین ہوتے گئے، اور ان کے بعد جن اساتذہ نے اُردو پڑھانے کا بیڑہ اٹھایا، ان میں وہ پہلی سی لگن نہ رہی۔

پہلا انٹرمیڈیٹ کالج ۱۹۷۹ء میں قائم ہوا اور یہاں طلبہ کو اُردو ادب کے چند اچھے اساتذہ میسر آئے۔ لازمی اُردو کے ساتھ، اُردو اعلیٰ (ایڈوانس اُردو) میں بھی طلبہ نے دلچسپی لی۔ اب تک یہاں اختیاری مضمون کے طور پر اُردو ادب کا انتخاب کرنے والوں کی شرح ۱۰ فیصد سے ۲۰ فیصد تک رہی ہے، جبکہ اس میں پہلی بار پاس ہونے والوں کی شرح ۴۰ فیصد سے ۶۰ فیصد تک پہنچتی ہے۔ چترال میں اُردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے اس رفتار کو بھی حوصلہ افزا سمجھتے ہیں۔

چترال میں اُردو کے مخطوطات بھی ناپید نہیں ہیں۔ اُردو نظم اور نثر میں چترال کے فضلا نے جو طبع آزمائی کی ہے۔ اس کا ذخیرہ مخطوطات کی صورت میں موجود ہے مگر ان مخطوطات کو یکجا کرنے کا کام اب تک باقی ہے۔ نظم اور غزل میں امین الرحمٰن چغتائی اور صالح ولی آزاد کے کلام کو یکجا کرنے کی ضرورت ہے۔ کرم الٰہی کرم نے ایک ناول لکھا ہے۔ وقار احمد نے سیرت نبی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب لکھی ہے، جس میں حضور اکرمؐ کی عسکری حکمت عملی پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ تاہم چترال میں اُردو کے قابلِ ذکر مخطوطات، شہزادہ محمد حسام الملک مرحوم کی تحریروں کے مجموعے ہیں۔ یہ مخطوطات چترال کی تاریخ، تہذیب و تمدن، زبان اور سماجی و سیاسی پہلوؤں پر لکھے گئے ہیں۔ ان کی کل تعداد تیرہ ۱۳ ہے۔ کھوار، فارسی اور انگریزی میں ان کی تحریریں بھی اس میں شامل ہیں۔ شہزادہ محمد حسام الملک کی لائبریری کے اُردو مخطوطات یہ ہیں۔

خوانِ چترال:۔ اس کتاب میں چترال کے روایتی کھانوں کا بیان ہے۔ ہر کھانے کی تفصیل، اس کے اجزا کا تعارف، پکانے کا طریقہ اور اس کھانے کے خاص خاص روایتی مواقع بھی دیے گئے ہیں۔ لائبریری میں اس کے کھوار اور انگریزی تراجم بھی محفوظ ہیں۔

تمدنِ چترال:۔ اس کتاب میں چترال کی تہذیب و ثقافت اور قدیم طرزِ معاشرت و تمدن کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اصل مخطوطہ اُردو میں ہے۔ اس کے کھوار اور انگریزی تراجم

بھی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

ریاستی نظم ونسق:۔ یہ بھی ایک مخطوطہ ہے۔ اس میں ریاست چترال کے نظم ونسق پر اختصار کے ساتھ قلم اُٹھایا گیا ہے۔ جس کے اندر ریاستی حکمران کے معمولات، امرا و رؤسا کے فرائض، رعایا کے حقوق اور واجبات کا بیان ہے۔

امورِ جہاں بانی:۔ یہ ایک الگ مخطوطہ ہے۔ اس میں ریاست چترال کے حکمرانوں کی بعض خوبیوں اور خامیوں کے حوالے سے جہاں بانی اور حکومت کے لیے چند اصول وضع کیے گئے ہیں۔

گلشنِ چترال:۔ یہ مخطوطہ چترال میں باغات کی صورت حال اور باغبانی کے طریقوں پر لکھا گیا ہے۔ اس میں چترال کے مخصوص باغات، پودوں، درختوں، پھلوں اور پھولوں کا تذکرہ ہے۔ اس کا کھوار اور انگریزی ترجمہ بھی ہوا ہے۔

میرے تجربات:۔ یہ مخطوطہ مصنف کے چھوٹے چھوٹے مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہے۔ ان مشاہدات اور تجربات کا تعلق نفسیات انسانی سے ہے اور اس میں چھوٹے بڑے، ماتحت، افسر، دوست، عزیز اور ملنے والوں کے ساتھ برتاؤ کے زریں اصول سمجھائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اصول ڈیل کارنیگی کے وضع کردہ اصول نفسیات سے متصادم بھی ہیں۔

چترال میں اُردو زبان و ادب کے حوالے سے انفرادی طور پر جو کچھ ہوا ہے، اس کا اثر ۱۹۷۵ء کے بعد منظم اور اجتماعی جدوجہد کی صورت میں نمایاں ہو رہا ہے۔ چترال میں کام کرنے والی کچھ انجمنوں نے اُردو کے حوالے سے اپنے کام کو نیا موڑ دیا ہے اور چند انجمنیں اُردو کے نام پر وجود میں آگئی ہیں۔

انجمن ترقی کھوار اور چترال سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن پشاور یونیورسٹی نے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے چترال کے اُردو لکھنے والوں کی تحریروں کو طبع کرانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ انجمن ترقی کھوار نے چترال اور کھوار زبان پر لکھی ہوئی اُردو تحریروں کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ جبکہ چترال سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے اپنے سالانہ مجلہ "ترچمیر" کا اجرا کر کے چترال کے اُردو لکھنے والوں کی بہت سی تحریروں کو یکجا کیا۔ اور مجلّے کی تین جلدوں میں انہیں شائع کیا۔ اس مجلّے کا ایک تہائی حصہ اُردو میں چھپتا ہے، اور اس کے چیف ایڈیٹر پروفیسر اسرار الدین ہیں۔

چترال میں اُردو کی پہلی تنظیم ادارہ علم و فن پاکستان کی شاخ تھی جو ۱۹۷۸ء میں قائم ہوئی، چترال میں ادارہ علم و فن پاکستان کے حوالے سے اُردو زبان و ادب پر کام کرنے والوں کے قافلہ سالار غلام عمر مرحوم تھے۔ امیر خان میر، امین الرحمٰن چغتائی، تاج محمد فگار، محمد عرفان عرفان، گل نواز خاکی، خلیل الرحمٰن نوشاد، شیر ولی خان اسیر، گل مراد حسرت، وقار احمد اور رحمت غازی خان اس قافلے میں آگے آگے تھے، ادارہ علم و فن پاکستان کی چترال شاخ کے تحت "خاصہ خاصان رسل" کی تعارفی تقریب چترال میں منعقد ہوئی۔ اُردو میں نعتوں کا یہ مجموعہ ادارے نے شائع کیا تھا۔ نیز چترال کے شعرا کی قومی نظمیں اُردو ترجمے کے ساتھ ادارے کی طرف سے مطبوعہ کتاب "دیپ جلے لہو لہو" میں شائع ہوئیں۔ اس سلسلے میں مزید کام بھی ہو رہا ہے۔

۱۹۸۲ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج چترال میں "انجمن اُردو" کا قیام عمل میں آیا۔ منظور احمد خان، سلطان داؤد، صلاح الدین صالح اور شہزادہ افتخار الملک زاہد اس کے پہلے عہدیدار مقرر ہوئے۔ محمد جاوید حیات، بشیر اللہ شاہد، سعادت حسین مخفی، نیاز علی شاہ نیار، عطا حسین، غفار علی گوہر، فدا احمد ہشاش، عدنان، شمس الدین اور جمشید حسین عارف اس انجمن کے روح رواں ہیں۔ انجمن اُردو کے انتخابات ہر دو سال بعد ہوتے ہیں، انجمن کا آئین مرتب کیا گیا ہے اور اس کے مقاصد میں پانچ بنیادی باتیں شامل کی گئی ہیں۔

۱۔ چترال میں اُردو ادب کے مطالعے کو فروغ دینا اور قومی زبان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے علمی اور سماجی شعور پیدا کرنا۔

۲۔ چترال میں اُردو کے پرانے لکھنے والوں کی تحریروں کو یکجا کرنا اور نئے لکھنے والوں کو مختلف ترغیبات کے ذریعے اُردو میں لکھنے کی طرف مائل کرنا۔

۳۔ نوجوانوں کی ادبی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لیے اُردو مضمون نویسی اور تقریری مقابلوں کا اہتمام کر کے تخلیقی جوہر کو آگے بڑھانا۔

۴۔ چترال میں اُردو لائبریریوں کا قیام عمل میں لانا اور گاؤں گاؤں لائبریریاں قائم کر کے نئی نسل کو اُردو میں مطالعے کا صحت مند مواد فراہم کرنا۔

۵۔ ایک اُردو ادبی مجلے کا اجرا کر کے اس کے ذریعے کھوار زبان کے روایتی علمی و ادبی ذخیرے کو اُردو میں منتقل کرنا۔

انجمن اُردو کے زیر اہتمام جولائی ۱۹۸۳ء میں، ڈگری کالج چترال میں ایک خصوصی لیکچر کا اہتمام کیا گیا۔

پشاور یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر خاطر غزنوی نے انجمن اُردو کی خصوصی دعوت پر "اُردو، رابطے کی قومی زبان" کے زیرعنوان لیکچر دیا، اور طلبہ کے سوالات کے جواب دیے۔ بعد میں ایک خصوصی محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔

"انجمن اُردو" نے چترال سے اپنا پہلا مجلہ "قاشقار" بھی جاری کرنے کا فیصلہ کیا ہے مگر اس سلسلے میں انتظامی مشکلات کا سامنا ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۵ء میں گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج بونی میں "بزم اُردو" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ بونی کے ارباب ذوق میں سے مکرم شاہ، شیر ولی خان اسیر، سرفراز علی خان فراز، عبدالرحمن اور سلطان علی اس کے روح رواں ہیں۔ جبکہ عہدیداروں میں کالج کے طلبہ میں سے مرزا نادر شاہ، فیض اکبر، میر گلاب میر، بہاوالدین زکریا اور عثمان نواز کو لیا گیا ہے۔ "بزم اردو" کی رکنیت کالج سے باہر تمام اہل ذوق، احباب اور اُردو کے ساتھ محبت کرنے والوں کے لیے عام ہے۔ "بزم اُردو" کا اساسی دستور منظور کر لیا گیا ہے اور اس کے اغراض و مقاصد میں سات اہم نکات رکھے گئے ہیں۔

۱۔ قومی زبان کی حیثیت سے اُردو کے مقام کا تحفظ کرنا۔

۲۔ چترال میں اُردو زبان و ادب کے مطالعے کو عام کرنا۔

۳۔ چترال کی زبان کھوار اور قومی زبان اُردو میں مشترک اقدار و روایات پر تحقیق کے لیے فضا ہموار کرنا۔

۴۔ کھوار زبان کی قدیم ادبی روایات اور روایتی ادبی ورثے کا اُردو میں ترجمہ کرنا اور اردو زبان کے کلاسیکی ادب کو کھوار میں منتقل کرنا۔

۵۔ سب ڈویژن مستوج کے اندر اُردو میں جتنے لکھنے والے ہیں ان سب کو تبادلہ خیال کا پلیٹ فارم مہیا کرنا۔ اور ان کی تخلیقات کو بزم اردو کے مجلہ کے ذریعے یکجا طور پر شائع کرنا۔

۶۔ سب ڈویژن مستوج کے اہم مرکز میں اُردو کے کتب خانے قائم کرکے اُردو ادب کے مطالعے کو اس پسماندہ علاقے میں بڑے پیمانے پر رواج دینا۔

۷۔ نوجوانوں میں علمی و ادبی ذوق پیدا کرنا اور انہیں اُردو زبان و ادب کے ساتھ محبت کی ترغیب دینا۔

"بزم اردو" سٹیج شو، خصوصی ناٹک، تقریری مقابلوں، بیت بازی اور مشاعرے کی نشستوں کے علاوہ اُردو میں مضمون نویسی اور خوشخطی کے مقابلے بھی منعقد کراتی ہے۔ "بزم اُردو" کا سالانہ اُردو مجلہ "بونی زوم" تکمیل کے مراحل میں ہے اور مارچ ۱۹۸۷ء میں اسکی تقریب رونمائی کا پروگرام ترتیب دیا جا رہا ہے۔

چترال میں پریس اور ذرائع ابلاغ کی سہولتیں میسر نہ ہونے کے باوجود اس پہاڑی خطّے نے اُردو کے لیے ہمیشہ اپنے دِل کے دریچوں کو وا کر رکھا ہے۔ اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی قومی زبان کی آواز کوہِ ہندوکش کی تنگ وادیوں اور پُرخطر گھاٹیوں میں کسی طاقتور داعی کی صدائے بازگشت کے طور پر مسلسل گونج رہی ہے۔

چترال کے لوگوں کو وطن عزیز پاکستان سے جو محبت ہے، اپنی قومی زبان زبان اُردو سے بھی اتنی ہی محبت ہے اور یہاں اُردو کو بے پناہ پذیرائی حاصل ہے۔

چترال میں اُردو کے ماضی اور اُردو کے ساتھ چترال کے علما، فضلا اور نوجوان لکھنے والوں کی موجودہ محبت کو دیکھ کر یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مستقبل میں چترال کی سرزمین اُردو کے لیے زرخیز ثابت ہوگی۔

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر
۶۔ وزارتِ قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذ اُردو
۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصاب تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلس زبانِ دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان - آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور عالمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو

اردو گنتی کے چند پہلو

افضال احمد

مقتدرہ قومی زبان ○ اسلام آباد

۱۹۸۶ء

اردو گنتی کے چند پہلو

پمفلٹ نمبر ۳۹

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)
مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۸/۱ ،
اسلام آباد

اُردو گنتی کے چند پہلو

افضال احمد

مقتدرہ قومی زبان ○ اِسلام آباد

۱۹۸۶ء

[illegible]

[illegible]

راولپنڈی

ناشر
مقتدرہ قومی زبان

اسلام آباد

[illegible]

۲۸۴۱۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ مدت ہوئی ایک جرمن کو اُردو پڑھانے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہ المنادری صاحب ایک مشنری اسپتال میں طبیب تھے۔ اُن کو صرف کام چلاؤ، اور بول چال کی اُردو درکار تھی۔ مریضوں سے بات چیت کی حد تک۔ اسی سلسلے میں میں نے اُن کو گنتی بھی سکھائی تھی۔ اُس وقت تک مجھے صرف بچپن سے رٹی رٹائی گنتی یاد تھی۔ اس پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔

ظاہر ہے گھٹّی میں پڑی ہوئی گنتی پر غور کرنے کا خیال بھی کبھی کیوں آنے لگا تھا۔ پہلی بار کسی غیر زبان والے کو پڑھایا تو ان اصولوں کی طرف توجہ گئی جو ہماری گنتی میں مضمر ہیں۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ذرا جوشِ تعلیم میں کسی یورپی کو ہر گنتی کا نام بتلانے، سمجھانے لگا تھا۔ اور اسی سبب سے ذرا زیادہ ہی زور لگا دیا تھا۔

اپنی شرمندگی کا اظہار کرتا چلوں کہ مجھے پہلی بار نظر آیا کہ ہماری گنتی میں بھی کچھ اصول ہوتے ہیں اور عام طور پر بنیاداً یہ وہی اصول ہیں جو انگریزی گنتی میں کارفرما ہیں۔ مثلاً ایک سے نو تک ہر گنتی مفرد ہے، جیسا کہ ان کے ناموں سے ہی ظاہر ہے۔ یا کم سے کم مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ ہم ایک کو ایک اور پانچ کو پانچ کیوں کہتے ہیں۔ اور انگریز ٹو کو ٹو اور نائن کو نائن کیوں کہتے ہیں۔

البتہ دس کے متعلق مجھے شبہ ہے کہ یہ انگریزی ٹین کے برخلاف مرکب ہے۔ مگر ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ دس کے آگے کی گنتی کی ہر دہے میں سو تک، پچھلی دہائی کے نام میں پہلی دہائی کے کسی مفرد کو ملا کر ایک نیا عدد بنا لیتے ہیں۔ بالکل انگریزی کی طرح۔ مثلاً انگریزی میں اکیس ۲۱ کو ٹوئنٹی ون کہتے ہیں تو یہ اکیس بھی دراصل "ایک بیس" ہے جو لسانی تقاضوں کے تحت کثرتِ استعمال سے بگڑ کر اکیس بن گیا ہے۔

مگر کیوں نہ بات شروع ہی سے کی جائے! یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ ایک سے لے کر نو تک

تمام ہندسے مفرد ہیں البتہ ہم ان اعداد کی وجہ تسمیہ نہیں جانتے ۔ ہاں یہ اور کہتے چلیں کہ ہماری ساری کی ساری گنتی بنیادی طور پر ہماری قدیم پراکرتوں سے ابھری ہے ۔ اُردو زبان ہی کی طرح ۔ اور جیسا ہم آگے دیکھیں گے ، ہماری گنتی کے اس اخذ و اختیار کی کارفرمائی کسی ایک قدیم بولی پر بس نہیں ۔

اب آئیے اپنی گنتی کے مفردات کو ایک ایک کر کے دیکھیں ۔

پہلے تو یہ "ایک" ہی ہے ۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ ہم ایک کو ایک کیوں کہتے ہیں ۔ مگر ایک بات البتہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہم اس "ایک" کو فارسی کے زیر اثر کہیں کہیں "اک" اور "یک" بھی کہہ جاتے ہیں ۔ یہ بھی شبہ ہوتا ہے کہ پہلے اس کے لیے اکّا اور اکّی بھی استعمال ہوتا تھا ۔ ہمارے تاش میں اکّا اب بھی ہوتا ہے ۔

دو کا لفظ البتہ ہم نے فارسی ہی سے لیا ہے ورنہ شاید ہماری گنتی میں اس کا پرانا نام وہی تھا جو ہماری طرف کی بعض دوسری زبانوں میں ملتا ہے ۔ یعنی "ٻہ" سندھی ، گجراتی اور میمنی "ٻہ" اس کے گواہ ہیں ۔ اس بات کی اہمیت یہ ہے کہ جیسا ہم آگے دیکھیں گے ۔ یہ "دو" ہماری گنتی میں پھر کہیں اور نہیں آتا ۔ دو سو اور دو ہزار وغیرہ میں بھی یہ دو ، دو ہی کی طرح ہوتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں جہاں کسی مرکب ہندسے میں اس کو آنا ہوتا ہے تو یہاں اس کا نام دو نہیں ہوتا "ٻہ" یا اس کی بدلی ہوئی شکل ہوتا ہے ۔ مثلاً دس دو بارہ ۔ بیس دو بائیس یا ساٹھ دو باسٹھ ۔

اب لیجیے تین ۔ شاید یہ لفظ "تے" یا "ترے" تھا ۔ ہماری ہم خاندان زبانوں میں یہ "ترے" اور "ترَی" ان ہی معنوں میں آج بھی موجود ہے ۔ بلکہ اُردو کے ترسول اور ترا ہے میں تو صرف "تر" اور "تِ" رہ گیا ہے ۔

اب چار ۔ یہ چار تو خیر ہے ہی ۔ مگر چو کی صورت میں باقی گنتی بھر میں بلکہ خود عام زبان میں بھی یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا ہے مثلاً چوبیس ، چوہتر ، چوکا ، چوراہا وغیرہ ۔

پانچ ۔ ایسا لگتا ہے کہ پہلے یہ صرف پنچ تھا ۔ جیسے پنچ تنتر میں ۔ پنچایت اور پنچایتی ۔ پنچ اور سرپنچ میں ۔ فارسی کا پنج بھی پنج ہے ۔ لیکن یہ پنچ کہیں کہیں گھس گھسا کر صرف پچ رہ گیا ہے مثلاً پچ میل میں ، پچیس میں ۔ گنتی میں یہ پنچ کہیں کہیں صرف پین بھی ہو کر رہ گیا ہے مثلاً پینتالیس میں ، پینتیس میں ۔ لفظ پانچ ایک آدھ جگہ صرف پان بھی ہو کر رہ گیا ہے ۔ مثلاً پانسو ۔ پانسیر میں ۔ پندرہ کے عدد میں تو یہ

صرف پن یا پند بن کر رہ گیا ہے۔

اور یہ ہمارا چھ۔ عام طور پر اسے زیر کے ساتھ بولتے ہیں مگر زبر کے ساتھ بھی بہ کثرت سنا گیا ہے۔ اور بعض بعض جگہ پیش کے ساتھ بھی۔ پوری گنتی پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کئی جگہ یہ صرف "س" ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسے بچے "س" کو چھ اور چھ کو "س" سے ادل بدل کر لیتے ہیں۔ مثلاً دس چھ سولہ۔ چھولہ نہیں۔ ساٹھ، ساٹھ ہے چھاٹھ نہیں۔ یہ بات جب ہم ساٹھ جمع کی بات کریں گے تو کھل کر دیکھیں گے۔

اب آیئے سات پر۔ یہ آگے کی گنتی میں صرف "ست" رہ جاتا ہے۔ مثلاً سترہ میں، ستائیس میں، ستانوے میں بلکہ ایک جگہ تو صرف "س" ہو کر۔ بلکہ ستر جمع میں یہ "س" بھی "ہ" میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کی تفصیل اس کے اپنے موقع پر آئے گی۔

اسی طرح آٹھ۔ یہ مفرد کے علاوہ ہر جگہ بنیاداً اٹھ کی صورت میں آتا ہے۔

یہاں رُک کر ایک اور بات پر غور کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ہمارے مفردات میں جہاں جہاں کھنچا ہوا الف بیچ میں آتا ہے وہ مرکبات میں گر جاتا ہے۔ مثلاً پانچ، پنچ یا صرف پچ رہ جاتا ہے۔ سات ست، اور آٹھ، اٹھ، بن جاتے ہیں۔ تو شبہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اولاً یہاں الف تھا ہی نہیں اور ہم ولائیتیوں نے بعد میں لگالیا۔

اب آخر میں نو۔ یہ فارسی کے "نہ" سے ملتا جلتا نام یوں کا یونہی رہتا ہے۔

اکائیاں پوری ہوئیں تو اب تمام کی تمام دہائیوں کا ذکر ایک ہی دفعہ میں ہو جائے۔ دس کی کچھ بات تو ہم خیر سے شروع ہی میں کر چکے ہیں۔ اب باقی "پوری" دہائیوں پر غور کر لیں۔ شبہ ہوتا ہے کہ یہ سب کی سب مرکب ہیں۔ بلکہ شاید خود دس بھی انگریزی "ٹین" کے برخلاف مرکب ہی ہے۔ شاید د، اور س سے مل کر بنا ہے۔ اور غالباً اس "س" کا مطلب ہے ضرب دس۔ یعنی خود دس بھی ایک ضرب دس ہوا۔ (نوٹ: یہاں یہ دس ہمارا آج کا دس ہے نو جمع ایک والا۔ مجبوراً استعمال کر رہا ہوں کہ ورنہ کیا کروں) یہ س شاید ا، ی، س یعنی ایس تھا۔ بہرحال۔

یہ بات ذرا الجھی کی الجھی سی رہتی ہے۔ لیکن جب ہم باقی "پوری" دہائیوں کو دیکھیں گے تو بات ذرا صاف ہونے لگے گی۔

پہلے تو یہ د۔ یا تو یہ کسی طرح ایک کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اور س کے معنی دس گنا بھی ضرب دس

کے ہیں تو "دس" کے معنی ہوئے ایک ضرب دس ۔ دس بار ایک ۔ یا پھر یہ آواز پشتو اور انگریزی کی طرح انفرادیت جتانے اور زور دینے کے لیے آتی تھی اور س منفرد تھا نو دہائی کے لیے، یعنی دس کو یہ سمجھ لیجیے کہ اصلی اور بنیادی منفرد عدد جو نو کے آتا ہے ۔ اصلی یعنی بعد میں آنے والی دہائی کے برخلاف منفرد ۔ یعنی دس برابر ہے انگریزی دی ٹین کے ۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ یہ لفظ دس کہیں کہیں "رہ" میں بھی بدل جاتا ہے ۔

باقی "پوری" دہائیوں کو دیکھ لیجیے ۔ یہ "بو" جمع "س" ہی کی بدلی ہوئی شکل ہے ۔ بلکہ "بو" اور "الیس" کی ۔ یعنی "بوالیس" ۔ یہ "بو" اب کثرت استعمال سے صرف "ب" رہ گیا ہے ۔ یعنی "بوالیس" بیس ہو گیا ہے ۔

اسی طرح تیس ۳ بھی تین ضرب دس ہے ۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ "تے" غالباً "ترے" تھا ۔ بلکہ "تی" ہمارا تین اسی تے کی ترقی یافتہ شکل ہے چنانچہ یہ تیس ۳ بھی تے ضرب الیس یا تی ضرب سی ہی کی ایک شکل ہے ۔

اب آیے چالیس پہ ۔ یعنی بنا تو چار ضرب الیس ہی سے ہے مگر اس کا "چار" ذرا لسانی ضرورتوں کے تحت "چال" ہو گیا ہے ۔ اُردو کے علاوہ بھی ہماری بعض دوسری زبانوں میں کئی جگہ رے کو لام کی آواز میں بدل لیتے ہیں ۔ شاید فطری ہے ۔ بچے بھی یہی کرتے ہیں ۔

اور اب پچاس ۔ یعنی دس پنجے ۔ یا پانچ ضرب دس ۔ اپنی بنیادی شکل میں ہوتا تو پچ بلکہ پچ ضرب الیس (ای س) ۔ لیکن غالباً اس لیے کہ ایک عدد پچیس پہلے ہی بیس جمع پانچ کے لیے استعمال ہوتا تھا ۔ یہ ممکنہ "ای س" آس میں بدل گیا ۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نامعلوم وجہ سے چالیس کے بعد "ضرب ای س" کا اصول ہی کام میں نہ آرہا ہو ۔ مثلاً پچاس کے بعد ساٹھ ۔ پھر ستر پھر اَسّی اور پھر نوے ۔ اس اصول سے کوئی لگا کھاتے نظر نہیں آتے ۔ مگر ان کا ذکر ذرا آگے ۔

اب ساٹھ ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ساٹھ میں "س" کو چھ ہونا چاہیے تھا مگر "چھ" "سین" کبھی کبھی آپس میں بدل بھی جاتے ہیں ۔ چنانچہ یہ "چھ ضرب دس" چھاٹھ کے بجائے ساٹھ ہو گیا ہے ۔

خیر یہ ساٹھ کا "س" "سین" تو سمجھ میں آگیا مگر یہ نام کا دُم سرا آٹھ کہاں سے آگیا؟ اور یہ سین ضرب دس ساٹھ کیسے بن گیا؟ خاص کر جب کہ یہ "آٹھ" ہمارے سات جمع ایک والا آٹھ بھی نہیں ہے ۔ تو

میرا گمان ہے کہ یہ پچاس ہی کے انداز پر شروع شروع میں "ساس" رہا ہوگا۔ لیکن چونکہ ایک طرف تو ہماری طرف یہ لفظ ایک رشتے کا نام ہے۔ اور ہماری ساس ایک اور ہی شے ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف یہ بھی کہ لسانیات بلکہ تلفظات کے بعض قدرتی تقاضوں کے تحت یہ لفظ "ساس" منہ میں لوٹتے لوٹتے ساٹھ بن گیا۔

اب ستّر کو لیتے ہیں۔ عرض کر چکا ہوں کہ مرکبات میں سات، ست رہ جاتا ہے۔ تو اگر کسی سبب سے دس کے لیے "تر" کا لاحقہ آرہا ہو تو ست۔ اور تر مل کر ستّر بن جائیں گے۔

اس کے علاوہ ایک اضافی خیال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ ستر جب آگے مرکبات میں آتا ہے تو اس کا "س" کسی نہ معلوم لسانی قلابازی کے سبب "ہ" کی آواز دینے لگتا ہے اور ستّر، ہتّر بن جاتا ہے مثلاً اکہتّر، بہتّر، تہتّر، اٹھہتّر وغیرہ۔

اب رہا اسّی۔ تو اس میں صاف "س" صاف "اٹھ" کی لسانی طور پر سڈول کی ہوئی آواز ہے۔ اسّی یعنی اٹھتّی۔ یہاں بھی پچاس، ساٹھ اور ستّر کی طرح "ی س" کا لاحقہ موجود نہیں کیوں؟ پتہ نہیں۔

یا شاید اسے بھی اٹھ جمع ی س (یعنی اٹھ ضرب ی س یعنی دس) ہونا تھا۔ یعنی اٹھیس۔ مگر یہ اٹھیس یا اڑتیس پہلے ہی موجود تھا۔ خیر ممکن ہے کہ ہماری موجودہ گنتی برصغیر کی صرف کسی ایک ہی پراکرت سے ابھر کر نہ آئی ہو۔ بلکہ یہ خود مادرِ اُردو ہی کی طرح کئی مختلف پراکرتوں کی کھچڑی ہو۔ یعنی کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا لے کر لسانی اور تاریخی ارتقا نے بھان متی کا کنبہ جوڑ لیا ہو جسے ہم آج اپنی گنتی کہتے ہیں۔ یعنی کسی بولی میں دس گنا بنانے کے لیے "ی س" یا "ای سی" کا لاحقہ استعمال ہوتا تھا تو کہیں کوئی اور اصول کارفرما تھا۔ شاید چالیس کے بعد پچاس اور ساٹھ کسی اور بھی زبان کی گنتی ہو اور ہتّر اسّی نوّے کن ہی اور زبانوں کے خاندانی نام ہوں۔ کیا خبر۔

خیر اب نوّے کی خبر لی جائے۔ سیدھا سادا نام ہے مگر اس کا ایک اہم پہلو اس کا دکنی تلفظ ہے۔ اہلِ دکن اس نوّے کو "نوَد" کہتے ہیں۔ چنانچہ پھر وہ اکانوے کو "اکانوَد" اور بیانوے کو "بیانوَد" بھی کہتے ہیں۔

میں نے اس حیدرآبادی تلفظ کا ذکر ایک خاص سبب سے کیا ہے۔ ایک جگہ میرے لیے اس کی اہمیت اچانک کلیدی ہو جاتی ہے۔ یعنی غیر حیدرآبادی اور غیر دکنی اُردو میں۔ مگر اس کا ذکر بھی آگے۔

نوّے کے بعد سو اور سو کے بعد ہزار، لاکھ، کروڑ، ارب، کھرب، سنکھ اور مہا سنکھ ہماری گنتی کے اہم موڑ ہوتے ہیں۔ بڑی وسیع گنتی ہے ہماری۔

اس کے علاوہ ہم مسلمانوں کے ایک عظیم سائنسداں اور ریاضی داں الخوارزمی نے جہاں علم الحساب کو اور کئی بیش بہا اور انمٹ سوغاتیں دی ہیں وہاں دنیا کو صفر بھی عنایت فرمایا ہے۔ عربوں نے علم الحساب اہلِ ہند سے لیا تھا۔ چنانچہ اعداد ہی کو ہندسہ کہہ کر اس کا برملا اعتراف بھی کیا۔ لیکن اہلِ ہند کے پاس صفر نہ تھا اور نہ ہی وہ اس کی اہمیت سے واقف تھے۔ وہ تو اس کا خانہ خالی ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔ الخوارزمی نے اس کو بطور ہندسہ استعمال کر کے نہ صرف علم الحساب بلکہ دنیائے سائنس میں انقلاب برپا کر دیا۔ اہلِ ہند نے پہلی بار اجیّن میں اسے اس وقت استعمال کیا جب الخوارزمی کو اسے کام میں لائے ہوئے ۴۸* برس گذر چکے تھے۔

اور جب بات کسی اور رستے پر پڑ ہی گئی ہے تو واپس لوٹنے سے پہلے ایک بار یہ بھی یاد کرتا چلوں کہ ہماری گنتی بنیادی طور پر اعشاری ہے۔ مغرب سے مرعوب ہو کر سو ہزار اور چار سو کروڑ کہنے والوں کو شاید وقوف نہیں اچھا اب ایک بار پھر واپس اپنی گنتی پر۔

ہم اکائیوں کے ناموں پر غور کر چکے۔ "پوری" دہائیاں دیکھ ڈالیں۔ اب پلٹ کر ان دہوں کو سمجھتے چلیں جو دس سے پورم پور تقسیم نہیں کی جا سکتی۔ اس میں دوسرے دَہے کی گنتی سرِ فہرست ہے۔

میں نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ "دس" کو شاید "دہ" بھی کہتے ہوں گے۔ میرا مطلب فارسی سے نہیں اپنی پراکرتوں سے ہے۔ میں نے تو یہ بھی سوچا تھا کہ شاید "دہ" "رہ" بھی بولا جاتا ہوگا۔ میرا شبہ گیارہ وغیرہ کی وجہ سے ہوا تھا۔

دس ایک، گیارہ۔ یہ شاید پہلے اکارہ تھا۔ اکّا سے اِکیّا ہوا۔ پھر اِکیّا کا کاف منہ کھُل کر اور نرم پڑ کر گاف بن گیا اور اگیارہ ہو گیا۔ بعد میں ہم نے شروع کا الف بھی گرا دیا کہ ہم افلاطون کے ساتھ بھی کر گزرتے ہیں اور اسے "فلاطوں" بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ اکیارہ، گیارہ رہ گیا۔ جب یہ الف گرا تو گویا اپنے ساتھ ایک گاف بھی لے ڈوبا۔ ویسے اب بھی بہت سے لوگ اگیارہ کہتے ہیں۔

اسی طرح بارہ "بورہ" کی ہی شکل ہے۔ تیرہ تو ہے ہی "تے رہ"۔ چودھا میں البتّہ "رہ" کے بجائے "دہ" استعمال میں آتا ہے۔ پندرہ "پنچ رہ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

پھر سولہا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسے "چھولہا" ہونا چاہیے تھا یعنی دس چھ چھولہا مگر ہوگیا سولہا۔ پھر "سات رہ" سترہ ہوگیا اور "اٹھ رہ" اٹھارہ یا اٹھارا کہہ لیجیے۔ اب رہا انیس، تو اس کا قصّہ الگ ہے اور قیامت کا ہے۔ سو ذرا آگے۔ اور یہ صرف انیس ہی کی بات نہ ہوگی بلکہ انتالیس، انچاس، انسٹھ، انہتر، نواسی اور ننانوے کی بات ہوگی۔ سو انتظار فرمایئے، پہلے تیسری دہائی۔

بیس ایک، اکیس [۲۱] آپ پہلے ہی دیکھ چکے ہیں۔ اب بائیس [۲۲] پر غور فرمالیں۔ یہ "بو بیس" کی جدید ترین شکل ہے۔ تیئیس [۲۳] "تے بیس" تھا۔ چوبیس [۲۴] تو خیر سے ہے ہی چوبیس۔ پچیس بھی ظاہر ہے۔ اور چھبیس، ستائیس اور اٹھائیس بھی، ہر جگہ بیس گھس کر یا تو اس (ای س) ہوگیا ہے یا چھبیس کی طرح مشدّد ہوکر موجود ہے۔

اسی طرح اکتیس، بتیس، تینتیس، چونتیس، پینتیس، چھتّیس، سینتیس اور اٹھ تیس ہیں۔ یہاں بتّیس اور چھتیس میں تیس کی "ت" مشدد ہوئی۔ اور تین، چار، پانچ اور سات کے ساتھ نون غنّہ آگیا تینتیس، سینتیس وغیرہ۔ اڑتیس میں البتہ اٹھ، اڑ بن گیا۔ گو اب بھی بہت سے علاقائی لفظوں میں یہ دستور "اٹھتّیس" ہے۔ تشدید کے ساتھ۔

اب آیئے چالیس کے معاملے پر۔ یہ مرکب میں تالیس اور آلیس ہو جاتا ہے۔ مثلاً اکتالیس، ایک چالیس تھا۔ بیالیس، بو چالیس تھا۔ اسی طرح تینتالیس، چوالیس۔ جسے بہت سے لوگ آج بھی چوتالیس کہتے ہیں۔ اڑتیس میں اُڑ، اُٹھ کا صوتی بدل ہے۔

ہاں پچاس ایک کا قصہ مختلف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری کسی پرانی پراکرت میں پچاس کو "ون" کہتے تھے اور ہم نے اُسے ادھار لے لیا۔ چنانچہ پچاس ایک ہوا "اکاون" جسے اکیاون بھی کہتے ہیں۔ ایسے ہی "بو ون" یعنی باون۔ ترے ون، جو آج ترپین ہے۔ چو ون یعنی چوّن۔ پچ ون یعنی پچپن۔ چھپن۔ ستاون اور اٹھاون۔

اسی طرح اکسٹھ۔ باسٹھ۔ ترے سٹھ۔ چونسٹھ۔ پینسٹھ۔ چھیاسٹھ۔ ستر سٹھ۔ یعنی ست سٹھ اور اسی طرح اڑسٹھ یعنی اٹھ سٹھ۔

پھر اکہتّر۔ بہتّر۔ تہتّر۔ چوہتّر۔ پچہتّر۔ چھیتّر (چھہتّر) ستتّر یعنی ست ہتّر اور اٹھہتّر۔ یاد رہے کہ "ہتّر" غالباً ستّر ہی کا دوسرا تلفظ ہے۔

اس کے بعد اکیاسی، بیاسی، تراسی، چوراسی، پچاسی، چھیاسی، ستاسی اور اٹھاسی۔ سب اسّی میں مفردات کی شمولیت سے پیدا ہوتے ہیں۔

اکیانوے، بانوے، ترانوے، چورانوے، پچانوے، چھیانوے، ستانوے اور اٹھانوے بھی سمجھ میں آگئے جنھیں اہلِ حیدر آباد (دکن) اکیانوَد۔ بیانوَد سے لے کر ستانوَد تک کہتے ہیں۔

اب وہ بات جس کے لیے میں نے اس حیدر آبادی تلفظ کو ایک جگہ کلیدی اہمیت کا بتایا ہے۔ میں نے جملہ گنتی کا ذکر کیا مگر انیس، انتیس، انتالیس، انچاس، انسٹھ، انہتّر، اناسی اور ننانوے کا ذکر نہیں کیا اور کہہ دیا کہ آگے۔ سو وہ اب سنیے۔

ہماری اُردو گنتی میں ایک بات ایسی قیامت کی ہے کہ ہماری طرف کے علاوہ شاید دنیا کی کسی اور گنتی میں نہ ملے، اور وہ "نفی ایک" کا تصور۔ ہمارے ہاں اس ایک "نفی ایک" کے لیے ایک واضح علامت موجود ہے۔ اور وہ ہے "اُن"۔ مثلاً ہم اٹھارہ کے بعد دس جمع نو کو "بیس نفی ایک" کہتے ہیں۔ یعنی "ان بیس"۔ "ایک کم بیس"۔ یہی اُن بیس گھس کر انیس رہ گیا ہے۔

اسی اصول پر انتیس، انتالیس، انچاس، انسٹھ، انہتر اور اناسی کے اعداد ہیں۔

لیکن اٹھاسی کے بعد اسّی اور نَو مل کر نواسی کہلاتے ہیں۔ تو یہاں وہ "اُن" یعنی "نفی ایک" والا اصول کہاں گیا؟ یہی وہ جگہ ہے جہاں مجھے اپنے دکنی رفیق یاد آتے ہیں۔ وہ اس نواسی کو "اِن نوَد" کہتے ہیں۔ نوَد یعنی نوّے۔ تو یہ اُنِ نوَد دراصل اُنِ نوّے ہوا۔ یعنی نوّے نفی ایک۔ ایک کم نوّے۔

سندھی میں بھی نفی ایک والا اصول نوّے کے ساتھ کار فرما ہے۔ اس زبان میں ہمارے نواسی کو انانوے کہتے ہیں، یعنی اُنِ نوّے۔

نواسی کے بعد نو اور اسی والے قاعدے (یا بے قاعدگی) کے مطابق نو اور نوّے مل کر ننانوے ہو جاتا ہے۔ شاید کسی نہ معلوم سبب سے یہاں "اُنِ سو" غلط ہو جاتا۔ یا کیا پتہ کسی مقامی بولی میں آج بھی اُنِ سو یا اسی سے ملتی جلتی کوئی بات موجود ہو۔ جس کی مجھ عاجز کو خبر نہ ہو سکی ہو۔

یہاں واضح کرتا چلوں کہ یہ "نفی ایک"، صفر سے نفی ایک کے معنی میں نہیں ہے یہاں یہ صرف "ایک کم" کے لیے استعمال ہوا ہے۔ صفر سے کم کے اعداد کا تصور تو بہت بعد کا ہے۔

(بشکریہ قومی زبان کراچی۔ اپریل ۱۹۸۶ء)

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر
۶۔ وزارت قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذ اُردو
۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصاب تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلس زبان دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان ۔ آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور علمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو
۳۸۔ چترال میں اُردو
۳۹۔ اُردو، گنتی کے چند پہلو

اُردو کتابت کے لیے چند کارآمد اصول

پروفیسر سیّد محمد سلیم

مقتدرہ قومی زبان ○ اِسلام آباد

۱۹۸۶ء

اُردو کتابت کے لیے
چند کارآمد اصول

پمفلٹ نمبر ۴۰

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۸/۱ ؛
اسلام آباد

اُردو کتابت کے لیے
چند کارآمد اصول

پروفیسر سید محمد سلیم

مقتدرہ قومی زبان ○ اِسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حرفِ آغاز

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اُردو خط یعنی خطِ نستعلیق نہ صرف بے حد خوبصورت اور جاذبِ نظر ہے بلکہ رعنائی اور نزاکت کے باعث اس میں مصوّری کا پورا پورا حُسن بھی پایا جاتا ہے۔ اُردو تحریر ایک قسم کی مختصر نویسی بھی ہے۔ اس کے لکھنے میں جگہ بھی کم درکار ہوتی ہے اور وقت بھی کم صرف ہوتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی بہت ساری خوبیاں اُردو خط میں پائی جاتی ہیں۔ جن کی وجہ سے اُردو خط کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو گیا ہے دوسری جانب انہی خوبیوں نے طلبہ اور مبتدیوں کے لیے اُردو خط کا لکھنا دشوار بنا دیا ہے۔ دراصل اُردو داں طبقہ ایک مغالطہ کا شکار ہے۔ تحریر کو وہ خوش نویسی اور خطاطی کے ہم معنی سمجھتا ہے۔ جب بھی لکھنے لکھانے کی بات کی جاتی ہے تو اس کا ذہن خوش نویسی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے خوشنویسی کے ماہر اساتذہ کی تحریریں گھومنے لگتی ہیں۔ یہ غلط فہمی اس نوعیت کی ہے کہ جب بھی صحت اور تندرستی کی بات کی جائے تو نگاہوں کے سامنے رستم زماں گاماں پہلوان کی تصویر گھومنے لگے۔ حالانکہ ظاہر بات ہے تندرستی اور شے ہے اور پہلوانی شے دیگر۔

کتابت سے متعلق دو فن ہیں، اصول کتابت اور فن خوشنویسی۔ خوشنویسی کا تعلق حروف کی آرائش و زیبائش اور الفاظ کی دلکشی و رعنائی سے ہے۔ گذشتہ زمانے میں بادشاہوں، امرا اور اہلِ علم کی سرپرستی میں فنِ خوشنویسی نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ ماہرین نے اس فن کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ صاحبِ ثروت قدر دانوں نے ماہرین کی نگارشات کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ماہرین نے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ معاشرے کا یہ عام مذاق بن گیا تھا۔ ہر پڑھا لکھا شخص بقدرِ استطاعت خطاطی کے نمونوں میں اور وصلیوں میں دلچسپی لیتا

تھا۔ اس غیر معمولی شغف کے اثرات آج تک معاشرہ میں باقی ہیں اور یہ اسی کا اثر ہے کہ لفظ کتابت سنتے ہی ذہن خوش نویسی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

اصول کتابت ایک جداگانہ فن ہے۔ اس میں ترکیب کے نقطہ نظر سے حروف کی گروہ بندی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ترکیب حروف کے قواعد بیان کیے جاتے ہیں۔ جو بھی شخص تحریر سیکھنا چاہتا ہے، خواہ وہ خوشنویس بنے یا نہ بنے، اس کا ان قواعد سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ کتابت سے واقف کار کے لیے فن خوشنویسی کا جاننا لازمی نہیں ہے۔ وہ ایک علیحدہ فن ہے۔ البتہ خوشنویسی سیکھنے والے کے لیے کتابت کے قواعد کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

فن خوشنویسی کی تعلیم دینے کے لیے اردو زبان میں معیاری کتابیں موجود ہیں۔ اساتذہ فن کی بھی کمی نہیں۔ لیکن اصول کتابت کی جانب سے یکسر غفلت برتی گئی ہے۔ کوئی کتاب اس فن پر موجود نہیں ہے کتابت سیکھنے کا تمام تر دارومدار مطالعہ پر ہے یا تحریرات نقل کرنے پر ہے۔ اس طرح بتدریج ترکیب حروف کے قواعد ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد لکھنا سہل ہو جاتا ہے۔ مگر خارج سے طالب علم کو کوئی امداد نہیں ملتی۔

دوران تدریس، شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج منصورہ میں پہلی بار مجھے طلبہ کی مشکلات کا اندازہ ہوا اور ان دشواریوں کا پتہ چلا جو اردو لکھنے میں طلبہ محسوس کرتے ہیں، خاص طور پر وہ طلبہ جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک مدت تک میں ان دشواریوں پر اور متعلقہ امور پر غور کرتا رہا۔ فن خوش نویسی کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتا رہا۔ کچھ ذاتی غور و خوض سے کام لیا۔ اس طرح میں نے کتابت کے قواعد اخذ کر لیے۔ اب میں ان تمام معلومات کو اس رسالے کی صورت میں پیش کر رہا ہوں اور میں توقع رکھتا ہوں کہ اس کے مطالعہ سے اردو خواں اور اردو آموز طلبہ اور مبتدیوں کی مشکلات رفع ہو جائیں گی۔ اگر میری توقع پوری ہو گئی اور طلبہ برادری کو اس سے فائدہ پہنچا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی۔

(پروفیسر محمد سلیم)

فصل اوّل

حروف ہجا

قاعدہ-۱

اُردو تحریر میں ۳۶ حروف استعمال ہوتے ہیں۔ ان کو حروف ہجا کہتے ہیں۔

ا ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش ص ض ط ظ

ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ء ی۔

جن حروف کے اوپر نقطے لگے ہوئے ہیں ان کو منقوطہ یا معجم کہتے ہیں۔ ایسے کل ۲۱ حروف ہیں

جن حروف پر نقطے نہیں ہیں ان کو غیر منقوطہ یا مہملہ کہتے ہیں۔ ایسے حروف پندرہ ہیں۔

قاعدہ-۲

بعض حروف کی دو یا دو سے زیادہ شکلیں ہوتی ہیں۔ ایسے حروف آٹھ ہیں۔

(۱) ت ، ۃ

(۲) ر ، ﺮ

(۳) ش ، ﺸ

(۴) ک ، ﮐ

(۵) ن ، ں

(۶) ہ ، ھ ، ﮨ ، ﮩ

(۷) ء ، ﺋ

(۸) ی ، ے

قاعدہ-۳

حروف کی زائد شکلیں خاص خاص موقعوں پر استعمال ہوتی ہیں۔

(۱) ت دراز- یہ کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔

ۃ گول- یہ بعض عربی الفاظ کے آخر میں استعمال ہوتی ہے۔

(۲) ر دامن دار- اس کا استعمال عام ہے۔

ر دراز- ماہرین فن کے نزدیک رائے دراز کا استعمال مندرجہ ذیل صرف سات حروف کے بعد صحیح ہے۔

س	ش	ص	ط	ع	م	ہ
سبر	شر	صراط	طرح	عرب	مزہ	ہرن

(۳) ش- دندانہ دار- اس کا استعمال عام ہے۔

ش کشش دار- ماہرین فن کے نزدیک شین کشش، کا استعمال مندرجہ ذیل صرف سات حروف سے قبل صحیح ہے۔

ا	د	ک	م	ل	ن	ہ
شاد	شدت	شک	شمار	شل	گلشن	شہ

(۴) ک سادہ- اس کا استعمال عام ہے۔

ک کوفی- اگر کسی لفظ میں الف یا لام سے قبل کاف واقع ہو تو اس صورت میں ک کوفی استعمال کرنا ضروری ہے۔

جیسے- کام - کلام

بعض دفعہ محض زیبائش کے لیے دوسرے حروف کے ساتھ ک کوفی استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے جنگ، نگران، کیونکہ۔

(۵) ن ظاہر- یہ اُردو کی ایک معروف آواز ہے۔

ں خفی- یہ بھی فی الحقیقت ایک جداگانہ آواز ہے جو عام طور پر ہندی اور فارسی الفاظ میں استعمال ہوتی ہے۔ اس آواز کو نون غیر منقوطہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے

یہاں ، جہاں ، کہاں ، وہاں

(۶) ہ کی پانچ مختلف شکلیں ہیں جو مختلف مواقع پر استعمال ہوتی ہیں۔

ہ منفرد۔ یہ ہ ہمیشہ جداگانہ لکھی جاتی ہے۔جب یہ حروف غیر موصول کے آخر میں واقع ہو جیسے آہ

ھ دوچشمی۔ یہ ہ ہندی کی مخلوط آوازوں کے لیے مخصوص ہے۔ جیسے۔کھیل۔جھاڑو۔

ہـ ہائے شوشہ۔ لفظ کے آغاز میں جب ہ واقع ہوتی ہے تو ہائے شوشہ لکھتے ہیں۔جیسے۔ہم۔ہفتہ

ہر ہائے کہنی دار یا ہائے آویزہ۔جب ہ کسی لفظ کے درمیان میں واقع ہو تو ہائے کہنی دار لکھتے ہیں۔

جیسے۔گہر۔جہاں۔ـہ

ـہ ہائے وقفہ۔ لفظ کے آخر میں ہ واقع ہو اور آخری حرف موصولہ ہو تو پھر ہائے وقفہ لکھتے ہیں۔

جیسے۔کہ۔ہنگامہ۔

(۷) ء ہمزہ عینی۔ دونوں کے استعمال میں کوئی خاص فرق نہیں

ٔ ہمزہ کشیدہ۔ " " "

(۸) ی معروف۔ یہ معروف حالت میں استعمال ہوتی ہے۔جیسے۔ہماری۔نبی

ے مجہول۔ یہ شکلی مجہول حالت میں استعمال ہوتی ہے۔جیسے۔ ہے۔صدمے

قاعدہ۔۴

بعض حروف کی شکلیں ایک جیسی ہیں۔ان کے درمیان معمولی سا فرق ہے۔ایسے حروف پر کتابت کے یکساں قواعد کا اطلاق ہوتا ہے۔اس وجہ سے ایسے حروف کی یکجا گروہ بندی کی جاتی ہے۔ترکیب حروف میں یہ گروہ بندی بہت کام کرتی ہے۔

(۱) ب کا گروہ۔(i) ب پ ت ٹ ث

(ii) ف۔ آغاز میں مختلف لیکن درمیان اور آخر میں۔ب کے گروہ سے مکمل مشابہ ہے۔

(۲) ج کا گروہ۔ ج چ ح خ

(۳) د کا گروہ۔ (i) د ڈ ذ۔ (ii) و۔ابتدا میں گولائی درمیان اور آخر میں۔د۔ڈ۔ذ سے مشابہ ہے

(۴) ر کا گروہ۔ ر ڑ ز ژ

(۵) س کا گروہ۔ س ش ۔ش

(۶) ص کا گروہ۔ ص ض

(۷) ط کا گروہ۔ ط ظ

(۸) ع کا گروہ۔ (i) ع غ (ii) ۶۔ آغاز سے درمیان کے شروع تک ع۔ غ سے مشابہ ہے۔ یہ ہمیشہ منفرد حالت میں لکھا جاتا ہے۔ لفظ کی وسطی حالت میں ب کا شوشہ قبول کرتا ہے جیسے گئی۔

(۹) ک کا گروہ۔ ک گ

(۱۰) ل کا گروہ۔ (i) ل ن (ii) ق۔ آغاز میں مختلف لیکن درمیان اور آخر میں۔ ن کے مشابہ ہوتا ہے۔

(iii) ی۔ آغاز میں مختلف لیکن درمیان اور آخر میں ل سے مشابہ ہوتا ہے۔

قاعدہ۔۵

حروف کے ہر گروہ میں سے ایک شکل لے لی جائے اور بعض دوسرے حروف کو بھی شامل کر لیا جائے، تو اس طرح اردو رسم الخط کی بنیادی شکلیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ کل ۲۲ شکلیں ہیں۔ کتابت میں بس ان کی اہمیت ہے۔ اب ج د ر س (ش، ص ط ع ف (ق)، ک (ل)، م ن و ہ (ھ) ۶ ی یے۔

فصل دوم

ترکیب حروف

قاعدہ-۶

اُردو تحریر میں لفظ لکھتے وقت حروف کو آپس میں ملا کر لکھتے ہیں۔ حرفوں کے باہم جوڑنے کے عمل کو ترکیب حروف کہتے ہیں۔ مثلاً م ح م م د کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھتے ہیں۔ اس طرح اُردو کا لفظ حروف کا مجموعہ نظر آنے کے بجائے ایک وحدت نظر آتا ہے اور خوبصورت دکھائی دیتا ہے اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح اُردو تحریر ایک قسم کی مختصر نویسی بن گئی ہے۔ جس کے لکھنے میں وقت بھی کم لگتا ہے اور جگہ بھی کم صرف ہوتی ہے۔

قاعدہ-۷

لفظ کے اندر ایک حرف چار مقامات پہ آ سکتا ہے۔ آغاز میں، درمیان میں، آخر میں اور منفرد جیسے محمدی میں م آغاز میں ہے، ح م م درمیان میں، د آخر میں ہے اور ی منفرد ہے۔

قاعدہ-۸

ترکیب حروف کے نقطہ نظر سے حروف کی دو قسمیں ہیں۔ حروف ترکیبی اور حروف غیر ترکیبی۔ غیر ترکیبی حروف وہ ہیں جو کسی حال میں ترکیب قبول نہیں کرتے، ہمیشہ منفرد لکھے جاتے ہیں۔ جیسے

ہمزہ-	ضیاء،	گئی،
ں خفی-	کہاں،	مہاں
ہ منفرد-	شاہ،	آگاہ-

قاعدہ ۔ ۹

ترکیب قبول کرنے والے حروف کی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم حروف کی وہ ہے جو واصل بھی ہے اور موصول بھی ہے۔ جو خود بھی دوسرے حروف کے ساتھ جڑ جاتے ہیں اور دوسرے حروف بھی ان کے ساتھ جڑ جاتے ہیں۔ ان کو حروف واصل موصول کہتے ہیں جیسے۔ ببل میں ب اور لام۔ دوسری قسم ترکیبی حروف کی وہ ہے جو موصول[1] تو بن جاتے ہیں لیکن خود واصل[2] نہیں بنتے۔ جیسے خوشبو۔ میں واؤ صرف موصول ہے اس طرح ترکیبی نقطہ نظر سے حروف کی تین قسمیں بن گئیں

(۱) غیر ترکیبی۔ ء ، ل ، ک ۔ = ۳

(۲) ترکیبی موصولہ۔ ا ، د ڈ ذ ، ر ڑ ز ژ ، و = ۹

لفظ اُردو میں یہ سب جمع ہو گئے ہیں۔

(۳) ترکیبی واصل موصول۔ ب پ ت ٹ ث ، ج چ ح خ س ش (سش) ص ض ، ط ظ ، ع غ ، ف ق ک گ ل ، م ن ھ ، ی = ۲۷

قاعدہ ۔ ۱۰

حروف واصل موصول کی اہمیت کتابت کے نقطہ نظر سے بہت زیادہ ہے۔ ان ۲۷ حروف کی بارہ شکلوں کو کاتب لوگ طلبا سے مشق کراتے ہیں۔ تختی کی ان مشقوں کو مندرجہ ذیل ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔ بابت[۱] ، جاجت[۲] ، ساست[۳] ، شاشت[۴] ، صاصت[۵] ، طاطت[۶] ، اعاعت[۷] ، فافت[۸] ، کاکت[۹] ، مامت[۱۰] ، ہاہت[۱۱] ، ھاھت[۱۲]۔

قاعدہ ۔ ۱۱

حروف واصل موصول جب لفظ کے آغاز میں آتے ہیں یا درمیان میں آتے ہیں تو اپنی اصل شکل سے کسی قدر متغیر ہو جاتے ہیں۔ ترکیبی حالت میں سالم حرف لکھنے کی بجائے

---

۱ ۔ موصول:۔ جس کے ساتھ ملایا جائے

۲ ۔ واصل:۔ ملنے والا۔

حرف کا سر لکھتے ہیں۔ جیسے علم میں ع اور ل کے تو سر لکھے گئے ہیں لیکن م سالم لکھا گیا ہے۔

سالم حرف۔ ب پ ت ٹ ث ج چ ح خ

حرف کا سر۔ بـ پـ تـ ٹـ ثـ جـ چـ حـ خـ

سالم حرف۔ س ش ص ض ع غ ف ق ک گ

حرف کا سر۔ سـ شـ صـ ضـ عـ غـ فـ قـ کـ گـ

سالم حرف۔ ل م ن ہ ی۔

حرف کا سر۔ لـ مـ نـ ہـ ھـ، یـ

قاعدہ - ۱۲

غیر ترکیبی حروف جو کسی حال میں متغیر نہیں ہوتے اور ترکیبی موصول حروف جو متغیر نہیں ہوتے ان کا ذکر تو ہم اُوپر کر آئے ہیں۔ لیکن حروف واصل موصول میں بھی دو حرف ایسے ہیں جو ہر قسم کی ترکیبیں قبول کرتے ہیں مگر رہتے غیر متغیر ہیں۔ وہ ہے ط ظ - جیسے بطخ، ظلم، مظلوم۔

لے۔ اُردو رسم الخط عربی رسم الخط سے ماخوذ ہے اور عربی حروف کی اصل آرامی حروف ہیں۔ آرامی حروف بھی یہی حروف کے سر تھے۔ صدیوں بعد عرب فن کاروں نے حروف کو خوبصورت بنانے کے لیے کہیں دائرے مکمل کیے اور کہیں مد کا اضافہ کیا۔ اس طرح حروف کو بڑھا لیا گیا لیکن ترکیبی حالت میں ابھی تک وہی قدیم شکلیں استعمال ہوتی ہیں۔

فصل سوم

ترکیب کے قواعد

قاعدہ-۱۳

ایک حرف دوسرے حرف کے ساتھ چار طریقوں سے جوڑا جا سکتا ہے۔

۱- ترکیب سر ۲- ترکیب دوش

۳- ترکیب کمر ۴- ترکیب پا -

قاعدہ-۱۴

ترکیب سر-

اس ترکیب میں حرف واصل حرف موصول کے سر سے جا کر جڑ جاتا ہے۔ جیسے۔ ج جم

ذیل کے گیارہ حروف میں سے کوئی حرف اگر موصول ہو تو حرف واصل اس کے سر سے جا کر جڑتا ہے۔

حروف یہ ہیں۔ ج چ ح خ ر ڑ ز ژ، م، ہ، ہ، ھ۔ جیسے۔ جج بچ، صحیح چیخ، کرلڑلز

مژہ، ہم، گہر، گھر-

اگر ہائے معروف اور ہائے مجہول نقطہ کے آخر میں آئیں تو وہ بھی ترکیب سر قبول کرتی ہیں۔ جیسے

بی - بے -

قاعدہ- ۱۵

ترکیب دوش

اس ترکیب میں حرف واصل حرف موصول کے برابر کندھے (دوش) سے جاکر جُڑ جاتا ہے۔ جیسے بہت صبر۔ حرف موصول درج ذیل ۷ احروف میں سے کوئی ایک ہو تو حرف واصل اس کے دوش سے جاکر ملتا ہے

ب پ ت ٹ ث، س ش، ص ض، ع غ،

جب ٹپ بت کثرت بس نخش نص قضا بیع تیغ۔

ف ق ن د ہ (وقفہ)

کف حق چمن لہ بہ

قاعدہ۔ ۱۶

ترکیب کمر

اس ترکیب میں حرف واصل حرف موصول کی کمر سے جاکر مل جاتا ہے۔ جیسے۔ ہل۔ جگ

حروف موصول درج ذیل چھ حرفوں میں سے کوئی ایک ہو تو پھر ترکیب کمر استعمال ہوتی ہے۔

د ڈ ذ ک گ ل

بد ٹھڈی لذت نیک بیگ گل

"گڈلک" میں یہ چھ حروف جمع ہو گئے ہیں۔

نوٹ۔ ترکیبی حالت میں د اور ر دونوں تقریباً یکساں شکل میں لکھی جاتی ہیں۔ فرق اس طرح ہے کہ اگر وہ ترکیب سر قبول کرتی ہے تو "ر" ہے جیسے بر خر اور اگر وہ ترکیب کمر قبول کرتی ہے تو وہ "د" ہے جیسے۔ ضد، حسد، کدو۔

قاعدہ۔ ۱۷

ترکیب پا۔

اس ترکیب میں حرف واصل حروف موصول کے پیر سے جاکر ملتا ہے۔ جیسے۔ با جا۔

حرف موصول درج ذیل تین حروف میں سے کوئی ایک ہو تو یہ ترکیب استعمال ہوتی ہے۔

ا ط ظ

بابا بعض غلیظ ۔

قاعدہ ۔۱۸

دو حرفوں کو جوڑنے کے لیے درمیان میں ایک چھوٹا سا خط کھینچتے ہیں۔ اس کو خط وصل کہتے ہیں۔ یہ خط کبھی مد ـــ لمبا خط ـــ ہوتا ہے، کبھی کج ہوتا ہے اور کبھی نیم دائرہ ہوتا ہے۔ اس کو تلے کا دور بھی کہتے ہیں۔ خط وصل کا تعلق حرف موصول سے ہے۔ خاص قسم کے حرف موصول کے ساتھ خاص قسم کا خط وصل استعمال ہوتا ہے۔ ذیل میں تفصیل درج کی جاتی ہے۔

ا۔ خط کج

حرف موصول اگر ترکیب سر قبول کرنے والے حروف ہوں تو وہاں واصل اور موصول کے درمیان خط وصل ایک ٹیڑھے خط کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جیسے۔ حج۔ کج۔ صحیح ۔

ب۔ خط مد۔

(۱) اگر حروف موصول ترکیب دوش قبول کرنے والے حروف ہوں تو وہاں خط وصل خط مد کی شکل میں استعمال ہوتا ہے جیسے حین۔ صبر۔ بہ

(۲) حرف موصول اگر ترکیب پا والے حروف ہوں تو وہاں بھی خط وصل خط مد ہوتا ہے۔

جیسے۔ ابط ، غیظ

(۳) اگر حرف موصول ترکیب سر قبول کرنے والے درج ذیل حروف ہوں تو وہاں خط وصل خط مد ہوتا ہے۔ ر ز ڑ ژ

نر گز لڑی۔ مژہ ۔

(۴) ترکیب دوش قبول کرنے والی ہائے وقفہ ہو تو وہاں بھی خط وصل خط مد ہوتا ہے۔ مگر یہ خط موٹا ہوتا ہے۔ جیسے۔ کہ مہ یہ ۔

ج۔ خطِ نیم دائرہ یا تلے کا دور

(۱) حرف موصول اگر ترکیب کو قبول کرنے والے حروف ہوں تو وہاں خط وصل تلے کا دور ہوتا ہے۔ یعنی خط وصل کی شکل چھوٹے سے نیم دائرہ کی ہوتی ہے۔

ل ک گ ڈ د ذ

بل نیک دیگ لڈو گرد لذیذ

(۱۱) الف اگر موصول ہو تو خط وصل تلے کا دور ہوتا ہے۔ جیسے۔ بنانا۔ گیا۔ پہنچا۔

قاعدہ۔ ۱۹

اُردو حروف مکمل ترکیبی بھی ہیں یعنی واصل موصول ہیں۔ نیم ترکیبی بھی ہیں یعنی صرف موصول ہیں اور غیر ترکیبی بھی ہیں۔ اسی وجہ سے اُردو الفاظ تین قسموں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

(۱) ترکیبی ۔ ترکیبی لفظ وہ ہے جس کے تمام حروف واصل موصول ہوں۔ ایسا لفظ ایک مکمل وحدت بن جاتا ہے۔ جیسے۔ کلیم۔ مستحکم۔ نشست۔

(۲) نیم ترکیبی ۔ نیم ترکیبی وہ لفظ ہے جس کے بعض حروف واصل موصول ہوں اور بعض حروف صرف موصول ہوں۔ جیسے۔ روشنائی۔ منصورہ۔ درویشی۔

(۳) غیر ترکیبی ۔ غیر ترکیبی وہ لفظ ہے جس میں تمام حروف یا موصول ہوں یا غیر ترکیبی۔ جیسے۔ ادارہ، دروازہ، دردر، اردو۔

قاعدہ۔ ۲۰

ترکیب میں ایک حرف چار مقامات پر آسکتا ہے۔ آغاز میں، درمیان میں، آخر میں اور منفرد۔ کا ایک ایسا حرف ہے، ہر حیثیت کے لیے جس کی جداگانہ شکل استعمال ہوتی ہے۔ بعض دوسرے حروف کی دو یا دو سے زائد شکلیں استعمال ہوتی ہیں۔ ذیل کے نقشہ میں حرفوں کی مختلف ترکیبی حیثیت اور مختلف شکلیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔

حروف کی ترکیبی شکلوں کا وضاحتی نقشہ۔

نمبر شمار	نام حرف	ترکیب	تغیر	آغاز	درمیان	آخر	منفرد
۱	ء	غیر ترکیبی	غیر متغیر	۔	گئی	۔	ضیاء
۲	ا	نیم ترکیبی	غیر متغیر	۔	۔	بابا	خدا
۳	د	″	″	۔	۔	حد	درد
۴	ڈ	″	″	۔	۔	کھانڈ	ہاڈ
۵	ذ	″	″	۔	۔	لذیذ	استاذ
۶	ر	″	″	۔	۔	گھر	خار
۷	ڑ	″	″	۔	۔	پکڑ	پہاڑ
۸	ز	″	″	۔	۔	میز	ناز
۹	ژ	″	″	۔	۔	مژہ	ژاژ
۱۰	و	″	″	۔	۔	خوشبو	ماہرو
۱۱	ط	ترکیبی	″	طلب	مطلب	خلط	خیاط
۱۲	ظ	″	″	ظلم	مظلوم	حفظ	حفاظ
۱۳	ھ	″	″	۔	گھر	جگھ	گڑھ
۱۴	ب	″	متغیر	بطل	طبل	طلب	طلاب
۱۵	پ	″	″	پلٹ	لپیٹ	پمپ	ملاپ
۱۶	ت	″	″	تیر	مہتر	ریت	رات
۱۷	ٹ	″	″	ٹوٹ	مٹر	گلٹ	ٹاٹ
۱۸	ث	″	متغیر	ثبوت	کثرت	ثلث	ثلاث
۱۹	ج	″	″	جگر	گجر	گنج	گرج
۲۰	چ	″	″	چلم	مچل	پنچ	ناچ
۲۱	ح	″	″	حلم	محل	ملح	ملاح
۲۲	خ	″	″	خلل	بخل	بلخ	فراخ

نمبر شمار	نام حرف	ترکیب	تغیر	آغاز	درمیان	آخر	منفرد
۲۳	س	ترکیبی	متغیر	سفر	جسر	مفلس	افلاس
۲۴	ش	"	"	شعر	مشعل	عیش	عیاش
۲۵	ص	"	"	صبر	مصر	شخص	اشخاص
۲۶	ض	"	"	ضد	مضر	مریض	مرض
۲۷	ع	"	"	علم	معلم	سمیع	علوم
۲۸	غ	"	"	غلبہ	بغل	بلیغ	بلوغ
۲۹	ف	"	"	فلک	قفل	کشف	کشاف
۳۰	ق	"	"	قلق	نقلق	تلق	فراق
۳۱	ک	"	"	کمال	مکمل	ملک	املاک
۳۲	گ	"	"	گلا	اگلا	الگ	لاگ
۳۳	ل	"	"	لحم	ملح	محل	محال
۳۴	م	"	"	محل	حمل	لحم	کلام
۳۵	ن	"	"	ندا	بند	دین	دان
۳۶	ہ	"	"	ہم	مہر	مہ	ماہ
۳۷	ی	"	"	یاد	میر	علی	میری

قاعدہ۔۲۱

مذکورہ بالا قواعد کتابت ذہن نشین کرانے کے لیے مثال کے طور پر ایک جملہ کی تحلیل خطی لکھی جاتی ہے

یہ اسلامی مملکت پاکستان ہے

تحلیل خطی

لفظ	حرف	ترکیبی حالت	حالت تغیر	ترکیبی مقام	حالت وصل	مابعد سے طریق ترکیب
یہ	ی	ترکیبی	متغیر	آغاز	واصل	دوش
	ہ	″	″	آخر	موصول	۰
اسلامی	ا	منفرد	۰	۰	۰	۰
	س	ترکیبی	متغیر	آغاز	واصل	کمر
	ل	″	″	درمیان	موصول و اصل	پا
	ا	″	غیر متغیر	آخر	موصول	۰
	م	″	متغیر	آغاز	واصل	سر
	ی	″	غیر متغیر	آخر	موصول	۰
مملکت	م	″	متغیر	آغاز	واصل	سر
	م	″	″	درمیان	موصول و اصل	کمر
	ل	″	″	″	″	″
	ک	″	″	″	″	دوش
	ت	″	غیر متغیر	آخر	موصول	۔
پاکستان	پ	″	متغیر	آغاز	واصل	پا
	ا	″	غیر متغیر	آخر	موصول	۰
	ک	″	متغیر	آغاز	واصل	دوش
	س	″	″	درمیان	موصول و اصل	″
	ت	″	″	″	″	پا
	ا	″	غیر متغیر	آخر	موصول	۰

لفظ	حرف	ترکیبی حالت	حالت تغیر	مقام ترکیبی	حالت وصل	مابعد سے طریق ترکیب
	ن	منفرد	۰	۰	۰	۰
ہے	ہ	ترکیبی	متغیر	آغاز	واصل	سر
	ی	″	غیرمتغیر	آخر	موصول	۰

مقتدرہ کے پمفلٹ

اردو اور صوفی ازم

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

مقتدرہ قومی زبان ، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

اردو اور صوفی ازم

پمفلٹ نمبر ۴۱

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)
مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰، گلی نمبر ۳۲،
سیکٹر ایف ۸/۱ ؛
اسلام آباد

اردو اور صوفی ازم

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

مقتدرہ قومی زبان ۞ اسلام آباد

۱۹۸۶ء

عرضِ ناشر

اُردو زبان کی لسانی بنُیادیں تہذیبی اور ثقافتی تاریخ میں پنہاں ہیں۔ یہ تاریخ ہمارے دینی ادب اور تصوف کی روایات میں آگے بڑھتی ہے۔ اُردو زبان و ادب کی تشکیل و تدریج میں اسلامی ادب اور متصوفانہ اصطلاحات نے اہم اور بنُیادی کردار ادا کیا ہے۔ اس کتابچے میں مصنف نے خصوصی طور پر تصوف کے اثرات کا جائزہ پیش کیا ہے۔

ع دل بدست آور کہ حجِ اکبر است

یہ مصرع تصوّف کے اصل اصُول کا کھرا ترجمان ہے۔ صُوفیوں کے عقیدے کے مطابق انسانیت کا درجہ عقیدے سے بڑھ کر ہے۔ بقول سیّد علی ہجویری رح:

"طریقت کی تحقیق کے مطابق گو لفظ "صُوفی" کے ہر ہر معنی میں ایک لطیفہ اور نکتہ مخفی ہے، مگر لغوی معنی اور ہیں۔ اصل صُوفی صفا کی ستودہ صفات کا اظہار ہے۔ جب اہلِ تصوّف اپنے معاملات اور اپنے اخلاق و خیالات کو مہذب بناتے اور صفائے قلب حاصل کرتے ہیں۔ طبیعتوں کی آفتوں اور دل کی مکروہ خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں اور کثافت و کدُورت سے اپنے باطن کو پاک وصاف کرتے ہیں تو صُوفی کہلاتے ہیں۔ صُوفی کی تعریف خاص خاص معاملات پر محیط و محدود نہیں ہے، اس کے معنی بڑے وسیع اور بزرگ تر ہیں۔ صُوفی وہی ہے جو کدُورت کو ترک کر دے۔ اب کدُورت کی وسعت ملاحظہ ہو: بدی، کینہ، حسد، ضرر رسانی، دروغ، فریب، حرص، نفس کی اطاعت، خُدا اور رسُول کے احکامات کی مخالفت، یہ تمام چیزیں کدُورت میں داخل ہیں۔ پس صُوفی وہی ہے جس نے اپنی ذات کو دیگر ابنائے جنس کے مفاد و فلاح اور اللہ تعالےٰ کے ذکر کے لئے وقف کر رکھا ہو۔ وہ طبیعتوں کی قید اور مخلوق کی خواہشات سے آزاد ہوتا ہے اور ازلی و فطری حقیقتوں سے مکمل ربط و ضبط رکھتا ہے۔"[1]

جے ایس ٹرِیمنگھم لکھتے ہیں:

Those tendencies in Islam which aim at direct communion between God and Man."

اس تشریح کے بعد اس سے بحث نہیں کہ صُوفی "صُوف" سے مشتق ہے یا "صَفہ" سے، البتہ یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ تمام مذاہبِ عالم میں "صُوفی" مذہبی اور اخلاقی اعتبارات سے ایک خاص حیثیت کا حامل رہا ہے۔ علاقائی سرحدوں کی حد بندیوں سے بے نیاز، ہر زمانے میں وہ بظاہر ایک باغی ہے جو ظاہر داری (کہ دِلوں کو مُردہ کر دیتی ہے) روا نہیں رکھتا۔ اُس کی آواز معاشرے کے سخت گیر اصُولوں کے خلاف ایک باغیانہ لحن ہے، اُس کی نظر، ظاہر اور باطن دونوں پر یکساں ہے۔ وہ لفظ کے مقابلے میں معنی پر زور دیتا ہے اور "شر" میں "خیر" کے پہلو ڈھونڈتا ہے۔ وہ "دُنیاداری" سے دُور رہتا ہے لیکن دُنیا کی اصل اُس کی نظر سے پوشیدہ نہیں، یوں وہ دُنیاداروں کی نسبت کہیں زیادہ دُنیا کو سمجھتا ہے۔

تصوّف کی رُو سے کسی خاص رنگ، نسل اور علاقے کو معرفتِ الٰہی کے باب میں کچھ فضیلت حاصل نہیں۔ مشرق اور مغرب، ہر دو اطراف میں نامور صوفیا گذرے ہیں۔ دورِ جدید میں جہاں مُسلم صوفیا میں مہر علی شاہؒ (گولڑہ شریف) کا نام ملتا ہے وہیں مغربی صوفیا میں گرجیف (GURDJIEFF) کا نام بھی قابلِ احترام ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ صُوفی (عارف) کو انسانی نفسیات کا سچّا ادراک حاصل ہے اور اُسے جسموں کی بجائے دلوں کی حکمرانی عطا ہوئی ہے۔

دیگر مذاہبِ عالم کی طرح مُسلمانوں میں بھی ابتدا سے ایک گروہ ایسا موجود رہا ہے کہ جس نے مقاصدِ دُنیوی سے قطعِ نظر کر کے اپنا نصب العین "یادِ الٰہی" اور "سُلوک" رکھا ہے۔ ان اصحاب کے بارے میں حکم ہے:

"دُور مت کرو ان لوگوں کو جو صُبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اُس کے طلب گار ہیں۔" (قرآن مجید)

رفتہ رفتہ اس گروہِ خاص کا نام "گروہِ صُوفیہ" پڑا اور اس زندگی کرنے کے ڈھنگ کو "مسلکِ تصوّف" کہا گیا۔ جُنید بغدادی سہروردیؒ نے تصوّف کی آٹھ قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ رضا ۔ ۲۔ سخا ۔ ۳۔ صبر ۔ ۴۔ اشارہ ۔ ۵۔ غربت ۔ ۶۔ لباس ۔ ۷۔ سیاحت ۔ ۸۔ فقر

یہاں یہ وضاحت نہایت ضروری ہے کہ تصوّف کبھی بھی اسلام کے مقابلے میں کسی جُداگانہ مسلک کے طور پر نہیں اُبھرا البتہ یُوں کہہ لیں کہ تصوّف ابتدا سے تمام مذاہبِ عالم کی پاکیزہ ترین تعبیر رہی ہے اور اسلام میں بھی صوفیانہ رویّہ، مذہبی کٹرپن سے جُداگانہ شکل رکھتا ہے، سو یہاں صُوفی شریعت اور طریقت دونوں

پر کاربند رہا۔

اوّل، شریعت ــــ نماز، روزہ، حج، زکات اور دیگر احکام پر پوری تن دہی سے عمل پیرا ہونا۔

دوم، شریعت کے باطن سے بخوبی واقفیت، جو صبر، رضا، توکل، سخا، احسان، شوق اور محبت پر بنیاد ہے۔ یہی طریقت ہے۔[۳]

تصوّف میں تزکیۂ باطن کو اہمیت حاصل ہے جب کہ تصوّف کی مسخ شدہ صورتیں ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور یونانی اوہام میں نظر آتی ہیں۔

مسلمانوں میں تصوّف کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں اہلِ طریقت کا اوّلین مسلک (سلسلہ) قائم ہوا۔ اسے شیخ الوانؒ نے ۱۴۹ ہجری مطابق ۷۶۶ء میں بمقام جدّہ مرتب کیا اور اس کا نام "سلسلۂ الوانیہ" رکھا۔ تیسری صدی ہجری میں صوفیا نے لفظ "صوفی"، "تصوّف" اور "متصوّف" پر بحثیں کیں اور ان الفاظ کی تشریحات کیں۔ جب کہ دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے عین آغاز پر معروف کرخیؒ نے قرآنِ مجید کے باطنی معنی دریافت کیے، جنہیں بعد ازاں باقاعدہ مدوّن کیا گیا۔ معروف کرخیؒ کا نظریہ "خوفِ خدا" سے مختلف تھا، اس کی بنیاد عشقِ خداوندی پر تھی۔ نہ جہنم کا ڈر اور نہ جنت کی خواہش۔ یہ خدا سے محبت کا آفاقی نظریہ تھا جسے سری سقطیؒ نے نظریۂ طمانیت میں ڈھال دیا۔

تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں ہمہ اوست (ہر شے میں خدا) کے نظریے نے تصوّف کے حصار پر دستک دی اور یوں صوفیانہ نظر نے ایک اہم کروٹ لی۔

لیکن باوجود اختلافات کے تمام صوفیا (عارفین) دو باتوں میں متفق الرائے تھے یعنی (۱) غیر مسلموں سے حُسنِ سلوک اور (۲) اشاعتِ اسلام۔

شروع زمانے میں بکتاشی درویش حلقۂ مولویہ[۴] کو بنظرِ حسد دیکھتے تھے[۵] البتہ غیر مسلموں سے رواداری ہر دو گروہوں میں یکساں تھی۔ یہاں تک کہ حلقۂ مولویہ میں طریقِ رواداری مولانا رومؒ نے رائج کیا۔[۶]

گیارہویں صدی عیسوی تک مسلمانوں میں فرقہ بندی درجۂ انتہا تک پہنچ گئی تھی، اہلِ قلم ان فرقوں پر مستقل کتابیں لکھتے اور فرقوں کو "مذاہب" کہتے تھے۔ تنہا شیعوں میں سولہ[۱۶] فرقے پیدا ہو گئے تھے جب کہ سُنّیوں کے فرقوں کا شمار مشکل ہو گیا تھا۔ اگر فرقوں کا شمار کرنا مقصود ہو تو عبدالقادر بغدادی (متوفی ۱۰۳۷ء) کی مشہور تصنیف "الفرق بین الفراق" اور ابنِ حزم (۹۹۴ء تا ۱۰۶۴ء) کی تصنیف "کتاب الملل والنحل" دیکھی

جاسکتی ہیں۔

ایسے میں صُوفیا کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مُسلمانوں کو پیشہ ور مُلّا کے شکنجے سے نکال کر کثرت میں وحدت پیدا کی۔ یہاں تک کہ ہر خیال کا مُسلمان ہی نہیں، غیر مُسلم بھی حلقۂ صُوفیا میں شریک ہو سکتا تھا۔ یُوں عثمانیوں کے عہد میں جملہ ترک قبیلے صُوفیوں کی بدولت مُسلمان ہوئے۔

سولھویں صدی عیسوی میں آکر مختلف طبقات کے درمیان فرق برائے نام رہ گیا۔ مصنف "الطبقات الکبریٰ" صُوفی عبدالوہاب الشعرانی (۱۴۹۳ء تا ۱۵۶۵ء) خود ۲۶ طریقوں سے مُنسلک تھے۔

بیسویں صدی عیسوی تک آتے آتے تصوّف کی ہر دو بڑی راہوں یعنی "وحدت الوُجود" اور "وحدت الشہود" سے بھی وہ مقبولیت چھن گئی جو کبھی انہیں حاصل تھی۔ شاید اس کی ایک وجہ "پاپائیت" یا خانقاہی نظام کی نامقبولیت رہی ہو۔

مُنکرینِ تصوّف کہتے ہیں کہ قرآن اور احادیثِ نبویؐ کے سارے دفتر میں کہیں تصوّف یا گروہِ صُوفیا کا ذکر نہیں آیا۔ جب کہ صُوفیا کے نزدیک ("کتاب اللمع"، از شیخ ابوالنصر سراجؒ) قرآنِ حکیم میں ایسے الفاظ و عبارات کثرت سے آئے ہیں، جن سے مُراد اہلِ تصوّف ہی ہیں مثلاً موقنین، مخلصین، ذاکرین، محسنین، عابدین، صابرین اور راسخین وغیرہ۔ اسی طرح حدیث سے ایک مثال:

"میری اُمّت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مکالمہ اور گفتگوِ الٰہی سے سرفراز کیے جائیں گے اور عمرؓ انہی میں سے ہیں۔"

اسلامی تصوّف پر "کتاب اللمع" از شیخ ابوالنصر سراجؒ، "کشف المحجوب" از سیّد علی ہجویریؒ، "رسالہ القشیریہ" از استاد ابوقاسم قشیریؒ، "فتوح الغیب" از شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، "عوارف المعارف" از شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، "فوائد الفواد" از خواجہ نظام الدین دہلویؒ، "منطق الطیر" از شیخ فریدالدین عطارؒ، "لوائح" از شیخ عبدالرحمٰن جامیؒ، "فقرِ محمّدیؐ" از شیخ احمد الواسطیؒ وغیرہ اہم تصانیف شمار ہوتی ہیں۔ ان تصانیف میں تصوّف کے معنی، تصوّف کی بنیاد، تصوّف کا اصل اصُول، فقر کی علامات، مسلک کا انجام، کاملین کا مرتبہ، سماع اور قرآن کی تشریحات اور عملی ہدایات ملتی ہیں۔

ہمارے ہاں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مُسلمان صُوفیا کرام نے مُسلم حملہ آوروں کے لیے سیاسی اور تہذیبی سطح پر زمین ہموار کی۔ لیکن اس ضمن میں تا حال وقیع شواہد کی ضرورت محسوس کی جاتی

ہے۔ خود میرے خیال میں صُوفی اور حملہ آور کی نفسیات سراسر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ حملہ آور نفسانی خواہشات کا اسیر ہے جب کہ صُوفی ترکِ دُنیا کا قائل ہے (یہ الگ بات ہے کہ دُنیا کی حقیقت اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں)، سو ان کا گٹھ جوڑ ممکن نہیں۔

جن صُوفیا کرام نے اُردو زبان کی نشو ونما میں بھرپُور کردار ادا کیا، اُن میں سے بیشتر "امر بالمعروف ونہی عن المُنکر" (قرآنِ مجید) یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ اور بُرے افعال سے باز رکھنے کے جذبے کے تحت، پُرخطر اور دُشوار گزار راستوں اور لق ودق بیابانوں سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچے تھے۔ جہاں کی ہر چیز ان کے لیے اجنبی تھی اور زندگی کرنے کا چلن یکسر مختلف تھا۔ یہ اُن کے مسلک کی عطا تھی کہ انہوں نے اس اجنبی سرزمین کے دل پر حکومت کی، مثلاً میراں جی شمس العشاقؒ اور بُرہان الدین جانمؒ جو مکّہ (عرب) سے ہند آئے اور یہیں عمریں گزار دیں۔

نووارد کے لیے زبان سے شناسائی ضروری ہے کہ رابطہ کی ابتدا زبان سے ہے۔ آپ اصحاب نے ہندوستان کے عام لوگوں کی بول چال کی زبان سیکھی اور اسی زبان میں تعلیم وتلقین فرمایا کیے۔ ان تمام حالات کا ذکر اکھروتی نے تفصیل سے کیا ہے، جن سے صُوفیا کرام کو واسطہ رہا۔ یہاں یہ وضاحت نہایت ضروری ہے کہ اُردو کی ابتدائی نشو ونما کے سلسلے میں خصُوصی طور پر علاقہ دکن اور گجرات کے عارفین کا ہی تذکرہ مقصود ہے، اس لیے کہ ہندوی (اُردو) جیسی عامی زبان کو ابتداً انہی دو علاقوں کے صُوفیا نے ادب کی شہ نشین پر بٹھایا اور اُردو زبان وادب کی ترویج کا باعث بنے۔

دکن اور گجرات میں مُسلمان صُوفیا کرام کے چھ سلسلے بہت نمایاں دکھائی دیتے ہیں:

۱۔ شیخ عین الدین گنج العلمؒ (۱۳۰۵ء تا ۱۳۹۲ء) کا مرکز بیجاپور (دکن) تھا۔ اسے بیجاپور کے متصوّفانہ سلسلے کا دورِ اوّلین کہنا چاہیے۔ شیخ عین الدینؒ نے مختلف موضوعات پر کم وبیش ۱۳۲ رسائل تصنیف وترجمہ کیے۔[۵]

۲۔ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ (۱۳۲۱ء تا ۱۴۲۲ء) نے بیجاپور (دکن) کو ایک بار پھر رُوحانی سلسلے کا مرکز بنایا۔ فارسی اور عربی کے علاوہ ہندوی (اُردو کی ابتدائی شکل) کو بھی رابطے کا ذریعہ بنایا۔ اُن کے بعض رسالے اُردو زبان کے تشکیلی دور کے نمائندہ ہیں۔ خصوصاً رسالہ "معراج العاشقین" موضوعِ بحث بنا، دیگر رسائل میں "سہ بارہ"، "تلاوت الوجود"، "شکار نامہ" اور "تمثیل نامہ" نمایاں ہیں بعض

محققین نے "معراج العاشقین" کی زبان کے پیشِ نظر بعد کی تصنیف قرار دیا ہے۔

"معراج العاشقین" کی اوّلین طباعت ۲۹ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ جسے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے مقدمے کے ساتھ ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) اورنگ آباد دکن نے شائع کیا۔"معراج العاشقین سے دو اقتباسات دیکھتے چلیے:

۱۔ "مراقبے کی گولی مشاہدے کے کانسے میں میکائیل کی مدد کے پانی سوں جل کا کاڑا کر کو پیلانا۔ سگن کا کاڑا دینا۔ نرگن ہوا تو شفا پائے گا۔ طبیب فرمائے تیوں پرہیز کرے۔ تو آنے بھی طبیب ہووے گا۔ ہور ماٹی میں ماٹی۔ ماٹی میں پانی۔ ماٹی میں آگ، ماٹی میں بارا۔ ماٹی میں خالی۔ اِن پانچ عناصران کا واجب الوجود بوجا تو معرفت تمام ہوا۔"

۲۔ "نبی کہے ــــــ تحقیق خُدا کے میاتے ستر ہزار پردے اوجیانے کے ہور اندھارے کے۔ اگر اس میں تے یک پردہ اُٹھ جادے تو اس کی آنچ تے میں جلوں۔"

("معراج العاشقین" سے اقتباسات)

۳۔ "سوال: ذاتی ایمان کون سا اور صفاتی ایمان کون

جواب: اگھنڈا حال ثابتی ہے۔ سو ذاتی ایمان وہ ہے۔ ثابتی آتی اور جاتی ہے۔ سو صفاتی ایمان۔"

("سہ بارہ" سے اقتباس مخطوطہ کتب خانہ نواب عنایت جنگ بہادر)

عبداللہ حسینیؒ اور سید شہباز حسینیؒ بندہ نوازؒ کی اولاد میں سے ہیں، جن کے رسائل اور ہندوی زبان کی غزلیں خواجہ بندہ نوازؒ سے منسوب رہیں۔[۹]

۲۔ شاہ میراں جی شمس العشاقؒ (متوفی ۹۹۹ھ/۱۴۹۶ء) نے تیسری بار بیجاپور (دکن) کو روحانی سلسلے کا مرکز بنایا۔ آپ کمال الدین بیابانیؒ کے مُرید تھے۔ اب تک عام خیال یہ رہا ہے کہ اگر امیر خسروؒ کی شاعری اور بندہ نواز گیسو درازؒ کے رسالہ "معراج العاشقین" سے صرفِ نظر کیا جائے تو شاہ میراںؒ اُردو کے پہلے صُوفی شاعر بنتے ہیں، لیکن یہ نظریہ یا خیال غلط ہے اگر شاہ میراں جیؒ کے مرشد شاہ کمال الدین بیابانیؒ کی مثنوی "چہار شہادت" کا بغور مطالعہ کیا جائے اور زبانی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو اس شعبہ میں شاہ کمال الدین بیابانیؒ کی اوّلیت تسلیم کرنا پڑتی ہے۔

جب "چہار شہادت" از شاہ کمال الدین بیابانیؒ اور "مغز مرغوب" از شاہ میراں جیؒ کو ایک جلد میں ہاشم علی نے شائع کروایا[۱۰۹] تو پروفیسر اکبر الدین صدیقی نے اس مسلمہ حقیقت کی طرف توجہ دلائی۔ افسوس کہ ہمارے ہاں تا حال اُسی پُرانی لکیر کو پیٹا جا رہا ہے۔ "مغزِ مرغوب" اور "چہار شہادت" کا تقابلی مطالعہ بھی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ "چہار شہادت" از شاہ کمال الدین بیابانیؒ کی زبان قدیم تر ہے۔

شاہ میراں جیؒ سے منسوب دیگر رسائل میں "شہادت الحقیقت" اور "شرح مرغوب القلوب" ہیں جب کہ "خوش نامہ" اور "خوش نغز" نامی دو گیت نما طویل نظمیں ہیں۔ "سب رس" نامی رسالہ شاہ وجیہہ الدین کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔[۱۱۰]

"شرح مرغوب القلوب" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"پیغمبر کہے جے کچ کام کرے گا کوئی خُدا ناؤں نا لے کر تو او کام پائمال ہوگا۔ سرانا، نوازنا خُدا کو بہوت کہ او پالن ہارا ہے عالم کا"۔[۱۱۲]

شاہ برہان الدین جانمؒ (متوفی ۱۵۹۷ء[۱۱۳])، شاہ میراں جیؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ وہ مثنوی اور دوہے کے شاعر تھے (مجموعے: "جل ترنگ"، "ارشاد نامہ" اور "گل باس") اُن کا رسالہ "کلمتہ الحقائق" نثر میں ہے۔[۱۱۴] ڈاکٹر مولوی عبد الحق نے ان کے کلام میں "سادگی اور شاعرانہ لطافت" کی نشاندہی کی ہے۔

"کلمتہ الحقائق" سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اللہ کرے سو ہووے کہ قادر، توانا ہووے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرن ہار۔ سبھ سبھ سو تیرا ٹھار، سبھ ہوا سبھ توج بھی باؤ جدھان کچھ نہیں بھی تھا تقیں۔ دوجا شریک کوئی نہیں۔ ایسا حال سمجھنا خُدا اتھے خُداکوں، جس پر کرم خُدا کا ہوئے۔

سوال: یہ تن الادھا بلکہ سنتر پکار روپ دستا ہے۔ یک تل قرار نہیں جیوں مرکٹ روپ۔

جواب: اے عارف! ظاہر تن کے فعل تے گزریا و باطن کر تب دستے۔ اس کا قانون سو ممکن الوجود"۔

اسی رُوحانی سلسلے میں سید میراں حسینی شاہؒ مترجم "شرح تمہید ہمدانی"، امین الدین علی اعلیٰؒ (متوفی ۱۶۷۵ء) اور پیر بادشاہؒ کے نام نمایاں ہیں۔ محمود بحریؒ (متوفی ۱۷۱۶ء) اس رُوحانی سلسلے کے آخری نمایاں شاعر ہیں۔ آپ نے شاعری کے لیے ہندوی (اردو) اور نثر کے لیے فارسی زبان برتی۔ "کلیات محمود بحریؒ" لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

۴۔ شاہ صبغۃ اللہؒ نے بھی عرصہ چار سال کے لیے بیجاپور (دکن) میں قیام کیا۔

۵۔ شاہ ابوالحسنؒ بیدر سے بیجاپور (دکن) تشریف لائے۔ وہ بیجاپور (دکن) کے پانچویں رُوحانی سلسلے کے بانی تھے۔ ان کی مثنوی "سک انجن" مشہور ہے۔

۶۔ اشرف بیابانیؒ (۱۴۵۹ء-۱۵۲۸ء) بھی بیجاپور سے متعلق تھے آپ کی تین مثنویاں "نوسرہار"، "واحد باری"، اور "لازم المبتدی" خاصی مقبول رہی ہیں۔ البتہ یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ امیر خسروؒ دہلوی نے آپ کی مثنوی "واحد باری" کے طرز پر "خالق باری" تصنیف کی یا نہیں۔

رچرڈ میکسویل ایٹن (RICHARD MAXWELL EATON) نے بیجاپور کے صُوفیا کی دو سطحوں پر درجہ بندی کی ہے [۱۵] ملاحظہ فرمایئے:

Warrior Sufis were too occupied in military struggles to develop the speculative aspect of Sufism, and the Reformist Sufis, by championing the cause of orthodoxy within the Muslim establishment in Bijapur, too frequently divorced themselves from the free-thinking and free-living styles associated with Sufism as understood by writers like Trimingham. Both of these types should be understood as Sufis in a strictly institutional rather than a mystical sense. The Chishtis of Shahpur Hillock, by contrast, conformed to both senses of the term. Furthermore, many of them recorded their experiences and teachings in a body of prose and poetry works directed to either their own disciples or the non-Sufi public. It is this that differentiates them from all other Sufis of Bijapur and on account of which they may be termed the Literati. They are significant for (a) their role in the development of Dakhni and Urdu literature, (b) their formulation and dissemination of Sufi doctrine, and (c) their role in the diffusion of popular Islam in the Deccan."

۷۔ ساتواں رُوحانی سلسلہ دکن کی ریاست گولکنڈہ سے متعلق ہے۔ اس سلسلے کے بانی میراں جی حسن خُدانما رح (متوفی ۱۶۵۹ء) تھے۔ آپ ہندوی (اُردو) کے ابتدائی مستند نثر نگاروں میں سے ایک ہیں۔ آپ کی نثری تحریروں میں "شرح تمہید ہمدانی یا شرح شرح تمہید" (حدُود ۱۶۰۳ء) "شرح مرغوب القلوب" اور رسالہ "وجودیہ" یادگار ہیں۔

"شرح تمہید ہمدانی" کے دو مخطوطے انڈیا آفس لائبریری میں محفوظ ہیں۔ یہ ایک قدیم صُوفیانہ فارسی تصنیف تمہیدات عین القضات مصنفہ عبداللہ بن محمد ہمدانی (المعروف عین الغزالی) کی شرح اور ترجمہ ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

"خواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قاضی عین القضات کو کہے کہ تمیں کئے سو کتاب منجے دکھلاؤ، تو کتاب دیکھکر بہوت خوش ہوئے، ہور کہے کیا خوب بیان میرے نور کا ہور خدا کے نور کا کیے۔ ہور اسے کہنا بھی میرا چھ ہے۔ اے یکمیں ایک بے ہیں، تمیں جوں پانا ہے یوں پائے۔ دے ہر کسی کوں اے نکو کہو۔ جسے اس کی قدر معلوم ہوگی اُسے کہو۔ ہور بھی کوئی طلب رکھے گا تو اُسے بھی کہو۔ دے اس جنس سوں تعلیم دیو۔ جوں دودھ پیتا سو نہنوا کوں ہیٹا روٹی کھانے کے لائق کرتے ہیں یوں کر و جیوں میں کیا ہوں۔ بابا رخدا جی کچ اس حقیقت کا راز منجے معلوم تھا سو بولیا کیا ہے کہ اس میں مقصود خوب ہی کر۔ تو ہیں تیرے یہاں پناہ منگتا ہوں، کہ اس میں خطا ہور خلل ہور سہو منجے ہوا ہے سو اد منجے بخش قاضی عین القضات کی دوستی۔"

آپ نے "بشارت الانوار" کے علاوہ دو مثنویاں یادگار چھوڑیں۔

گجرات کے صوفیائے کرام میں سے بہاء الدین باجن رح (متوفی ۱۵۰۶ء) قاضی محمود دریائی بیرپوری رح، شاہ علی محمد جیو گام دھنی رح (متوفی ۱۵۶۵ء) (مجموعۂ کلام: "جواہر اسرار اللہ") میاں خوب محمد چشتی رح (مصنف "خُوب ترنگ" متوفی: ۱۶۱۴ء) اور باباشاہ حسینی رح کے نام نمایاں ہیں۔

حیدرآباد، دکن (خصوصاً بیجاپور اور گولکنڈہ) اور گجرات کے ان صوفیائے کرام نے باقاعدہ ہندوی (اُردو)

سیکھ کر اسی زبان میں رُشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا اور یوں خاطر خواہ تبلیغی اثرات نمایاں ہونے کے ساتھ ساتھ عربی اور فارسی زبان کے الفاظ اور تراکیب کے اثرات کے تحت ہندوی زبان میں نکھار آنے لگا، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہندوی جیسی گری پڑی عامی زبان ایک خاص طرح کا رچاؤ پیدا ہونے کے بعد خواص کا ذریعۂ اظہار بھی بننے لگی۔

صُوفیا کرام نے جن ذرائع ابلاغ سے تبلیغ و ہدایت کا کام لیا وہی اُردو زبان اور ادب کے ابتدائی نمونے قرار پائے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ نثر:

گفتار نامے (مکالمے)، خطبات، ملفوظات اور اقوال۔

۲۔ نظم:

دوہا، چوپائی، گیت، غزل، کافی، نظم، سی حرفی، مثنوی، قطعہ، قصّہ، رِتو سنہار (بارہ ماسہ) مکرنی، کہہ مکرنی، پہیلی اور رباعی۔

نثر:

"تاریخ فیروز شاہی"، ۱۳ویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ اس میں بھی کچھ مکالمے درج ہیں جو صُوفیا کرام کی روزمرہ گفتگو کا ریکارڈ ہیں۔ یہ مستند اس اعتبار سے ہیں کہ انہیں تاریخ میں جوں کا توں نقل کر دیا گیا۔ "تاریخ فیروز شاہی" سے یہ مثالیں گفتار نامے کی ذیل میں آتی ہیں:

۱۔ مثال کے طور پر ایک جُملہ حمید الدین ناگوریؒ کے متعلق شیخ بادل نے لکھا ہے، کہ حضرت ناگوریؒ کے فرزند خاصے تنگ دست تھے۔ ایک روز غربت کی شکایت کی۔ بیٹے کی بھوک اور نقاہت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا:

"ہاں بابا کچھ کچھ"

دیگر مثالوں میں ایک فقرہ ملاحظہ کیجیے جو آتے آتے محاورے کا درجہ اختیار کر گیا۔

۲۔ فرید گنج شکرؒ (متوفی ۱۲۶۹ء) ایک بار اپنے مرشد قطب الدین کاکیؒ کو وضو کرا رہے تھے۔ آپ نے آنکھ پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ مُرشد نے پوچھا تو فرید الدین گنج شکرؒ نے جواب میں کہا:

آنکھ آئی ہے۔"

۳۔ اسی طرح حضرت برہان الدین جانمؒ جب بچّہ تھے اور اُن کے والدِ گرامی کا انتقال ہوگیا تو ملازمہ (مادرِ مومنہ) بچّہ کو فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت میں لائیں۔ آپ حضرت اُس بچّہ ہی کو خلافت عطا کرنا چاہتے تھے۔ مادرِ مومنہ حیران تھیں، بولیں:

"خواجہ، برہان الدین بالا ہے۔"

حضرت نے جواب میں فرمایا، "مادرِ مومنہ، پُورنیوں کا چاند بھی بالا ہوتا ہے۔"

۴۔ حضرت قطبِ عالمؒ کے فرزند سید شاہ محمودؒ (المعروف بُڈھ شاہ) کے ہاں لڑکا (شاہ راجوؒ) تولد ہوا۔ یہ خبر سُن کر بندہ نواز گیسو درازؒ نے فرمایا:

"بھائی محمود خوش ہو۔ آساں بھتیں وڈا، تساں بھتیں وڈا ساڈے گھر جلال جھانیاں آیا۔"

اس کے علاوہ "اردوے قدیم" میں فرید گنج شکرؒ اور خواجہ چراغ دہلی مُرشد اخی سراج (متوفی ۱۳۵۶ء) کے دو ایک فقرے درج ہیں، یعنی فرید گنج شکرؒ کا ارشاد: "پیچ سر کے" اور خواجہ چراغؒ کا فرمودہ: "تم اوپر وے تلے"۔ ملفوظات کی ذیل میں آتے ہیں۔

خُطبات، بڑی مذہبی تقاریب کے مواقع پر دیے گئے اور چونکہ عوام سے رابطہ کی زبان "ہندوی" تھی اس لیے خُطبات کے لیے یہی زبان برتی گئی، البتہ کوئی خُطبہ آج دستیاب نہیں۔ جہاں تک ملفوظات کا معاملہ ہے تو قدیم ترین مجموعہ ہائے ملفوظات میں شیخ بہاء الدین زکریا مُلتانی کے ملفوظات کا مجموعہ "خلاصۃ العارفین" نمایاں ہے۔

اقوال اور ملفوظات کو نجی محفلوں میں مُریدوں اور قریبی احباب سے بات چیت کا ریکارڈ کہنا چاہیئے۔ یہ گفتگو عام طور پر دینی یا عرفانی موضوعات پر ہوا کرتی تھی۔ ملفوظات اور اقوال نثر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی۔ ایک مثال ملاحظہ فرمایئے:

حضرت قطبِ عالم گجراتیؒ: "محمد بریں کھڑیاں، سائیں پریم چکھلئے۔"

("اردو کی ابتدائی نشوونما میں صُوفیا کرام کا کام" — از: ڈاکٹر عبدالحق)

اسی طرح صوفیا کرام کے اقوال سینہ بہ سینہ چلتے ہم تک پہنچتے ہیں۔ ملفوظات کی طرح اقوال بھی رہبری کے لیے ہی تھے، ایک آدھ جُملہ لیکن ہزاروں باتوں پر بھاری۔

شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کا قول ہے :

"بھیکی بچہ خدا کو نہ میلے" ("اُردو کی ابتدائی خدمات میں صوفیا کرام کا کام"، از: ڈاکٹر عبدالحق)

اُردو زبان کی نشو و نما کے ضمن میں صوفیا کرام کے رسائل و کتب بڑی دلچسپ صورتِ حال سامنے لاتے ہیں۔ اس ضمن میں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کا "بھولنا گنج شکر"، خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے منسوب رسالہ "معراج العاشقین"[16]، میراں جی شمس العشاقؒ کا "شرح مرغوب القلوب"[17] اور شاہ برہان الدین جانمؒ کا رسالہ "کلمتہ الحقائق"[18]، خصوصی طور پر اہمیت کے حامل ہیں۔ چند اقتباسات دیکھیے :

۱۔ "قال النبی علیہ السلام کہے، انسان کے بوجھنے کوں پانچ تن۔ ہر ایک تن کوں پانچ دروازے ہیں۔ ہور پانچ دربان۔" ("معراج العاشقین" از بندہ نواز گیسو درازؒ)

۲۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہے، جے کوئی کام کرے گا، کوئی خدا کا ناؤں نالے کر، تو او کام پائمال ہووے گا۔" ("شرح مرغوب القلوب" از میراں جی شمس العشاقؒ)

۳۔ "اللہ کرے سو ہووے کہ قادر، توانا سوے کہ قدیم القدیم اس قدیم کا بھی کرن ہار۔ سہج سہج سو تیرا ٹھارد، سہج ہوا بھی تو ج بھی باؤ جدھان کچھ نہیں بھی تھا تھیں۔ دو جا شریک کوئی نہیں۔"

("کلمتہ الحقائق"، از شاہ برہان الدین جانمؒ)

اب تک صوفیا کرام کے جن نثری رسائل کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تاریخی اور لسانی مطالعے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں البتہ اس تناظر میں ملا وجہی کی "سب رس" (۱۶۳۵ء) ایک ایسی نثری تصنیف ہے جسے ایک باقاعدہ ادیب نے ادبی اسلوب میں رقم کیا۔[19]

"سب رس" تین بار انگریزی میں ترجمہ ہو کر شائع ہوئی۔ جرمن محقق ڈاکٹر روڈالف دوراک نے ۱۸۸۹ء میں اس کتاب کو مفصل مقدمے کے ساتھ اصل فارسی متن مع ترجمہ (جرمن) شائع کیا۔ ترکی میں آہی، لامعی اور صدقی جیسے معروف شعرا نے اس قصہ پر طبع آزمائی کی۔ واضح رہے کہ ہندوستان میں اوّل اوّل حضرت وجیہہ الدین گجراتیؒ (متوفی ۱۵۸۹ء) نے اس قصّے پر مبنی ایک رسالہ تصنیف کیا تھا۔ محمد یحییٰ ابنِ سیبک فتاحی نیشاپوری نے "حسن و دل" کے نام سے اسی قصّے کو فارسی مثنوی میں بنیاد بنایا بعدہ نثر میں لکھا جب کہ داؤد ایلچی نے فارسی، شاہ بحرالعرفان اور شاہ پیراللہ مجرمیؒ نے دکھنی (اردو) میں نظم کیا۔[20] جب کہ خواجہ محمد بیدل[21] نے اسی قصّے کو پُر تکلف نثر میں لکھا۔[22]

حسن اور دل کی اس تمثیل کی بنیاد اس حدیث پر ہے کہ:

"مجاز حقیقت کی سیڑھی ہے" اس لیے مُلا وجہی نے مجاز اور حقیقت کے رابطے ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ مجازی ہجر و وصال کا ذکر کرتے وقت انہوں نے خیال رکھا ہے کہ قاری کے ذہن سے حقیقی عشق کی کیفیات محو نہ ہونے پائیں۔ اسے صوفیانہ تمثیل کہنا چاہیئے۔ سوکھے فلسفیانہ مباحث کے ساتھ زندگی سے بھرپور منظر نامہ، انسانی جوان جذبوں اور دھڑکتے ہوئے مکالموں کی وجہ سے سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مُلا وجہی اپنے اسلوبِ تحریر کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"جیوں حافظ بولیا ہے، دل کے گھر کے دروازے کھولیا ہے"

چلتے چلاتے طرزِ تحریر کا نمونہ بھی دیکھتے چلیے:

۱۔ "مرد وو جو اپنے وقت کرے کُل وقت، ابوالوقت اچھے نہ ابن الوقت"

۲۔ "عشق خُدا کوں بھیدیا تو اس کی خاطر آسمان زمین ہویدا کیا، عشق خُدا کوں بھیدیا تو اپنا حبیب کر محمد کوں پیدا کیا"

("سب رس" سے اقتباس)

شاعری

صوفیا کرام کی منظوم تخلیقی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لینے سے پہلے ہندوی / دکھنی (اردو) نظم کے ذیل میں دیے گئے زمرے ملاحظہ ہوں:

۱۔ ہندی اصناف

عروضی: دوہا، چوپائی، جھولنا

موسمی: رِتو سنہار (بارہ ماسہ یا بارہ ماہ)

مذہبی: شبد، اشلوک، ساکھی

غنائی: گیت (متعدد اقسام)

۲۔ فارسی اصناف

عروضی: غزل، مثنوی، قطعہ

۳۔ پنجابی / سرائیکی اصناف

وزنِ غنائی (یا وزن سیلابی): کافی، سی حرفی

۴۔ قدیم اُردو بالخصوص ہندوی / دکھنی کی اصناف

سماجی نظمیں: شہادت نامہ، سلام، مرثیہ، پنکھا نامہ، ڈھول نامہ، تمثیل نامہ، شکار نامہ، سہاگن نامہ، چکّی نامہ، چرخہ نامہ، فال نامہ، لوری نامہ، ناری نامہ، شادی نامہ، لگن نامہ۔

عارفانہ کلام: جکری (ذکری)، حقیقت، سہیلا، سی حرفی۔

مذہبی و دیگر نظمیں: معراج نامہ، نور نامہ، شاہنامہ، میلاد نامہ، شمائل نامہ، پہیلی، مکرنی (یا کہہ مکرنی) قصہ۔

محوّلہ بالا زمرے میں کئی دیگر اصناف کا اضافہ ممکن ہے۔ لیکن ہمارے موضوع سے متعلق صرف یہی اصناف ہیں جن میں صوفیا کرام نے طبع آزمائی کی۔ صوفیا کرام کی یہ بہت بڑی عطا ہے کہ اُن کی شعری کاوشوں کے سبب آگے چل کر اُردو نظم کی دیگر کئی اصناف کے خدوخال واضح ہوتے چلے گئے آیئے ترتیب وار محوّلہ بالا شعری اصناف کا صوفیا کے ہاں سرسری جائزہ لیتے چلیں۔

دوہا

یہ عروضی صنف ہے جو ایک شعر کے برابر ہوتی ہے۔ اس کے ہر مصرع میں ۲۴ ماترائیں ہوتی ہیں۔ مصرع کے پہلے جز میں ۱۳ ماترا، اس کے بعد وقفہ اور دوسرے جز میں گیارہ ماترا [۲۳]

اُردو زبان کے لحاظ سے اس کا مثالی وزن یہ ہے:۔ فعلن فعلن فاعلن فعلن فعلن فاع

ہندوستان میں دوہا کی صنف عام طور پر بھگت شاعروں کے لئے مخصوص تھی لیکن اب بھگت کبیر [۲۴] اور تلسی داس کے دوہوں کے ساتھ برہان الدین جانمؒ، امیر خسروؒ، فرید گنج شکرؒ اور شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کے دوہے بھی زبانِ زد خاص و عام ہوئے۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کی دوہا نگاری کا ذکر "فرہنگِ آصفیہ" میں کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اوّل اوّل حضرت بوعلی قلندرؒ کی زبانِ مبارک سے مبارز خان کے ارادۂ سفر کے موقع پر یہ موزوں الفاظ ادا ہوئے، جو دراصل دوہا کی فارم میں تھے۔

سجن سکارے جائیں گے اور نین پریں گے روے
بدھنا ایسی رین کو بھور لدھی نہ ہوے (دوہا: بوعلی قلندرؒ)

گوری سوئے سیج پر مُکھ پہ ڈارے کیس
چل خسروؒ گھر اپنے رین بھئی چوں دیس (دوہا: حضرت امیر خسروؒ)

برہان الدین جانمؒ کے شعری مجموعوں "جل ترنگ"، "ارشاد نامہ"، اور "گل باس" میں دوہے کثرت سے ملتے ہیں۔

چوپائی (یا چوپئی)

یہ ہندی کی ایک بحر ہے، جس میں ۱۶ ماترائیں ہوتی ہیں یوں اس کا وزن ہوا:

فعلن فعلن فعلن فعلن

اس سے قدرے کم وزن، جس میں ۱۵ ماترائیں ہوتی ہیں "چوپئی" کہلاتی ہے، جس کا وزن یہ ہے:

فعلن فعلن فعلن فاع

ایک خیال یہ بھی ہے کہ چوپائی درحقیقت دوہے کی ترقی یافتہ شکل ہے یعنی جب دوہے نے دو مصرعی حد سے گزر کر چار مصرعوں کی صورت اختیار کی تو "چوپائی" اور "چوپئی" وجود میں آئی۔ گارساں دتاسی نے اسے پانچ مصرعوں کی بھی بتایا ہے۔

صوفیا میں قاضی محمود دریائیؒ کا نام اس صنف میں اوّلیت کا حامل ہے۔ اسے ہندی کی مثنوی خیال کرنا چاہیے جائسی کی "پدماوت" اور تلسی داس کی "رامائن" چوپائی کی بحر میں تخلیق ہوئیں۔

ڈاکٹر گیان چند جین کے مطابق چوپائی کی بحر میں لکھی گئی مثنویوں میں اکثر سات، آٹھ یا نو اشعار کے بعد ٹیپ کے طور پر ایک دوہا آتا ہے، جس سے بند کی تقسیم ممکن ہوتی ہے۔

جھولنا

اُردو میں جھولنے کے ہر مصرع میں ۳۷ ماترائیں ہوتی ہیں۔ یہ دو اشعار پر مشتمل چیز ہے جس کا انداز مثنوی سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی دونوں اشعار میں قافیہ بدل جاتا ہے پہلے تین مصرعوں میں دس دس ماترائیں اور چوتھے مصرعے میں سات ماترائیں ہوتی ہیں[۲۵] فرید گنج شکرؒ، خوب محمد چشتیؒ اور قاضی محمود دریائیؒ کے صوفیانہ افکار سے متعلق جھولنے بہت نمایاں ہیں۔ فرید گنج شکرؒ نے "ذکرِ جلی" کو عام کرنے کی خاطر

جھُولنا تخلیق کیا تھا۔"جھُولنا گنج شکرؒ" کی طرح خوبؔ محمد چشتیؒ کا "خوبؔ ترنگ" اپنے زمانے کے ہر دلعزیز جھُولنے ہیں۔ درحقیقت یہ صنف جھُولے میں سوتے ہوئے بچّے کے لیے لوری کا درجہ رکھتی ہے۔

رِتو سنہار (بارہ ماسہ یا بارہ ماہ)

یہ خالصتاً ہندی کی صنف ہے جو ہندوی، دکھنی، پنجابی اور سرائیکی میں صُوفیا کے طفیل عام ہوئی۔ پنجابی لوک شاعروں اور صُوفیا نے بارہ مہینوں کا احوال رقم کرنے کے لیے یہ صنف برتی۔ اس صنف میں ہر مہینے کی موسمی کیفیات اور تہواروں کے پس منظر میں دلی کیفیات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ۱۶ ویں صدی کے انگریزی شاعر سپنسر نے "شیپرڈ کیلنڈر" میں بھی یہی تکنیک برتی ہے۔ شاعر رِتو سنہار لکھتے وقت ایک ایسی برہن کے دلی جذبات کی عکاسی کرتا ہے جس کا پیا پردیس میں ہے۔ ان کیفیتوں میں جدائی کا عنصر نمایاں رہتا ہے، نیز قدرتی مناظر پر بدلتے موسموں اور ڈھلتے ہوئے وقت کے اثرات کا مطالعہ کرتے ہوئے، حافظ محمود شیرانی نے اس صنف کو محبوب سے جُدا عورت کا نالہ کہا ہے۔

بیان ہندی بکرم سمبت کے مہینوں کے حوالے سے ہوتا ہے اور چونکہ بکرم سمبت میں ہر چوتھے برس لوند کا مہینہ ملا کر ۱۳ مہینے بن جاتے ہیں اس لیے اکثر رِتو سنہار (بارہ ماہ) ۱۳ مہینوں کا احوال بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اکرم قطبی رہتکی کے رِتو سنہار کا نام ہی "تیرہ ماسہ" ہے۔

مسعود سعد لاہوریؒ کا رِتو سنہار (باراں ماسہ) قدیم اُردو میں اوّلین کاوش ہے۔ افضل جھنجھانوی کی "بکٹ کہانی" اور محمد بُوٹا کا "پنج گنج" مشہور رِتو سنہار ہیں۔ صُوفیا کے اثر کے تحت ہندو شاعر ملکھی نے "باراں ماہ پانی" لکھا۔ رنگ ملاحظہ ہو:

تیر مار کے آکھیا ظالماں نے
ایہدے منہ وِچ موت دا پا پانی
ملکھی گود وِچ لال شہید ہویا
حکم رب دا سی نہ وکھا پانی
پانی پانی کہندے لکھاں کوچ کر گئے
طرح طرح دے رنگ وکھائے پانی

شاہ ابوالحسنؒ کی مثنوی "سک انجن" پر رتو سنہار کا خاصا اثر ہے۔

شبد

اس لفظ میں "ب" ساکن ہے اور اس کے لغوی معنیٰ "لفظ" کے ہیں۔ یہ گیت کی ایک ایسی قسم ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ تصوّف، یوگ اور عشقِ حقیقی کے مضامین باندھے گئے ہیں۔ شبد بنیادی طور پر گنگنانے کی چیز ہے اس لیے ان کی گائیکی کے راگ کی نشاندہی بھی کر دی جاتی ہے۔ حضرت فریدشکر گنجؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور شیخ بہاء الدین برناویؒ کے شبد خاصے کی چیز ہیں۔ ترکِ دُنیا اور عشقِ حقیقی کے مضامین شبدوں کے ذریعے دل میں گھر کر جاتے ہیں۔ کچھ یہی سبب ہے مسلمان صوفیا کے شبدوں کی بہت بڑی تعداد "گرنتھ صاحب" میں انتخاب کی گئی ہے۔

اشلوک

یہ لفظ مذہبی گرنتھوں سے مخصوص ہے۔ "اشلوک" سنسکرت مذہبی صحیفوں میں شامل اشعار کو کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کے تلفظ کی ادائیگی میں ش ساکن اور ل مضموم کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ہندی میں یہی لفظ اپنے انہی معنوں کے ساتھ (س مفتوح) "سلوک" بن گیا۔ "گرنتھ صاحب" کی طرح بیشتر سنسکرت مذہبی کتب میں موضوع سے مطابقت رکھنے والے اشعار کو چُنا گیا تو اُن پاکیزہ اشعار کو اشلوک کہا گیا۔ "گرنتھ صاحب" میں فرید گنج شکرؒ کے منتخب اشعار اشلوک کہلاتے ہیں۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی تصنیف "مرشد نامہ" میں بھی متعدد اشلوک شامل کیے گئے ہیں۔

ساکھی

ہندی اور ہندی کے اثر میں "ساکھی" یک مصرعی قسم کی چیز ہے، جو دوہے کی بحر میں لکھی جاتی ہے۔ ساکھی کا موضوع پند و نصائح و اخلاقیات کی تعلیم دینا ہوتا ہے۔ بھگت کبیر کی ساکھیاں بہت مشہور ہیں جب کہ اُردو کی ایک ساکھی مختلف زمانوں میں مختلف صوفی بزرگوں سے منسوب ہوتی چلی آئی ہے۔

ع راول دے دل کبھی نہ جانا

ڈاکٹر گیان چند جین نے اس ساکھی کو حضرت سید محمد جونپوریؒ سے منسوب کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ امیر خسروؒ کے الحاقی کلام میں بہت سی ساکھیاں ملتی ہیں۔

گیت

اس کی ہیئت مصرعوں کا نظام، قوافی اور مصرعوں کا طول مقرر نہیں۔ ہلکی پھلکی مختصر غنائی نظم ہے جو ہندی سے اردو میں آئی۔ اس میں ایک ٹیک کا انترہ ہوتا ہے جسے بار بار تاثر کو دوبالا کرنے کے لیے دہرایا جاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پہلا مصرع کاملاً یا جزواً دہراتے ہیں۔ اکثر آخری دو مصرعوں میں شاعروں نے اپنا تخلص بھی برتا ہے۔ ہندی شاعروں سورداس اور میرا بائی نے اس میں شہرت پائی۔ یوں بہت سے گیت بھگت کبیر سے منسوب ہیں۔ گیت تخلیق کرنے میں تقریباً تمام صوفی شعرا کا نام لیا جا سکتا ہے۔ شاہ میراں جی شمس العشاقؒ کی "خوش نامہ" اور "خوش نغز" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

عام طور پر صوفی شعرا کے تخلیق کردہ گیتوں کو مندرجہ ذیل بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

موضوعات کے اعتبار سے الگ الگ گروہ بندی یوں ہوگی[۲۶]

۱۔ پیشہ وروں کے گیت: جیسے جولاہے، کسان، مچھیرے، ملاح، دھوبی اور چرواہے کے گیت

۲۔ مذہبی گیت، زمزمے، حمد اور نعتیہ کلام

۳۔ معرفت کے گیت مثلاً سہیلا، حقیقت، جکری وغیرہ

۴۔ زندگی کی بے ثباتی سے متعلق فلسفیانہ اور اخلاقی گیت

۵۔ مختلف تقریبات سے متعلق گیت جیسے ولادت، شادی وغیرہ

۶۔ لوک گیت جن میں خصوصیت کے ساتھ برہ کے گیت اہم ہیں

۷۔ مذہبی تیوہاروں سے متعلق گیت

۸۔ موسموں اور مناظرِ فطرت کے حوالے سے لکھے گئے گیت

۹۔ لوریاں

دکن، گجرات، پنجاب اور سندھ کے صوفی شعرا خصوصاً شاہ برہان الدین جانمؒ اور شیخ بہاءالدین برناویؒ

نے "خیال" تخلیق کرنے کے ساتھ ساتھ دھرپد سے اگلی گائیکی یعنی "خیال" کے موسیقارانہ انگ بھی درج کر دیے ہیں۔ اسی طرح شیخ بہاء الدین باجنؒ، محمود دریائیؒ اور علی محمد جیو گام دھنیؒ نے ہر گیت کے ساتھ راگ راگنی کا تعین بھی کر دیا ہے۔

صُوفیا کو ہندوستان میں گیت کی صنف کے لیے فضا ساز گار ملی۔ فریم ورک ہندی گیت نے فراہم کیا اور یوں ہندوستانی گیت کی صنف صُوفیانہ افکار کو بھی اپنے اندر سمیٹنے میں کامیاب ہو گئی۔

غزل

اس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے، جسے مطلع کہتے ہیں۔ بعد کے اشعار میں عموماً مصرعہ ثانی میں قافیہ برتا جاتا ہے۔ آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص لاتا ہے مقطع کہلاتا ہے۔ غزل کی ردیف و قافیہ اور وزن کو ملا کر زمین کہتے ہیں صاحب "بحر الفصاحت" کے مطابق:

"زمینِ غزل مراد ردیف و قافیہ سے ہے مع قید بحر کے"[۲۷]

اصلاً غزل کے موضوعات مقرر تھے جیسے حسن و عشق، خمریات اور وارداتِ قلبی کے بیان وغیرہ۔ صُوفیا کرام نے عشقِ الٰہی کے حوالے سے وارداتِ قلبی کا بیان کیا یوں معرفت کا موضوع اُردو غزل کو ملا۔

"صنفِ غزل" کے باب میں دو ابتدائی نام شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور حضرت امیر خسروؒ کے ہیں۔ فریدالدین گنج شکرؒ کی غزل کا مطلع ہے:

وقت سحر وقتِ مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے

امیر خسروؒ کی دست بُردِ زمانہ سے بچ جانے والی صرف ایک غزل ہے جب کہ یہ واحد غزل بھی قدیم تذکروں میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر اسپرنگر نے پہلی مرتبہ ۱۸۵۲ء میں یہ غزل ادبی دُنیا سے متعارف کروائی۔ اس غزل کا مکمل متن ان کے تحقیقی مقالے:

" has sady shyrazi written rekhta verses? " میں شامل تھا۔ یہ مقالہ " journal of asiatic society bengal " میں سال ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا۔

غزل کا مطلع ہے:

زحالِ مسکیں مکن تغافل، درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں، نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

حضرت امیر خسروؒ کا مستند ہندوی (اردو) دیوان ناپید ہے۔ یوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں اشعار اُن کے نام سے منسوب ہیں جو محققین کی تحقیق کے مطابق بعد کے شعرا کی اختراعات ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ امیر خسروؒ کی ننانوے تصنیفات فارسی میں ہیں اور ہندی اشعار اور پہیلیاں اس کے علاوہ ہیں۔ "ہشت بہشت"، "سکندرنامہ"، "پنج گنج"، "لیلےٰ مجنوں"، "شیریں فرہاد"، "اعجاز خسرویؒ"، "آئینہ سکندری"، "غرۃ الکمال"، "تحفۃ الصغیر"، اور "قران السعدین"، امیر خسروؒ سے منسوب ہیں۔

اس صورتِ حال کے بارے میں بھارت کے محقق اور شاعر ڈاکٹر صفدر آہ لکھتے ہیں:

"اُن کی مادری زبان ہندوی کے تین چار لاکھ اشعار میں سے بشمول "خالق باری" ان کے چار پانچ سو شعر ہمارے پاس باقی رہ گئے ہیں، پھر ان باقیات کی بھی اگر محققانہ جانچ کی جائے (جو بہت مشکل ہے) تو یہ تعداد دو سو تک بھی بمشکل جا سکے گی۔"

("امیر خسروؒ بحیثیت ہندی شاعر" سے اقتباس)

عبداللہ حسینیؒ اور سید شہباز حسینیؒ (جو بندہ نواز گیسو درازؒ کی اولاد میں سے ہیں) کے نام صوفیانہ غزل میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے جب کہ خواجہ میر درد کا نام اس ضمن میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

مثنوی

لفظ مثنوی میں "م" "مفتوح اور "ث" ساکن ہے۔ اس صنف میں ہر بیت کے دونوں مصرعے باہم مقفیٰ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے بعد قافیہ بدل جاتا ہے۔ یوں اس میں طویل نظم لکھنا ممکن ہے۔ اکثر شعرا نے طوالت کی یکسانیت کو توڑنے کے لئے اپنی مثنویوں میں غزلیں، طویل ترجیع بند، قصہ، پہیلی، دوہے اور قطعات بھی شامل کر دیے ہیں۔ محمد حسین آزاد اور محمد اقبال نے اپنی مثنویوں کو بندوں میں تقسیم کر کے لکھا ہے[29] شاہ ابوالحسنؒ کی مثنوی "سک انجن" میں قصے اور پہیلیاں ملتی ہیں۔

فارسی میں مثنوی کے لئے سات بحریں مخصوص تھیں۔ اردو میں صوفیا نے چند اوزان کا اضافہ کیا

اور آخر میں آتے آتے کسی بھی وزن میں مثنوی لکھی جانے لگی۔

صُوفی شعرا نے مثنوی کی صنف کو التزام کے ساتھ برتا۔ اشرف بیابانیؒ کی "نوسر ہار"، "واحد باری" اور "لازم المبتدی"، شاہ ابوالحسنؒ کی "سُکھ انجن" کے علاوہ میراں جی خدا نماؒ کی دو مثنویاں اور شاہ برہان الدین جانمؒ کے شعری مجموعوں "جل ترنگ"، "ارشاد نامہ" اور "گل باس" میں شامل کئی مختصر مثنویاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ کہانی کے عناصر کی شمولیت کے ساتھ رُشد و ہدایت کا کام زیادہ مقبول رہا ہے۔ امیر خسروؒ کی "خالق باری" کی بے پناہ مقبولیت اس کا ایک اور ثبوت ہے۔

قطعہ

صحیح تلفظ قطِ + عہ (یعنی ق مکسور اور ط ساکن) ہے۔ جبکہ عربی میں قاف بالفتح بھی درست ہے۔ عربی میں قصیدے سے پہلے کی منزل قطعہ تھی۔ اس میں پہلے مصرعوں میں مطلع نہیں ہوتا۔ تمام اشعار کے مصرع ثانی مقفیٰ ہوتے ہیں اور جملہ اشعار معنوی اعتبار سے ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ صُوفیا کے ہاں قطعہ بہت کم دیکھنے کو ملا ہے۔

زرگر پسرے چو ماہ پارہ
کچھ گھڑیئے کچھ سنواریئے پُکارا
نقد دل من گرفت و بشکست
پھر کچھ نہ گھڑا نہ سنوارا
(امیر خسروؒ)

کافی

یہ صنف پنجابی، سندھی اور سرائیکی میں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ صُوفیا میں بُلھے شاہؒ، خواجہ غلام فریدؒ، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ اور سچل سرمستؒ نے اس صنف کو برتا۔ اُردو کی ابتدائی حالتوں میں پنجابی، سندھی اور سرائیکی کا عمل دخل ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے اس صنف کو پنجابی اصناف کے وزن عروضی میں رکھا ہے جب کہ پنجابی/سرائیکی اور قدیم اُردو کی کافیوں میں وزن سیلابی رکھا گیا ہے، وزن عروضی نہیں۔

سماجی نظمیں

اس ذیل میں شہادت نامہ، سلام، مرثیہ، چکی نامہ، چرخہ نامہ، پنکھا نامہ، سہیلا، سہاگن نامہ، ناری نامہ، شادی نامہ، ڈھول نامہ، لگن نامہ، لوری نامہ، فال نامہ اور شکار نامہ جیسی مختصر نظمیں آتی ہیں۔

ان نظموں کا موضوع ان کے ناموں سے ظاہر ہے ۔ان تمام نظموں کا تعلق اس دور کی روزمرہ زندگی سے ہے ۔یہاں تک کہ تکنیکی سطح پر بھی سماجی زندگی نے اثرات مرتب کیے۔ "سک انجن" میں دکن کے طفلانہ کھیل "آنکھ مچانی" (آنکھ مچولی) کا طریقہ کار برتا گیا ہے ۔اس نوع کی نظم نگاری میں فریدالدین گنج شکرؒ اور میراں جی خدانماؒ کے نام سب سے پہلے دکھائی دیتے ہیں ۔ڈاکٹر عبدالحق نے "اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام"، نامی کتابچے میں فریدالدین گنج شکرؒ کی بعض نظموں کا حوالہ دیا ہے ۔آپ کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

؎ عشق کا رموز نیارا ہے
جز مردِ پیر کے نہ چارا ہے

میراں جی خدانماؒ کی نظم "بشارت الانوار" اس ذیل میں یادگار ہے ۔عام طور پر امیر خسروؒ کا نام بھی مختصر نظم نگاری کی ذیل میں لیا جاتا ہے، لیکن آج جن چار پانچ سو اشعار کو امیر خسروؒ کے اشعار تسلیم کیا جاتا ہے، اُن میں کوئی باقاعدہ نظم نہیں ملتی۔

شہادت نامہ، سلام، مرثیہ

شہادت نامہ، نثر اور نظم دونوں میں ملتا ہے ۔اردو میں "کربل کتھا" اور فارسی میں "روضۃ الشہدا" نثری شہادت نامے ہیں۔ اس صنف میں شہادت امام حسینؑ سے متعلق ایک سے زاید روائتیں بیان کی جاتی ہیں منظر نگاری اور رزمیہ پہلو پر توجہ نہیں دی جاتی جب کہ مرثیہ میں کسی ایک روایت کو بنیاد بنا کر کرب وبلا کے میدان میں ہونے والے عظیم سانحہ کو بیان کیا جاتا ہے ۔"روضۃ الشہدا" کی مثنویاں اردو میں قابلِ ذکر شہادت نامے ہیں۔

سلام، غزل کی ہیئت میں لکھا جاتا ہے ۔صوفیا کے ہاں بھی سلام کی یہی ہیئت ملتی ہے ۔ ڈاکٹر چراغ علی کے مطابق[۳۰] سلام شمالی علاقوں میں بالعموم مسدس کی شکل میں لکھا گیا ۔سلام کی ردیف میں السلام، سلام علیک، صلوٰت یا مرحبا شامل ہوتے ہیں۔

کنہیا لال ماتھر کے مطابق[۳۱] سلام کا دوسرا نام "مجرا" تھا۔ "بحر الفصاحت" میں درج ہے کہ بموجب سلام مجرئی یا سلامی کے لفظ سے شروع ہوتا تھا۔ سلام سے متعلق مشاعرہ مسالمہ کہلاتا ہے۔

مرثیہ عربی میں مدح کی قسم ہے۔ رثی یا رثا کے معنی مرنے والے کی موت پر آہ و زاری کرنا ہے۔ مرثیہ میں مرحوم کی شخصی صفات کو بیان کیا جاتا ہے۔ مرثیہ کی دو قسمیں ہیں (۱) شخصی مرثیہ اور (۲) کربلائی مرثیہ (یا مرثیہ امام حسینؑ)

دکن میں صوفیا نے اس صنف کے لیے غزل کی ہیئت پسند فرمائی بعد ازاں مربع میں لکھا گیا۔ اشرف بیابانیؒ نے مثنوی کے انداز میں کربلائی مرثیہ "نوسرہار" لکھا، جو اُردو کے اوّلین مرثیوں میں سے ایک ہے۔

چکی نامہ، چرخہ نامہ، پنکھا نامہ

دکھنی / ہندوی (اُردو) چکی نامہ کی صنف کو حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ نے رواج دیا۔ رنگ ملاحظہ ہو:

دیکھو واجب تن کی چکی
پیو جاترا ہو کے سکی
سوکن ابلیس کھنچ کھنچ تھکی
کہہ یا بسم اللہ، اللہ ہو

بیجا پور (دکن) سے ۱۲ قلمی مخطوطے دریافت ہوئے ہیں، جن میں سے زیادہ تر "چکی نامہ" ہیں۔ ان مخطوطوں کی زبان انہیں ۱۷ ویں صدی عیسوی کا ثابت کرتی ہے۔ ان مخطوطوں میں سے ایک "چکی نامہ" امین الدین علی اعلیٰؒ (متوفی ۱۶۷۵ء) سے منسوب کیا جاتا ہے۔[۳۲] یہ بزرگ برہان الدین جانمؒ کے فرزند اور سجادہ نشین تھے۔ دوسرا چکی نامہ امین الدین علی اعلیٰؒ کے خلیفہ شاہ خداوند ہادیؒ (متوفی ۱۷۰۴ء) سے منسوب ہے۔[۳۳] تیسرا چکی نامہ امین الدین علی اعلیٰؒ کے ایک مُریدِ خاص فاروقیؒ سے منسوب ہے۔[۳۴] دیگر دو چکی نامے بعد کی دریافت ہیں، جن میں سے ایک قادریؒ[۳۵] اور دوسرا شاہ کمال[۳۶] یا شاہ کمال الدینؒ (متوفی ۱۸۰۹ء) کے نام سے منسوب ہیں۔

چکی نامہ کا ایک قلمی نسخہ سالارؒ نامی ایک صوفی بزرگ کا دریافت ہوا ہے، جس کے زمانے کا تاحال تعین

ممکن نہیں ہو سکتا[۳۷]۔ جب کہ دو چکی نامے محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ (متوفی ۱۴۲۲ء) سے منسوب ہیں[۳۸]۔ نصیر الدین ہاشمی نے اپنے مضمون "خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی اُردو شاعری" (مطبوعہ: اکتوبر ۱۹۳۴ء) میں دو وجوہات کی بنا پر ان چکی ناموں کے محمد حسینی بندہ نوازؒ کی شعری تخلیقات ہونے پر شک کا اظہار کیا۔ ایک تو یہ کہ محمد حسینی بندہ نوازؒ ہندوی (اُردو) میں چکی نامہ کی صنف کے آغاز سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل وفات پا چکے تھے، دوم یہ کہ قلمی مخطوطے پر کونے میں "بندہ نواز" درج ہے۔ اُن کے خیال کے مطابق محمد حسینیؒ خود کو "بندہ نواز" کہلانے سے رہے۔

چکی نامہ اور چرخہ نامہ کی اصناف میں تین باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ چکی نامہ میں گھومتا ہوا پتھر اور چرخہ نامہ میں چکر کھاتا ہوا کاٹھ کا دائرہ۔

۲۔ خُدا، خُدا کے رسُول، مُرشد اور بندی (مشقت کرتی ہوئی عورت) کا روحانی رابطہ۔

۳۔ چکی نامہ یا چرخہ نامہ گنگناتے وقت وارفتگی میں "ذکر" کی کیفیت۔

"کلمۃ الحقیہ" کے صفحہ ۵۳ پر برہان الدین جانمؒ رقم طراز ہیں کہ چکی کے پھیر میں کسی اور طاقت کی ضرورت پڑتی ہے، کسی غیبی ہاتھ کی طاقت جو بھاری پتھر کے پھیر کو آسان بنا دے۔

برہان الدین جانمؒ کی یہ بات چرخہ نامہ اور پنکھا نامہ سے متعلق بھی کم و بیش یہی معنی رکھتی ہے۔

مولوی محمد ابراہیم خوش دلؒ (متوفی: ۱۲۰۲ھ مطابق ۸۸-۱۷۸۷ء) کے ایک چرخہ نامہ سے اقتباس ملاحظہ ہو:

اے رنگیں دیوانہ ہو عالم سُوں بیگانہ ہو
دل جس پر پروانہ ہو وہ ہیگا بے شبہ دنو
کدھر کی بڑھیا کدھر کاتوں
چل رے چرخے چرخ چُوں

(بحوالہ: پنجاب میں اُردو، از۔ حافظ محمود شیرانی)

سہیلا، سہاگن نامہ، ناری نامہ

یہ تینوں اصناف ایک دوسرے سے خاصی قریب ہیں۔ یہ گیتوں کی تین قسمیں ہیں۔ جن میں بیاہتا عورت

اپنے شب و روز کا بیان کرتی ہے۔ سہیلا سے متعلق ڈاکٹر حسینی شاہد لکھتے ہیں کہ یہ شادی اور خوشی کا گیت ہے۔[۳۹]

ڈاکٹر حسینی شاہد کے مطابق گو سہیلے کی کوئی بحر اور ہیئت متعین نہیں لیکن اکثر سہیلوں میں پہلے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ملتے ہیں۔ سہیلے کا ہر بند عموماً تین مصرعوں یا کبھی کبھار چار مصرعوں کا ہوتا ہے۔ ہر بند کے تمام مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق بندوں کی تعداد مقرر نہیں لیکن عموماً پانچ بندوں سے زیادہ نہیں لکھے گئے۔

سہیلوں کی نسبت سہاگن نامے اور ناری نامے خاصے طویل ملتے ہیں۔ ان تینوں اصناف کی زبان اکثر ہندی آمیز ہے۔

سہیلا کے نمونے خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ، میاں جی شمس العشاقؒ، شاہ برہان الدین جانمؒ اور امین الدین علی اعلیٰؒ کے ہاں کثرت سے دستیاب ہیں۔

سہاگن نامہ کا ایک مخطوطہ شاہ راجوؒ (متوفی ۱۶۸۱ء یا ۱۶۸۵ء) کا دستیاب ہوا ہے۔[۴۰] اسی طرح حال ہی میں سہیلا کے دو قلمی نسخے (۱۸ ویں صدی عیسوی) شاہ امین الدین علی اعلیٰؒ کے پوتے شاہ علی پیر حسینیؒ کے دستیاب ہوئے ہیں۔[۴۱]

شادی نامہ، ڈھول نامہ، لگن نامہ، لوری نامہ

ان پانچ اصناف کا وزن بھی لوک گیتوں کی طرح مخصوص نہیں۔ یہ تمام اصناف بھی عورت کی بدلتی ہوئی سماجی حیثیت کی عکاس ہیں۔

فال نامہ، شکار نامہ

ان دونوں اصناف کا موضوع بھی ان کے نام سے ظاہر ہے۔ قدیم ترین فال نامہ شاہ شرف الدین یحیٰی منیریؒ (متوفی ۱۳۷۰ء) سے منسوب کیا جاتا ہے۔ ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں صدی عیسوی کے کئی قلمی منظوم فال نامے حیدرآباد دکن کی سالار جنگ میوزیم لائبریری اور ادارہ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد دکن میں محفوظ ہیں۔

عارفانہ کلام

ڈاکٹر گیان چند جین نے دکن کی بعض مخصوص اصناف کا ذکر کرتے ہوئے جکری (ذکری)، حقیقت، سی حرفی اور نقش کے ساتھ سہیلا کا ذکر بھی کیا ہے[۴۲] بلاشبہ ان اصناف میں عارفیانہ بیان کی مثالیں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شاہ میراں جی شمس العشاق، برہان الدین جانم، میاں مصطفیٰ گجراتی اور امین الدین علی اعلیٰ کے ہاں مل جاتی ہیں۔ ہم نے ان اصناف کو سماجی نظموں کے زمرے میں رکھا ہے۔ حاجی محمد نوشہ قادری (۱۲ اگست ۱۵۵۲ء تا ۲ جنوری ۱۶۵۴ء) نے اپنے عارفانہ کلام کے لیے یادشہانا، سویہ، ناد، چھپّہ اور اٹ وغیرہ پنجابی اصناف بھی برتی ہیں۔

جکری (ذکری)، حقیقت، سی حرفی

جکری سے متعلق حافظ محمود شیرانی لکھتے ہیں:

"اصل میں ذکر یا ذکری تھا۔ ہندوستانی اثرات میں جکری بن گیا۔[۴۳] چشتیہ سلسلے میں اس کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ذکر جلی، ذکر خفی اور ذکر قلبی وغیرہ۔

ڈاکٹر گیان چند نے اسے سماع وغنا کے سلسلے کی چیز قرار دیا ہے۔ جکری کے موضوعات ذکرِ رسول اکرمؐ، ذکرِ پیر کے سلسلہ کا شجرہ، تجربات باطنی و واردات روحانی ہیں۔ شاہ محمد علی جیو گام دھنی نے اس صنف کو جکری کی بجائے "مکاشفہ" کہا ہے۔[۴۴]

صوفیا کرام میں شیخ بہاؤالدین باجن کو اس صنف میں اولیت حاصل ہے۔ آپ کے ہاں ابتدائی اشعار کو جو ہم قافیہ ہوتے ہیں عقدہ کہا گیا ہے۔ بعد میں تین یا چار مصرعوں کے جو بند آتے ہیں انہیں "پین" کا نام دیا گیا ہے۔ آخری بند عموماً تین مصرعوں کا ہوتا ہے اور جس میں تخلص برتا جاتا ہے، اس کے پہلے دو مصرعے ہم قافیہ اور تیسرا بغیر قافیہ لیکن ہم وزن ہوتا ہے۔ یہ صنف عام طور پر گجراتی گیتوں کی راگ راگنیوں میں لکھی گئی۔

شاہ محمد علی جیو گام دھنی نے جکری کے بندوں کو "نکتہ" کا نام دیا۔ جن کے بالترتیب یہ عنوانات قائم کیے گئے ہیں:

صنف کا نام "مکاشفہ": نکتۂ اوّل در عقیدہ، نکتۂ دوم، نکتۂ سوم، نکتۂ چہارم در تخلص۔

شاہ محمد علی جیو گام دھنیؒ گجرات کے رُوحانی سلسلے کے پیشوا تھے۔ جب آپ نے اس صنف کو گجرات میں فروغ دیا تو شاہ باجنؒ اور قاضی محمود دریائیؒ نے بھی اس صنف کو برتا۔

شیخ باجنؒ گجراتی کی جکری سے نمونہ ملاحظہ ہو:

عقیدہ :- کیوں نہ لاؤں چندنا، اب ماہ ہر یالا بنا

بین :- شہ جو لایا چندنا چوبا چولہ مہو کے
بوئی جو آئی نوشہ کی میرا جیورا ہو کے

صنف "حقیقت" کا تعلق عارفانہ گیتوں سے ہے۔ اس صنف میں ذکر قلبی کے ذریعے حقیقت پا لینے کی جستجو کی جاتی ہے۔ برہان الدین جانمؒ اور امین الدین علی اعلیٰؒ نے راگ راگنیوں کی تخصیص کر دی ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں:

"میری نظر سے ان کے جو حقیقت کے گیت گذرے ہیں، ان سب کے بندوں کو "بین" لکھا ہے۔ چوں کہ ان میں کوئی بعینہٖ موضوع نہیں اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ جکری کا بین ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جکری کا بین دراصل "بین" ہو جس کے معنی "درمیان" ہوں۔ مجھے شبہ ہوتا ہے کہ حقیقت جکری ہی کی ایک شکل ہے۔"[45]

"سی حرفی" پنجابی صنف ہے جو مختلف بیتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ بیتوں کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اس صنف میں ہر بیت کی ابتدا (حروفِ تہجی کے اعتبار سے) کسی نہ کسی حرف سے ہوتی ہے۔ یہ حرف اپنی پوری آواز کے ساتھ جزوِ شعر بنتا ہے۔

اردو میں ہائے مخلوط والے حروف ا و ڑ کو چھوڑ کر کل ۳۴ حروف بنتے ہیں۔ اس لیے طویل سے طویل سی حرفی ۳۴ بیتوں یا بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ سی حرفی میں عام طور پر وزنِ سیلابی یا پنجابی لوک گیتوں اور ہندی لوک گیتوں کے اوزان برتے جاتے ہیں۔

سی حرفی کے اردو صوفی شعرا میں شاہ علی جیو گام دھنیؒ گجراتی، شاہ برہان الدین جانمؒ، شاہ امین الدین علی اعلیٰؒ، معظم بیجاپوریؒ، شیخ محمود خوش دہانؒ اور شاہ کریمؒ کے نام بہت نمایاں ہیں۔ شاہ برہان الدین جانمؒ بیجاپوری کی سی حرفی سے نمونہ ملاحظہ ہو:

الف ۔ ایمان اللہ پر واں سب جگ نہ پایا
ایسی قدرت پہ بھانت رچایا آپس آپ چھپایا

ب ۔ بہروپ ان ایسا کیتا باتی اپنا کھیل
بازی کھیلے آپ کھلاوے بہود رچا میل

شواہد بتاتے ہیں کہ امیر خسروؒ نے اس صنف میں طبع آزمائی ضرور کی ہوگی گو آج ان کی کوئی ایک سی حرفی بھی محفوظ نہیں۔

مذہبی و دیگر نظمیں

صوفی شعرا نے دکن، پنجاب اور سندھ کے متعدد سماجی موضوعات سے متعلق عورتوں اور بچوں کے لیے معراج نامہ، نور نامہ، شاہنامہ، میلاد نامہ اور شمائل نامہ وغیرہ نظمیں لکھیں تاکہ معرفت اور اخلاق کا درس دیا جاسکے۔ موضوع کی مناسبت سے حمد، مناجات، نعت اور منقبت وغیرہ اصناف کو بھی اس ذیل میں رکھا جاسکتا ہے۔

ان اصناف کے علاوہ پہیلی، مکرنی و کہہ مکرنی اور قصّہ کو بھی معرفت کے بیان کے لیے برتا گیا۔

پہیلی

اس صنف کو "بحر الفصاحت" میں "چیتاں" اور "لُغز" (بضم لام و فتحۂ غین) بھی کہا گیا ہے۔ اس صنف میں (جو نثر اور نظم دونوں میں ہوسکتی ہے) اُلجھے ہوئے بیان کے ذریعے شئے مقصود کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ یوں پہیلی اور معمے میں زیادہ فرق نہیں۔ منظوم پہیلیاں بالعموم لوک گیتوں کے اوزان میں ملتی ہیں۔ شاہ ابوالحسنؒ کی مثنوی "سک انجن" میں کئی پہیلیاں ملتی ہیں جب کہ امیر خسروؒ نے اس صنف میں شہرت پائی۔

خسروؒ کی ایک پہیلی ملاحظہ ہو: دس ناری ایک ہی نر
بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم
مُنہ میٹھا تاثیر گرم (خربوزہ)

مکرنی و کہہ مکرنی

یہ صنف پہیلی سے ملتی جلتی ہے۔ یہ چار مصرعوں (یعنی دو اشعار) کی چیز ہے۔ تین مصرعوں میں ایسا التباس پیدا کیا جاتا ہے جیسے ساجن (شوہر، مرد محبوب) کا ذکر ہو۔ آخری یعنی چوتھے مصرع میں اس التباس کو دور کر کے کسی اور ہی شے کا انکشاف کیا جاتا ہے۔[۴۶]

محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں امیر خسروؒ کے ذیل میں اس صنف کا ذکر کیا ہے، لیکن گیان چند جین اُن مُکرنیوں کی صاف زبان کے پیشِ نظر انہیں امیر خسروؒ کی تخلیقات نہیں مانتے۔

آزاد نے جس صنف کو "مکرنی" کہا ہے شان الحق حقی نے اسے "کہہ مکرنی" کا نام دیا ہے۔ مثال کے طور پر امیر خسروؒ سے منسوب ایک مکرنی ملاحظہ ہو:

سگری رین موہے سنگ جاگا
بھور بھئی تب بچھڑن لاگا
اس کے بچھڑے پھاٹت ہیا
اے سکھی ساجن، نا سکھی دیا

قصّہ

صوفیا کے ہاں قصّہ کی صنف مثنوی کے انداز میں عشقیہ قصّے باندھنے کی رہی ہے، جس میں روحانی (ظاہری و باطنی سفر) اور دینی معاملات کا بیان ملتا ہے۔ میراں جی شمس العشاقؒ کا "خوش نامہ" اس کی خوبصورت مثال ہے۔

صوفیا کے اس قدیم دور میں جو الفاظ عام طور پر برتے گئے، ان میں سے چند اجنبی اور نامانوس الفاظ مع مترادفات حالِ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ یوں لفظی سطح پر اُن کی قدامت کا اندازہ لگانا آسان ہوگا نیز اُردو زبان کے ابتدائی نقوش دلچسپی سے خالی نہیں ہوں گے۔

لفظ قدیم	لفظ حال	لفظ قدیم	لفظ حال
اُونہی	اسی	دوہی	وہی
پیلانا	پلانا	کوں	کو
الادھا	علیحدہ	تے	سے
دستے	دکھاتے	ہور	اور
بوجنا	بوجھنا ۔ سمجھنا	اپسکوں	اپنے کو
لگ	تک	پیلا	پہلا ۔ اوّلین
آنک	آنکھ	سُوں	سے
آنا	لانا	دیکھناسو	دیکھنا
انگے	آگے	نک	ناک
دُسرا	دُوسرا	اندھارا	اندھیرا
بدبُوئی	بدبُو	نیں	نہیں
جاگا	جگہ	اسے	یہ
کیے	کیا	تیوں	تو
اچھنا	ہونا	نکو (ناکو)	نہیں ۔ نہ
اُنے بھی	وہ بھی	باج	بغیر
معریفت	معرفت	عناصراں	عناصر ۔ عنصر
دِسنا	دکھائی دینا	بیٹ	بیٹھ
سگُن	تشبیہ	پھنک	مُطلق
کاٹا	ملاہوا	ہت	مرضی ۔ رضا
نرگنُ	پاک	ستی	سے
بارا	ہوا	بوجے سولوگا	ماہرین ۔ علماء ۔ جاننے والے
ماٹی	مٹی ۔ خاک	منا	منع

بھوت کھنچ	بہت کھینچ	ہمنا	ہمارا

رچرڈ میکسویل ایٹن کے مطابق[۴۷] گجرات اور دکن میں صوفیا کرام نے جس زبان (ہندوی یا دکھنی) کو برتا وہ عام طور پر بیجاپور اور گجرات کے مضافات میں دکن اور گجرات کے نومسلموں اور ہندوؤں کی پھیلی ہوئی آبادیوں کی زبان تھی۔ اس زبان کی تشکیل میں پنجابی کی اس لفظیات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جو ۱۴ ویں صدی میں پنجاب کے مہاجرین کے ساتھ دکن کی طرف چلی آئی۔ یہ زبان اس زمانے میں تلگو زبان کی معرفت سنسکرت کا اثر اور مہاجر صوفیا کے ذریعہ عربی اور فارسی کے اثرات قبول کر رہی تھی۔

ماہرِ لسانیات ایس۔ کے چیٹرجی نے اپنی کتاب میں برہان الدین جانمؒ اور بھگت کبیر کی برتی ہوئی زبانوں کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دونوں حضرات میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک زبان "فارسی عربی سکرپٹ" میں ہے اور دوسرے کی زبان "ہندو ہندی"

برہان الدین جانمؒ کے حوالے سے ہندوی (اردو) زبان پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"Shah Burhan's language has some distinct panjabi affinities, and it is noteworthy that he calls it (Guj(a)ri, as contrasted with bhaka= Bhakba, i.e., any Western Hindi vernacular, including Braj Bhakha. This name Gujri gives an indication of the origin and affinity of this dialect. Evidently the Gujars of the Panjab who have given their name to Gujrat and Gujranwala, towns in the Punjab... had come in good numbers with the North Indian armies, and they maintained their name and their dialect in the Deccan for some tune ... This Gujri speech of Shah Burhan is not Gujarati at all; it is a form of the a dialect group of Western Hindi and Panjabi, and is a Panjab dialect to start with ... The Deccan Urdu of Hindi literary tradition thus started in the fifteenth century with what may be called

a sister form of Hindusthani; and this tradition continued to have quite a flourishing life, until it merged into that of Northern Hindusthani or Urdu, after paving the way for the latter."

دکن میں ہندوی / دکھنی (اردو) ایک رابطے کی زبان کے طور پر تو ابھر ہی رہی تھی لیکن میراں جی شمس العشاق رحمۃ
نے جن وجوہات کی بنا پر اس زبان کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے رچرڈ میکسویل ایٹن
لکھتے ہیں :-

"There were several reasons that the descendants of Shah Miranji Sham al-Ushaq used Dakhni as a literary medium. First, as the vernacular language of Deccani Muslims, it was their mother tongue. The same feeling of cultural distinctiveness that had led the earliest Deccani migrants to revolt against the North and establish the independent Bahmani Kingdom seems to have had its literary counterpart in the appearance of Dakhani compositions. Second, some Chishtis of Bijapur were strongly motivated to preach and teach, and Dakhni was evidently the only vernacular of Bijapur with which both Muslims and Hindus-atleast those integrated with the city-were familiar. As the language of the army and the bazaar, Dakhani could reach more people than could the elitist Persian language. Of course, the use of Marathi or Kannada would have reached many more than even Dakhni. But Dakhni had the advantage of being written in the Perso-Arabic script, which would permit,

when necessary, the easy importation of Islamic vocabulary."

مجموعی طور پر نثر اور نظم کی ان جملہ کوششوں کا واحد مقصد عام مسلمانوں اور نومسلموں کو دین و معرفت کی بنیادی تعلیمات دینا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسلوب میں سادگی اور قلبی واردات کے بیان میں تاثیر ہے۔ یوں ادبیت کی حیثیت ثانوی ہی ہے لیکن اگر بنظرِ غائر اس صوفیانہ جتن کا جائزہ لیا جائے تو برصغیر کی تہذیبی، لسانی اور ادبی فضا کی نئی تشکیل میں صوفی ازم کی عطا نظروں سے چھپی نہیں رہتی۔

بول چال کی زبان ہی کے معاملے میں صوفیا نے ہندوی (اردو) کو تہذیبی سطح پر ایک نیا تناظر فراہم کر دیا اور یوں یہ گری پڑی زبان اس قابل ہو گئی کہ ہندوستان میں نووارد مسلمانوں کی مختلف زبانوں اور ان کے علاقائی ادب کے موضوعاتی تجربات کے مؤثر اظہار کا ذریعہ بن سکے، عربی، عجمی اور ہندی کے ملے جلے ادبی منظر نامے کو سمیٹ سکے۔ اس طرح اردو زبان و ادب کی نشو و نما کے ابتدائی چند برسوں میں ہی ایک سیکولر لسانی مزاج کا تعین ممکن ہو سکا جو سنسکرت کے کٹڑپن کی نسبت ہمہ گیر کشش کا حامل تھا۔

کہاں وہ وقت کہ سنسکرت "الٰہی زبان" سمجھی جاتی تھی اور پراکرت (ہندوی بھی اسی شمار میں آتی تھی) مجبورِ محض انسانوں کی زبان۔ عامی پراکرت بولتے تھے اور خواص سنسکرت۔

سنسکرت، مذہبی، علمی اور ادبی مباحث کا وسیلہ تھی جب کہ ہندوی (اردو) محض عوام کے لین دین کی زبان۔ کہا جا سکتا ہے کہ صوفی ازم نے برصغیر کی کچلی ہوئی محکوم آبادیوں کو سماجی سطح پر لسانی ناانصافی سے نجات دلائی نیز ہندوی / دکھنی زبان کو دین اور دنیاوی علوم کے لیے برت کر وسعتِ قلبی کا مظاہرہ کیا۔ بعینہٖ اردو صوفیا نے "وحدۃ الوجود" کے فلسفہ کو موضوعی سطح پہ خصوصی التزام کے ساتھ ہندوی نظم و نثر میں برت کر نہ صرف مشرکانہ عقیدہ پہ ضربِ کاری لگائی بلکہ "پاک اور پوتر" براہمن اور "ملیچھ" شودر کی اونچ نیچ کو بھی ختم کر دیا۔ اس زمانے کی عوامی بولیوں (بھاکا یا گجری) میں شاعری، برہمنوں کے مذہبی، سماجی اور سیاسی نظام کے تصورات کی حدود تک محدود تھی جب کہ صوفیا کرام نے اُسے لامحدود کر دیا۔ اسی طرح ہر صنف اور ہر اظہاری سانچے کے لیے ایک ہی پیرایۂ اظہار اختیار نہیں کیا گیا۔ دوہا، خیال اور راگوں کا بنیادی تعلق ہندی شاعری اور موسیقی سے ہے اس لئے لفظیات کے "بہاؤ" اور رموز و علائم کے معانی میں نئی اختراعات کے ساتھ

ہندی بھاکا (بھاشا) اوراس کے اسالیب کو اختیار کیا گیا اور یوں ہندی زبان وادب پر موضوعاتی اور اسلوبیاتی اعتبار سے نئے جہانوں کے در باز ہوئے۔

جے ہووی گیان بچاری
نہ دیکھیں بھاکا بگھری

(برہان الدین جانمؒ)

خصوصی طور پر ایسے میں ہندوی شاعری کے ڈانڈے موسیقی کے ساتھ جوڑ دینے کی شعوری کوشش اس لیے کی گئی کہ موسیقی کا عمل دخل ہندوستانی مذاہب کی سماجیات میں بہت تھا۔ یوں اظہار کے دونوں وسیلوں (شاعری اور موسیقی) کو نہ صرف مکمل طور پر برتا گیا بلکہ شعر و موسیقی کے ہر دو میدانوں میں نئی اختراعات بھی سامنے آئیں۔ فارسی شعر کی ہندی راگوں میں ادائیگی کو "ریختہ" کا نام دیا گیا۔[۲۹] آگے چل کر اردو کے بدلتے ہوئے ناموں میں "ہندی" یا "ہندوی" کے بعد "ریختہ" نام کے طور پر اردو زبان کے لیے مخصوص ہو گیا اور بعدازاں ہندوی اور فارسی کے باہمی امتزاج سے متشکل ہونے والی شاعری کے لیے یہی نام مناسب خیال کیا گیا۔

رسم الخط کے معاملے میں صوفیانہ سیکولرازم کا اظہار یوں ہوا کہ برِصغیر کی گری پڑی زبانیں عربی رسم الخط اختیار کرتی گئیں اور دکھنی/ہندوی (اردو) کی صورت میں موضوعاتی اور اسلوبیاتی سطح پر ہندوستان بھر کی علاقائی حدود میں جکڑی ہوئی چھوٹی بڑی زبانیں ہم آہنگ ہوتی چلی گئیں۔ یوں دکھنی/ہندوی (اردو) ایک بین الصوبائی رابطے کی زبان کی حیثیت میں اُبھری جب کہ عربی اور فارسی ادبیات کے عظیم خزینہ سے اُس کا معنوی اور صوری الحاق سٹرکچرل سطح پر اسلوبیاتی تجربات کے لیے زمین ہموار کر گیا۔

عام طور پر صوفیا نے عام فہم زبان برتی اور بات چیت کا انداز اختیار کیا۔ اس سے ہُوا یہ کہ ہندوی (اردو) زبان میں مکالمہ نگاری کو ورتاوے کی تجرباتی سطح پر مضبوط بنیادیں میسر آ گئیں اور بعدازاں رہس سے ڈرامہ اور مثنوی سے ناول تک کا سفر کٹھن نہیں رہا۔ اسی طرح صوفیانہ نثری اور منظوم رسائل نیز مثنویوں اور نظم کی دیگر اصناف میں فارس کی مٹھاس کے ساتھ اس کا ادبی تجربہ اور عرب کی زبان دانی کے ساتھ مقولوں کی صورت میں لوک دانش کا خزانہ ہندوی (اردو) میں منتقل ہوا، اور یوں اس گری پڑی زبان کو بہت کم مدت میں "اردوئے معلّیٰ" کے درجہ تک اُوپر اُٹھ آنے میں سہولت پیش آئی۔

قدیم دکنی ادب کا اوّلین شاہکار "سب رس" ہی کو قرار دیا جاتا رہا ہے، جب کہ "سب رس" کی اہمیت اسلوب کی بنا پر ہے :

"ہمّت نظر کو بہوت کیا، پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسیا، کہا شاباش تجھے اس کام پر بہوت ہم سے"۔
("سب رس" سے اقتباس)

مُلّا وجہی کے اس نثری اسلوب کی دیگر خوبیوں کے ساتھ ساتھ یہ خوبی واضح طور پر نظر آتی ہے کہ اس میں وجہی نے نثر اور نظم کو باہم ایک کر دیا ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ نظم کی ساری خوبیاں نثر میں سمو دی ہیں۔ لیکن اس بڑے کارنامے کی بنیاد صُوفیا کرام کی وہ نثری تحریریں ہی بنی ہیں جن میں پند و نصائح کے بیان کے لیے نظم اور نثر کو گھُلا ملا کر نئے اسالیبِ بیان کی جستجو کی گئی ہے، جب کہ جدید دور تک میں بائبل کے اردو تراجم میں بھی بول چال کی زبان ہی برتی گئی ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ درباری سرپرستی میں ہی بھی مُلّا وجہی وہ کارنامہ سرانجام دے گئے، جس کا تتبع بھی ایک زمانے تک ممکن نہ ہو سکا۔

ہم اپنے نثری ادب کے اسلوبیاتی پس منظر پر نگاہ ڈالیں تو یہ حقیقت کھُلتی ہے کہ عربی اور فارسی کی نثری اور منظوم کُتب کے ہندوی میں تراجم اور شرحیں، نیز صُوفیانہ رسائلِ نظم و نثر میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کے تراجم و تشریحات، ایک ایسا عظیم دینی اور لسانی (ایک حد تک ادبی) کارنامہ ہے، جس نے ہندوی زبان کو اُس کے ایامِ طفلی میں ہی اسلوبیاتی سطح پر اظہار کے ایسے سانچے فراہم کر دیے جن سے جانکاری کے لیے عالمی سطح پر بیشتر زبانوں کو صدیوں کے تجربات سے گزرنا پڑا ہے۔

موضوعی اعتبار سے بھی ہندوی زبان و ادب نے ایک نئی کروٹ لی۔ اشرف بیابانیؒ کی مثنوی "نوسرہار" کا موضوع واقعۂ کربلا ہے۔ اشرف بیابانیؒ کی اپروچ فلسفیانہ ہے، اور اُن کے Thesis کے مطابق سانحۂ کربلا، بعتِ یزید سے نہیں بلکہ ناکامیٔ عشق کی بنا پر پیش آیا۔ اس اعتبار سے یہ مثنوی، مرثیہ کے عام موضوع سے ہٹ کر تخلیق کی گئی ہے۔ اس مرثیہ نما، "فلسفیانہ مثنوی" سے ایک شعر ملاحظہ کرتے چلیے :

ہمنا بھی اب ووہی باٹ
سب کوں جانا اُوسی گھاٹ

اشرف بیابانیؒ کی مثنوی "لازمی المبتدی" میں دس عنوانات قائم کر کے خالصتاً دینی مسائل کے سلجھاوے پیش کیے گئے ہیں۔ "نوسرہار" میں اشرف بیابانی کی فلسفیانہ رسائی کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ مثنوی

"لازمی المبتدی" محض اپنے عنوان کی وجہ سے نہیں، موضوعی اعتبار سے بھی اور اپنی بنت کی سطح پر بھی مبتدیوں (نومسلموں) کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس مثنوی کے ساتھ اگر شاہ ابوالحسنؒ کی مثنوی "سک انجن" کا تقابلی جائزہ لیا جائے تو "سک انجن" میں شاہ صاحب کا treatment بالکل مختلف ہے جب کہ دونوں مثنویوں میں مبتدیوں سے ہی خطاب ہے۔

"سک انجن" میں دکن کے طفلانہ کھیل "آنکھ مچانی" (آنکھ مچولی) کا طریقہ کار برتا گیا ہے، نیز مثنوی میں شامل حکائتیں اور پہیلیاں (لوک دانش) شامل کر کے تصوف کے رموز کو کھیل ہی کھیل میں سمجھانے کا جتن کیا گیا ہے۔

یہ متنوع موضوعات کے ساتھ مطابقت رکھنے والے طریقہ کار کا تنوّع ہی ہے کہ برہان الدین جانمؒ کی مثنویاں سادہ ہیں لیکن بقول ڈاکٹر عبدالحق "بعض مقامات پر شاعرانہ لطافت بھی پائی جاتی ہے۔"[۵۰]

عام طور پر صوفیانہ منظوم تخلیقات کو ہندوستان کے لوک ادب سے متعارف خیال کیا جاتا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ صوفیا کرام کی سینکڑوں منظوم تخلیقات ایک زمانے سے دکن، گجرات، پنجاب، ملتان اور سندھ کی دیہی آبادیوں میں خواتین کی لوریاں اور غمی و شادی کے گیتوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر "چکی نامہ" اور "چرخہ نامہ" چکی پیستی اور چرخہ کاتتی ہوئی عورت گنگناتی آئی ہے۔ اسی طرح "شادی نامہ" بیاہ شادی کے موقع پر گایا جاتا ہے، "سہاگن نامہ" اور "سہیلا" بیاہتا عورتوں کے گیت ہیں۔

ان شعری اصناف میں برتی گئی امیجری اور پاکیزہ خیالات بھی مقبولیت کا باعث بنے جب کہ مراٹھی اور ہندوستانی کی دیگر بولیوں کے قدیم ادب میں یہ تمام اصناف پہلے سے موجود تھیں لیکن مقبولیت کے اس درجے کو نہ چھو سکیں۔

جہاں تک صوفیا کی شعری تخلیقات میں بحور کے ظاہری جھول اور املا کا معاملہ ہے، اس کا مطالعہ لسانیات کے طالب العلم کی حیثیت سے کرنا پڑے گا، خصوصی طور پر اس زمانے کے ہندوی الفاظ کے تلفظ پر بھی توجہ دینا پڑے گی اور یہ بات بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ پیشِ نظر تخلیقات کے خالق صوفی مبلغ تھے، شاعر یا ادیب نہیں، اور نہ ہی اس کا انہیں دعویٰ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے "تسبیح" "کو تسبی" اور "صحیح" کو "صحی" باندھا ہے لیکن یہ سلسلہ میر تقی میر کے زمانے تک چلا آیا ہے۔ قافیہ کے ورتاوے میں صرف صورت کا خیال رکھا گیا ہے اور صوتی سطح پر بھی آوازوں کے آہنگ میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً "ملک" کا قافیہ "خالق" باندھا

اور برتا گیا ہے۔ یہ اس لیے بھی ہُوا کہ ہندی میں "ک" اور ق کی آواز میں فرق نہیں کیا جاتا۔
اسی طرح عربی بحور کے نظام میں ہندی بحروں کا استعمال عجیب و غریب صورتیں سامنے لاتا ہے اور شعر میں جھول کا باعث بنتا ہے۔ لیکن لفظی تلفّظ کی غلط بندش اور دیگر خامیوں کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ اُس وقت کے ہندوستانی شعرا اور اہلِ علم ہندوی (اُردو) جیسی گری پڑی زبان کے ورتاوے سے اپنی شعری اور علمی تخلیقات کو آلودہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سو لفظ کے صحیح استعمال اور بُنت کے کمال کی سند کہاں سے ملتی؟

صُوفیا کرام کی ان ابتدائی کوششوں میں ادبیت کی حیثیت ثانوی سہی، لیکن انہوں نے برِّ صغیر کے تہذیبی، لسانی اور ادبی مزاج کو ایک نئی کروٹ ضرور دے دی۔
یہ عطا ہے اُن کے باغیانہ لحن کی اور اُس نظر کی جو ظاہر اور باطن دونوں پر یکساں ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

۱ے "کشف المحجوب" مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، چوک گنپت روڈ، لاہور س۔ن

۲ے مطبوعہ: امریکہ، ص ۱

۳ے مشرقی کتب کے علاوہ دیکھیے:

۱۔ 'Sufism' از اے۔ جے آربری، ص ۱۱ تا ۱۴

۲۔ 'Hindu and Muslim Mysticism' از آر۔سی زینر

مطبوعہ: ایتھلون پریس، لندن۔ ۱۹۶۰ء

۳۔ 'Sufi orders' از جے۔ ایس ٹرمینگھم، ص ۱

۴ے مولویہ درویش نہ مجذوب تھے نہ گداگر، البتہ ہمہ وقت تحصیلِ علوم میں مشغول رہتے تھے۔

۵ے دراصل مولویہ درویش ہر نئے سلطان کی کمر سے حضرتِ عمرؓ کی تلوار باندھا کرتے تھے۔ یہ ایک قسم کی رسمِ تاجپوشی تھی جو مزار حضرت ابو ایوب انصاریؒ پر ادا کی جاتی تھی۔ یہ عمل اختلاف کی جڑ تھا۔

۶ے کچھ یہی سبب ہے کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کے جنازے میں سینکڑوں عیسائی بھی شریک تھے۔

۷ے جب سلجوقی حکومت کا خاتمہ چنگیزیوں کے ہاتھوں ہوا تو عثمانی اپنے تازہ دم اسلام کے ساتھ اناطالیہ میں وارد ہوئے۔ یہ نئی طاقت اور قوت امام غزالیؒ (متوفی ۱۱۱۱ء) کی کوششوں کا نتیجہ تھی جو صوفی طریقت اور شریعت کے درمیان تطابق کے لیے کی گئی تھیں۔

۸ے بحوالہ: "اردو شہ پارے" جلد اوّل مرتبہ: سید محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن، ۱۹۲۹ء

۹ے عبداللہ حسینیؒ کے ترجمہ "نشاط العاشقین" کا مخطوطہ زوالِ سرنگاپٹم سے پہلے ٹیپو سلطان کی ذاتی لائبریری میں محفوظ تھا۔

۱۰ے اردو اکیڈمی، حیدرآباد دکن ۱۹۶۶ء

ا؎ بحوالہ: "اُردو شہ پارے" از محی الدین قادری زور، ڈاکٹر - اس ترجمے کا ایک مخطوطہ ۱۷۰۶ء میں آغا حیدر صاحب کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ تھا - اس مخطوطے کے کُل ایک سو اٹھاسی ورق اور ہر ورق میں چھبیس سطریں تھیں۔

۲ا؎ یاد رہے کہ یہ کتاب ۱۹۴۵ء سے قبل ترجمہ ہوئی - اس کتاب کی فہرست ابواب یُوں ہے: پہلے باب میں توبہ، دوسرا باب طریقت کا پہچانت کرنا نفس، دل، رُوح، سرِّ ذات شریعت، حقیقت، معرفت اوپر، تیسرا باب وضو کا، چوتھا باب دینا، ترکِ دُنیا، پانچواں باب تجرید ہور تفرید - چھٹا باب اپنی پہچانت سوں نورِ محمد کا اس پچھانت میں - ساتواں باب عشق کا - آٹھواں باب معشوق - نواں باب فنا ہور بقا ہونے کا - دسواں باب سفر کا۔

۳ا؎ دیکھیے "The Dakani incription on the amin bargah in Bijapur" از پروفیسر ایم - اکبر الدین صدیقی مشمولہ EPIGRAPHIA INDICA ARABIC + PERSIAN SUPPLEMENT مطبوعہ: ۱۹۶۸ء ص ۷۹ تا ۸۱

۴ا؎ "اُردو شہ پارے" میں زور صاحب نے اس کتاب کا نام "کلمات الحق" لکھا ہے، جو درست نہیں - یہ کتاب ۱۵۸۲ء سے قبل تصنیف ہوئی۔

۵ا؎ SUFIS OF BIJAPUR (۱۳۰۰-۱۷۰۰ء) مطبوعہ امریکہ

۱۶؎ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کا یہ رسالہ انجمن ترقی اُردو (ہند) اورنگ آباد دکن نے ڈاکٹر عبدالحق کے مقدمے کے ساتھ ۲۵-۱۹۲۴ء میں شائع کیا تھا - یہ مختصر رسالہ ۱۸×۲۲ کی تقطیع پر ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے - اب اس کتاب کی کئی طباعتیں مل جاتی ہیں جن میں سے خلیق انجم کی مرتب کردہ "معراج العاشقین" اہم ہے۔

۱۷؎ حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق بیجاپوریؒ (متوفی ۱۴۹۶ء) کی یہ کتاب قبل ۱۴۹۳ء کی تصنیف ہے۔

۱۸؎ شاہ برہان الدین جانمؒ خلف میراں جی شمس العشاق بیجاپوریؒ متوفی ۱۵۹۷ء کی یہ کتاب لگ بھگ ۱۵۹۴ء کی تصنیف ہے۔

۱۹؎ ملا وجہی قطب شاہی دربار سے وابستہ رہے تھے - انہوں نے اپنے مربّی عبداللہ قطب شاہ کے

لیے اسے دکھنی (اُردو) میں رقم کیا۔ ڈاکٹر عبدالحق نے اس نایاب کتاب کو مع مقدمہ و فرہنگ انجمن ترقی اُردو ہند سے ۱۹۳۲ء میں شائع کروایا۔

۲۰ے دیکھیے: مقالات حافظ محمود شیرانی جلد اوّل: ص ۲۱۷

۲۱ے روہڑی (سندھ) کے بے بدل فارسی شاعر جنہوں نے مرزا غالب کو بھی متاثر کیا۔

۲۲ے نصیر الدین ہاشمی کے مطابق مُلّا وجہی نے غالباً حضرت وجیہہ الدین گجراتیؒ کے رسالے کو بنیاد بنایا۔
دیکھیے: دکن میں اُردو مطبوعہ: نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۶۳ء۔

۲۳ے دیکھیے: اُردو نظم اور اس کی اصناف، از گیان چند جین مطبوعہ "شب خون" الہ آباد، شمارہ جولائی، اگست ستمبر ۱۹۸۵ء۔ ص ۲۵۔

۲۴ے بھگتی تحریک کے مُسلم شاعر۔ اصل نام کبیر احمد۔

۲۵ے اس پر عروضی بھکاری داس، ڈاکٹر بھولا شنکر ویاس، عروضی بھانو، ڈاکٹر چندر بھان اور ڈاکٹر گیان چند جین متفق ہیں۔

۲۶ے صُوفی شعرا کے علاوہ گیت نگاروں سے متعلق تفصیلات کے لئے دیکھیے: "اُردو گیت"، از ڈاکٹر قیصر جہاں مطبوعہ: دہلی، مارچ ۱۹۷۷ء۔

۲۷ے "درسِ بلاغت" میں شمیم احمد نے بحر کے مشترک ہونے پر اعتراض کیا ہے۔ دیکھیے ص ۱۵۲۔

۲۸ے خواجہ عبدالمجید (مرتب: "جامع اللغات") کے مطابق امیر خسروؒ کا زمانہ ۱۲۵۳ء تا ۱۳۲۵ء تک کا ہے جب کہ رام بابو سیکنہ نے "تاریخ ادب اُردو" میں آپ کی تاریخ ۶۰۵ھ مطابق ۱۲۰۸ء یا ۱۲۰۹ء رقم کی ہے۔ حضرت امیر خسروؒ سے متعلق تاحال سب سے مستند کتاب "امیر خسروؒ" بزبان انگریزی ہے۔

۲۹ے "شکار نامہ" (میر تقی میر) اور "گلزار نسیم" (پنڈت دیا شنکر نسیم) میں غزلیں شامل کی گئیں۔ "خواب و خیال" (نواب مرزا شوق) میں غزلیں، ترجیع بند اور قطعات شامل ہیں جب کہ "کارستانِ اُلفت" (جرأت) میں دوہے شامل کیے گئے۔

۳۰ے دیکھیے: اُردو مرثیے کا ارتقا، بیجاپور اور گولکنڈہ میں، از ڈاکٹر چراغ علی۔ مطبوعہ: حیدرآباد دکن ۱۹۷۳ء۔ ص ۱۹۷ تا ۱۹۸۔

۳۱ ؎ دیکھئے، عروض وقافیہ، از کنہیا لال ماتھر مطبوعہ: آگرہ

۳۲ ؎ مملوکہ: سالار جنگ میوزیم حیدر آباد (دکن) اُردو سیکشن Mss "تصوف واخلاق" نمبر ۳۶-

۳۳ ؎ مملوکہ ادارہ ادبیاتِ اُردو، حیدر آباد (دکن) نمبر: ۹۳ B ، ۱۲۸a- ۱۲۶b

۳۴ ؎ مملوکہ: ادارہ ادبیاتِ اُردو، حیدر آباد (دکن) نمبر ۲b ــــ ۱b

۳۵ ؎ دیکھئے دیباچہ "سکھ انجن" از ڈاکٹر سعیدہ جعفر مطبوعہ حیدر آباد، دکن ص ۶۲

۳۶ ؎ مملوکہ: سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد (دکن) اُردو سیکشن Mss پند ونصائح نمبر ۴

۳۷ ؎ مملوکہ: ادارہ ادبیاتِ اُردو، حیدر آباد (دکن) اُردو سیکشن Mss تصوف واخلاق نمبر ۳۵

۳۸ ؎ مملوکہ، ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد (دکن) اُردو سیکشن نمبر ۱۲۰B

۳۹ ؎ دیکھئے: شاہ امین الدین علی اعلیٰؒ - حیات اور کارنامے، از ڈاکٹر حسینی شاہد مطبوعہ: حیدر آباد دکن، ۱۹۷۳ء - ص ۳۱۱ تا ۳۱۶

۴۰ ؎ مملوکہ: سالار جنگ میوزیم، حیدر آباد (دکن)، اُردو سیکشن Mss پند ونصائح نمبر ۱۴۴، ۵۸ ــــ ۱۸

۴۱ ؎ مملوکہ: درگاہ شاہ امین الدین علی اعلیٰؒ. بیجاپور (دکن)- دو میں سے ایک قلمی نسخہ مکمل حالت میں ہے- قیاس غالب ہے کہ دونوں نسخے شاہ علی پیر حسینیؒ کے مریدوں نے نقل کیے-

۴۲ ؎ دیکھئے: اُردو نظم اور اس کی اصناف، از گیان چند جین مطبوعہ: شب خون الہ آباد، جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۲۰

۴۳ ؎ دیکھئے: آٹھویں اور دسویں ہجری کی فارسی تالیف سے اُردو زبان کے وجود کا ثبوت مشمولہ: مقالات شیرانی، جلد اوّل مطبوعہ، لاہور ۱۹۶۶ء- ص ۷۳

۴۴ ؎ بحوالہ، "اُردو نظم اور اس کی اصناف" از گیان چند جین، مطبوعہ: "شب خون"، الہ آباد جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۸۵ء- ص ۲۰-

۴۵ ؎ بحوالہ: "اُردو نظم اور اس کی اصناف" از گیان چند جین، مطبوعہ: شب خون، الہ آباد، جولائی اگست، ستمبر ۱۹۸۵ء- ص- ۲۰

۴۶ے بحوالہ: "اُردو نظم اور اس کی اصناف" از گیان چند جین، مطبوعہ: "شب خون"، الٰہ آباد۔ جولائی
اگست، ستمبر ۱۹۸۵ء۔ ص ۲۵

۴۷ے دیکھیے 'Sufis of Bijapur' ص ۱۳۸

۴۸ے 'Sufis of Bijapur' ص ۱۳۹ تا ۱۴۱

۴۹ے تحفۂ چشتیہ (۱۰۶۵ھ) از مخدوم علاؤالدین برنائی کے مطابق امیر خسروؒ کے زمانے تک ریختہ کا لفظ صرف موسیقی کی اصطلاح تھی۔ جس کے معنی تھے "کسی ایک تال اور راگ میں ہندی اور فارسی مصرعوں کی ترتیب"۔ خود امیر خسروؒ، سماع کے قائل تھے اور انہوں نے بطور موسیقار بھی جدت پسندی کے ثبوت فراہم کیے۔

۵۰ے بحوالہ: اُردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیا کرام کا کام، از ڈاکٹر عبدالحق۔

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت

۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں

۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں

۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل

۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر

۶۔ وزارتِ قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم

۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے

۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے

۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذِ اُردو

۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات

۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں

۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافت پاکستان

۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو

۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ

۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات

۱۶۔ دفتری زبان اور نصابِ تعلیم

۱۷۔ دفتری اُردو

۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم

۱۹۔ ایران میں وضعِ اصطلاحات کے اصول

۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت

۲۱۔ مجلس زبانِ دفتری پنجاب، ایک تعارف

۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان ۔ آئندہ منصوبے

۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان

۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ

۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں

۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)

۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور عالمی مراکز

۲۸۔ قطر میں اُردو

۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اُردو

۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص

۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان

۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی

۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو

۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں

۳۵۔ کویت میں اُردو

۳۶۔ جاپان میں اردو

۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو

۳۸۔ چترال میں اُردو

۳۹۔ اُردو، گنتی کے چند پہلو

۴۰۔ اُردو کتابت کیلئے چند کارآمد اصول

۴۱۔ اُردو اور صوفی ازم

اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب

سلیم الدین قریشی

مقتدرہ قومی زبان ○ اسلام آباد

۱۹۸۶ء

اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب

پمفلٹ نمبر ۴۲

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۱/۸ ،
اسلام آباد

اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب

سلیم الدین قریشی

مقتدرہ قومی زبان ○ اِسلام آباد

۱۹۸۶ء

عرضِ ناشر

پریس کی ایجاد کا سہرا یورپ کے سر ہے جہاں سے فارسی رسم الخط کی کتابیں ۱۶۴۹ء میں چھپنا شروع ہو گئی تھیں۔ لیکن اردو طباعت کا آغاز اس کے تقریباً سو سال بعد یعنی جنوری ۱۷۴۳ء سے ہوتا ہے۔ یہ پمفلٹ اسی دور کے اوّلین نمونے سے متعلق ہے جس میں مقالہ نگار نے اردو میں چھپنے والی پہلی کتاب کا جائزہ پیش کیا ہے۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا سرچشمہ سرزمین اندلس کی وہ تعلیمی درسگاہیں تھیں جن کے ذریعے اسلامی علوم و فنون یورپ کے دوسرے ممالک میں مروج ہوئے۔ گستاؤلی بان کے بیان کے مطابق یورپ میں پندرھویں صدی تک کسی ایسے مصنف کا حوالہ نہ دیا جاتا تھا جس نے محض عربوں سے نقل نہ کیا ہوا۔ راجر بیکن، پیسا کو لیونارڈ، ویل نوکا آرنو، ریمانڈ لل، سینٹ ٹامس، البرٹ بزرگ، قطیلہ کا الفانس وہم۔ یہ سب یا تو عربوں کے شاگرد تھے یا ان کی تصنیفات کی نقل کرنے والے۔

ان ہی عربوں کی ترجمہ کی ہوئی کتابوں پر علی الخصوص علمی کتابوں پر پانچ چھ صدی تک یورپ کے دارالعلوم کی تعلیم کا دارومدار رہا۔ اس دور میں نہ صرف ابنِ سینا، ابن رشد، الرازی اور دوسرے مسلمان مصنفین کی تصنیفات کے عربی سے لاطینی میں ترجمے کیے گئے بلکہ یورپ کو ارسطو، افلاطون، جالینوس، اقلیدس، آرکی میدس، بطلیموس اور دوسرے یونانی فلسفیوں کی ان کتابوں سے بھی روشناس کرایا گیا جو یورپ میں مفقود ہو چکی تھیں اور جنہیں مسلمانوں نے عربی میں ترجمہ کر کے محفوظ کر لیا تھا۔

بارہویں صدی میں انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم کے استاد Adelard نے جو کافی عرصہ سپین اور شام میں رہ چکا تھا عربی کی متعدد کتابوں کے لاطینی میں ترجمے کر کے نام پیدا کیا۔ اسی طرح Daniel of Morley اور مائیکل سکاٹس نے تیرھویں صدی میں ارسطو کی کتابوں عربی سے لاطینی زبان میں ترجمے کر کے عالمگیر شہرت حاصل کی۔ یہاں پر یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ انگلستان میں متحرک ٹائپ میں چھپنے والی سب سے پہلی کتاب Dictes and Sayengs of the Philosophers جو ولیم کیکسٹن نے ۱۴۷۷ء میں شائع کی تھی دراصل ایک عربی کتاب سے

ترجمہ کی گئی تھی۔ عربی زبان کی کتابوں کے لاطینی اور یورپ کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کے علاوہ یورپ میں عربی زبان سے دلچسپی لینے کی ایک دوسری وجہ یہودیوں اور مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا تھی۔

پندرھویں صدی کے اواخر میں اندلس پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد لاکھوں یہودی اندلس سے بھاگ کر یورپ کے مختلف ممالک میں پناہ گزین ہوئے۔ ڈارلنگٹن کے ایک بیان کے مطابق ان میں سے تقریباً دس ہزار افراد نے اٹلی کے شہر نیپلز میں پناہ لی۔ پچاس ہزار ترکی آکر آباد ہوئے اور تقریباً ۵۰ ہزار یورپ کے دوسرے ممالک میں پھیل گئے۔ ان کی زبان عربی یا عبرانی تھی اور ان میں سے بعض ان زبانوں میں کتابیں چھاپنے کے فن سے بھی واقف تھے یورپ میں عبرانی اور عربی کتابیں چھاپنے کا فن دراصل انہی کی مدد سے مروج ہوا۔ بعد میں یورپ خصوصاً اٹلی کے مذہبی اداروں نے عربی اور عبرانی میں کتابیں چھاپ کر یورپ میں بسنے والے یہودیوں میں عیسائیت کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ یورپ کے تبلیغی اور تعلیمی اداروں کی عربی اور عبرانی زبانوں کے علاوہ اسلامی ممالک کی دوسری زبانوں میں دلچسپی اور ان زبانوں کو عیسائیت کی تبلیغ کے لیے استعمال کرنے کا کام سولھویں صدی کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں عربی کے علاوہ اسلامی ممالک کی جس دوسری زبان کی طرف توجہ دی گئی وہ ایران، افغانستان اور ہندوستان کی مشترکہ سرکاری زبان فارسی تھی۔ یورپ میں فارسی رسم الخط کی ٹائپ کا اولین نمونہ ہیں Joseph Scalgiri کی مشہور کتاب Opus De Emendatione Temporum میں ملتا ہے جو پیرس کے شاہی مطبع نے ۱۵۸۳ء میں شائع کی تھی۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن Raphelenquis نے غالباً ۱۵۹۸ء میں اور تیسرا ایڈیشن Geneva (اٹلی) کے Typis Roverianis نامی مطبع نے ۱۶۲۹ء میں شائع کیا تھا۔ تقریباً ہزار صفحوں پر مشتمل اس کتاب میں جو اپنے دور میں قدیم تاریخ کی ایک مستند کتاب مانی جاتی تھی سامی اور عربی کے علاوہ فارسی زبان کے متعدد الفاظ جیسے "یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ، روز زحل، روز مشتری، روز مریخ روز آفتاب" وغیرہ نسخ ٹائپ میں موجود ہیں۔

سولھویں صدی کے دوران جب پرتگال اور یورپ کی دوسری قوموں نے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر اپنے اڈے قائم کرنے شروع کیے تو ان کو فارسی کے علاوہ ہندوستان کی دوسری زبانوں سے بھی واسطہ پڑنے لگا۔

سب سے پہلے یورپین جنہوں نے ہندوستانی یا اردو زبان کی طرف توجہ دی اور اس کی لغت اور قواعد مرتب کیے وہ پرتگیزی پادری تھے۔ آرنلڈ کیمپ کے ایک بیان کے مطابق اکبر کے دربار سے وابستہ پرتگیزی

مبلغین میں سے ایک مبلغ زیر نیمو شوئٹر نے فارسی کی متعدد کتابیں لکھنے کے علاوہ فارسی زبان کے قواعد اور ایک پرتگیزی اُردو لغت بھی مرتب کی تھی۔ اسی طرح محمد شاہ (۱۷۱۹ء - ۱۷۴۸ء) کے دربار سے وابستہ پرتگیزی پادریوں نے Gramatica Indostana نامی کتاب مرتب کی جو بعد میں روم سے ۱۷۷۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کا ایک دوسرا ایڈیشن لزبن سے ۱۸۰۵ء میں شائع ہوا۔

یورپ میں فارسی رسم الخط کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ ۱۶۳۹ء میں شروع ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود اردو طباعت کا آغاز اس کے تقریباً سو سال بعد یعنی جنوری ۱۷۴۳ء میں شروع ہوتا ہے۔

اس دور کا اولین نمونہ ہمیں Joan Josua Ketelaar کی کتاب

Instructie off Onderwitsinge Der Hindoustanse, En Dersiaanse Telen, Vevens Hare Declinatie En Conjugatie Als Mede Vergeleijkinge Der Hindoustanse Med De Hollandse Maat. En Gewighten Mitsgaders Beduijdingh EE: Nieger Moorse Namen etc.

(ہندوستانی اور فارسی زبان سیکھنے کے لیے ہدایات اور سبق، مغلوں کے مختلف صیغوں کی گردانیں، ہندوستان کے ناپ تول کے پیمانوں سے متعلق الفاظ اور ان کے ولندیزی متبادل اور مسلمانوں کے مختلف ناموں کے معنی) میں ملتا ہے جو (David Mill)Davidis Milli نے

Dissertationes Selectae, Varias Literarum Et Antiquitatis Orientalis Capita

میں Miscellanea Orientalia کے عنوان کے تحت ایک باب (صفحات ۴۵۵-۶۰۱) کی حیثیت سے شامل کر کے جنوری ۱۷۴۳ء میں شائع کی تھی۔ اس باب کے پہلے حصے (صفحات ۴۵۵-۴۸۸) کا عنوان De Lingua Hindustanica ہے اور اس کے صفحہ ۴۵۷ پر مصنف نے ہندوستانی اور دکنی کے مندرجہ ذیل الفاظ اردو ٹائپ میں دیے ہیں۔

ہندوستانی: "ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھی"۔

دکنی: "پیل واں، دوسرواں، تیسرواں، چوتھاواں"۔

مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ اُردو کے دوسرے تمام الفاظ رومن رسم الخط میں ولندیزی زبان کے تلفظ کے مطابق دیے گئے ہیں البتہ فارسی اور عربی الفاظ کے لیے نسخ ٹائپ استعمال کیا گیا ہے۔ کیٹلر نے یہ کتاب ولندیزی (ڈچ) زبان میں قلم بند کی تھی۔ ڈیوڈ مل نے غالباً خود اس کا لاطینی ترجمہ کر کے اسے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں ہندوستانی زبان کی وجہ تسمیہ، ناگری رسم الخط کے حروف ، رومن رسم الخط کے حروف اور رومن رسم الخط میں ان کا تلفظ دیا ہے اس کے بعد ہندوستانی زبان کے قواعد بیان کیے گئے ہیں اور ہر عنوان کے تحت مثالیں دے کر گرامر کے اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

(واحد)	(جمع)
Singularis	Pluralis
(مے نے جانتا)	(ہم نے جانتا)
Mey Ney Dsjanta	Ham Ney Dsjanta
(تو نے جانتا)	(تم نے جانتے)
Toe Ney Dsjanta	Tom Ney Dsjante
(وہے نے جانتا)	(انے نے جانتے)
Whe Ney Dsjanta	Inne Ney Dsjante

کتاب کے اس باب کے دوسرے حصے کا عنوان

Rudimenta Lingua Persicae
Hodierne, Prout in Usu Est in
Hindustania, Aulisque Regum
Mohammedanorum in India

اس حصے کے پہلے باب میں فارسی قواعد کی وضاحت کی گئی ہے۔ اسکے آخری سات صفحات پر فارسی مصادر اور ان کے اُردو متبادل دیے گئے ہیں۔ دوسرے باب میں عربی اور فارسی الفاظ اور ان کے مادوں کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کے ہندوستانی اور لاطینی متبادل بھی دیے گئے ہیں۔ آخری حصے (SECTO II CAP II) میں ہندوستانی الفاظ اور ان کے لاطینی متبادل دیے گئے ہیں۔

اس حصے میں فارسی الفاظ کے جو اُردو متبادل درج ہیں ان میں سے کئی الفاظ تو اب متروک ہو چکے ہیں اور کئی اب تک مروج ہیں۔ اس کے علاوہ کیٹلر نے مثالیں دینے کے لیے اُردو کے جو الفاظ اور فقرے استعمال

کیے ہیں ان میں مراہٹی اور گجراتی کا بھی کافی اثر پایا جاتا ہے۔ مثلاً

فارسی		ہندوستانی
زور	Dzabrab	(زبردستی؟)
انتقام	Kazazah	(قذازہ)
قمیض	Dsjamma Kotri	(دوجامہ کرتی)
بدنامی	Ras-wahi	(رسوائی)
موت/وفات	Mordanje	(مُردنگی)
قمر	Tsijaand	(چاند)
قصاب	Kassey	(قصائی)
قیمت	Tzomne	(تومان)
قمقم	Makta	(مٹکا)
مغرب	'Patsjera	(پچھیرا)
اسم	Naom	(نام)
نقاشی می‌کنم	Me Tsitter Karte	(میں چتر کرتے)
صرفہ می‌کنم	Me Soukari Karte	(میں ساہوکاری کرتے)
می‌فروشم	Me Beeste	(میں بیچتے)
شاد شدم	Me Ghoss Jaa	(میں خوش جا؟)
آب سیاہ	Aansoe	(آنسو)
برطرف کردم	Me Bas Karte	(میں بس کرتے)

اس کتاب کا مصنف جان جوشوا کیٹلر جرمنی کے Elbing نامی شہر میں ۲۵ دسمبر ۱۶۵۹ء کو پیدا ہوا۔ اس کے والد Josua Kettler جلد سازی کا کام کرتے تھے۔ جان نے جوانی میں کچھ عرصہ اپنے والد سے یہ کام سیکھا۔ اس کے بعد JOHANNE Schwechauser نامی ایک دوسرے جلد ساز کی دکان پر ملازمت اختیار کرلی لیکن یہاں پر چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا اور مالک دکان کو زہر دے

کر وہاں سے Dantzig بھاگ گیا۔ وہاں پہنچ کر ایک دوسرے جلد ساز کے ہاں ملازمت شروع کی لیکن یہاں بھی چوری کرتے ہوئے پکڑا گیا ۔۱۶۸۰ء میں Dantzig سے بھاگ کر Stockholm چلا آیا یہاں پر دو سال کے قیام کے بعد ۱۶۸۲ء میں ایمسٹرڈم آیا اور یہاں پر اپنے نام کو جرمن کیٹلر سے ولندیزی ہجوں کے مطابق کیٹلار میں تبدیل کر کے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم ہو گیا۔ مئی ۱۶۸۲ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک جہاز پر ہندوستان آیا اور اس کمپنی کی سورت میں فیکٹری میں کلرک کی حیثیت سے بھرتی ہوا۔ ۱۶۹۶ء میں ترقی کر کے اکاؤنٹنٹ ہوا اور احمد آباد کی فیکٹری میں ڈپٹی کے عہدے پر مقرر ہو کر احمد آباد آیا۔ ۱۷۰۰ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے آگرہ کی فیکٹری کا انچارج مقرر کر دیا۔ ۱۷۰۵ء اور ۱۷۰۸ء کے درمیان کافی خریدنے کے لیے دو مرتبہ سعودی عربیہ کا سفر کیا۔ ۱۷۱۰ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے سورت کی فیکٹری کا ڈائریکٹر مقرر کیا اور ۱۷۱۱ء میں ڈچ حکومت کا ہندوستان میں سفیر مقرر ہوا۔ وہ ۸ر فروری ۱۷۱۱ء کو مغل دربار میں حاضر ہونے کے لیے سورت سے چلا اور ۷ر فروری ۱۷۱۳ء تک شاہ عالم، بہادر شاہ اور جہاندار شاہ کے درباروں سے وابستہ رہا۔ ۱۷۱۵ء میں اسے شاہ ایران کے دربار میں سفیر مقرر کر کے بھیجا گیا۔ کیٹلر نے ۱۲ر مئی ۱۷۱۸ء کو بندر عباس میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

فارسی اور اُردو قواعد کی مذکورہ بالا کتاب اس نے اپنے لکھنؤ کے قیام کے دوران ۱۶۹۸ء میں مکمل کی تھی۔ ہیگ (HAGUE) کے Rijks - Archief رائل آرکائیوز میں اس کتاب کا جو نسخہ موجود ہے وہ کیٹلر کے ہم کار اور دوست Isaacq Vander Hoeve کا نقل کیا ہوا ہے۔ اس کے اختتام پر لکھنؤ ۱۶۹۸ء کے الفاظ درج ہیں۔ اس کتاب کا غالباً یہ واحد مخطوطہ ہے جو دستیاب ہے۔

اُردو طباعت کے اس اولین نمونے کے چند ماہ بعد اپریل ۱۷۴۳ء میں جرمنی کے ایک شہر ہالے سے بنجمن شلز کی ummula Doctrinae in Lingvam Indostanicum یا ہندوستانی زبان میں عیسائی عقائد کا خلاصہ نامی کتاب شائع ہوئی۔ یہی وہ کتاب ہے جسے یورپ میں اُردو رسم الخط میں شائع ہونے والی کتابوں میں سب سے پہلی کتاب ہونے کا شرف حاصل ہے۔

جرمنی میں عربی رسم الخط کی کتابوں کی چھپائی کا آغاز Jocob Christman کی کتاب Alphabetum Arabicum Cum Isagoge Scribendi Legendi Que Arabica سے ہوتا ہے جو Neustadtt کے

Impensis Mathae Starnisch نامی مطبع نے ۱۵۰۵ء میں شائع کی تھی۔ اس کے ایک سال بعد جرمنی کے ایک دوسرے شہر ہائیڈل برگ سے Spey نامی مصنف کی کتاب Epistola Et Galas شائع ہوئی۔ مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں عربی رسم الخط کے لیے جو ٹائپ استعمال کیا گیا تھا وہ بے حد بدوضع اور اٹلی سے شائع ہونے والی کتابوں کے مقابلے میں گھٹیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا سبب یورپ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان باہمی رقابت تھی جس کی وجہ سے جرمنی کے پروٹسٹنٹ مبلغین عربی کی کتابوں کی چھپائی کے لیے اٹلی سے عربی ٹائپ حاصل کرنے میں ایک عرصہ تک ناکام رہے۔

پیرس کے روبرٹ گرینجن کو جو سولہویں صدی میں عربی ٹائپ بنانے کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا پوپ کی طرف سے تاکید کی گئی تھی کہ وہ اپنے تیار کردہ ٹائپ کو کسی بھی حالت میں روم سے باہر نہ جانے دے تاکہ پروٹسٹنٹ مبلغین کو مشرقی ممالک میں جہاں کیتھولک مذہب اس وقت تک پوری طرح قدم نہ جما سکا تھا اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

Spey نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اسی رقابت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہ کتاب جرمنی کے پروٹسٹنٹ حکمرانوں کو یہ یقین دلانے کے لیے لکھی گئی ہے کہ وہ مشرقی ممالک میں کیتھولک مبلغین کا مقابلہ کرنے کے لیے پروٹسٹنٹ مذہب کی تبلیغ کے لیے مشرقی زبانوں میں کتابیں شائع کرنے پر زور دیں انہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مشرقی ممالک میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہماری تعداد بے حد کم ہے۔ اسلام کے پیروکار تو تقریباً دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں جبکہ عیسائیت صرف فلسطین کے کچھ حصہ تک ہی محدود ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم انجیل کے ترجمے مشرقی زبانوں میں شائع کر کے ان ممالک میں تقسیم کریں تاکہ ان لوگوں کو ہمارے مذہب کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہو سکیں۔ ان کتابوں کی چھپائی کے اخراجات پورے کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم عربی اور دوسری مشرقی زبانوں کی کتابوں کو ایشیا اور افریقہ کے ممالک میں برآمد کر کے وہاں کے باشندوں کو فروخت کریں۔ اس طرح ہم نہ صرف اپنے اخراجات پورے کر سکیں گے بلکہ چند برسوں میں ہمیں اس کاروبار سے کافی منافع بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کام ان ممالک میں ہزاروں مبلغین کو جن کو عربی نہ آتی ہو بھیجنے سے بہتر طریقے پر انجام پائے گا۔"

Spey کے اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے سترھویں اور اٹھارویں صدی میں جرمنی میں جو تبلیغی مشن

قائم کیے گئے ان میں سے ایک ہالے (جرمنی) کاڈینش مشن بھی تھا جو ڈنمارک کے بادشاہ فریڈرک چہارم کے ایما پر قائم کیا گیا تھا۔ اس مشن کا ایک مقصد جنوبی ہندوستان میں خصوصاً ٹرانکوبار میں پروٹسٹنٹ مذہب کی تبلیغ کرنا تھا۔ اس مشن کی جنوبی ہند کی شاخ کے اخراجات کی ذمہ داری انگلستان کی ایک تبلیغی جماعت سوسائٹی فار پروموشن آف کرسٹین نالج کے سپرد تھی۔

ڈینش مشن[12] کا پہلا وفد ۱۷۰۶ء میں Zieganbalge کی قیادت میں ٹرانکوبار پہنچا۔ فروری ۱۷۱۹ء میں ذی گن بالگ کی وفات کے بعد اس کی جگہ اسی مشن کے ایک دوسرے مبلغ بنجمن شلز (۱۶۸۹ء-۱۷۶۰ء) نے لی۔ شلز ستمبر ۱۷۱۹ء میں ہندوستان آیا اور ذی گن بالگ کے کام کو جاری رکھتے ہوئے سب سے پہلے اس نے ذی گن بالگ کے تیار کردہ نئے عہد نامے کے تامل ترجمے کو مکمل کر کے ۱۷۲۶ء میں ٹرانکوبار سے شائع کیا۔ شلز نے ۱۷۲۷ء میں نئے عہد نامے اور ۱۷۳۲ء میں پرانے عہد نامے کا تیلگو میں ترجمہ کرنے کے علاوہ عیسائیت کی مشہور دعا لارڈز پریئر (Lords Prayer) کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا تھا لیکن وہ مذکورہ بالا تینوں کتابیں شائع کرنے میں ناکام رہا۔ شلز کی ان کتابوں کے شائع نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ اس کے شائع کردہ بائبل کے تامل ترجمے پر نقادوں اور دوسرے مبلغین کے وہ اعتراضات تھے جن کا تذکرہ کرتے ہوئے ہوپر[13] hooper نے لکھا ہے۔

Benjamin Schultze Had Shown Little Literary Judgement and Had No Hesitation in Issuing Raw and Practically Worthless Translation in Teluque and Hindustani as well as his Tamil work.

شلز ۱۷۴۲ء کے آخر تک ہندوستان رہا اور اس دوران اس نے تامل، تیلگو اور گجراتی زبانوں کے علاوہ ہندوستانی زبان بھی سیکھی۔ شلز زیادہ عرصہ ٹرانکوبار اور مدراس کے گرد و نواح میں رہا تھا اور اس نے ہندوستانی زبان ایک تامل پنڈت سے سیکھی تھی یہی وجہ ہے کہ شلز نے اپنی کتابوں میں اس دور کی ادبی اردو کی بجائے دکن میں بولی جانے والی عوام کی زبان استعمال کی ہے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اکبر اور جہانگیر کے دور میں آنے والے عیسائی مشنری فارسی کے ذریعے ہندوستان کے پڑھے لکھے طبقے میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے

میں ناکام رہے تھے اور بعد میں آنے والے مبلغین نے اپنی توجہ اپنے دور کی ادبی زبانوں کی بجائے نسبتاً کم پڑھے لکھے عوام کی زبانوں کی طرف کر دی تھی۔

شلز غالباً ۱۷۴۳ء کے اوائل میں واپس ہالے (جرمنی) آیا اور اپریل ۱۷۴۳ء میں اس نے اپنی اُردو مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا جو اس کے فوت ہونے سے دو سال پہلے یعنی ۱۷۵۸ء تک جاری رہا۔ شلز کی بیشتر تصنیفات کو ڈینش مشن کے ڈائرکٹر کالنبرگ نے ایڈٹ کر کے شائع کیا تھا۔ اس سلسلے کی سب سے پہلی کتاب Summula Doctrinae Christianae ہے جسے شلز نے لاطینی سے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا تھا اور کالنبرگ نے اسے ہالے (جرمنی) کے Typographia Instituti Judaici سے اپریل ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔ کتاب کا سرورق اور ابتدائی دو صفحات پر مشتمل کالنبرگ کا مقدمہ لاطینی زبان میں ہے اور کتاب کے بقیہ ۱۲ صفحات اُردو ٹائپ میں ہیں۔

مقدمے میں کالنبرگ نے اس کتاب کے اغراض و مقاصد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے[۱۴]

"ہندوستانی زبان کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ زبان ہندوستان یعنی مغل سلطنت میں بولی جاتی ہے۔ یہ اس علاقے کی مخصوص زبان ہے البتہ اس میں عربی اور شاید اس ملک کے گرد و نواح میں بسنے والی دوسری قوموں کی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ یہ عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور اس میں فارسی اور ترکی زبان کے وہ حروف جو عربی زبان میں نہیں ہیں شامل کر دیے گئے ہیں۔

کچھ عرصہ ہوا کیتھولک مبلغین اس زبان کے بولنے والے لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دینے کے لیے ہندوستان آئے تھے لیکن جہاں تک میرے علم میں ہے پروٹسٹنٹ مشنریوں نے یہاں ابھی تک اصل عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔

کیتھولک مبلغین پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا مجھے علم ہے لیکن یہ اعتراضات میرے ان کی تعریف کرنے میں مانع نہیں ہو سکتے کیونکہ میں نیک کام کی تعریف کرنا جائز سمجھتا ہوں اور اس معاملہ میں مجھے جان البرٹ فیبرکس کے قول سے مکمل اتفاق ہے جس نے لکھا ہے کہ "انسان ہر شخص میں نقص نہیں نکال سکتا۔" اور نہ ہی اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے بے شمار لوگوں نے اپنی سمجھ کے مطابق اور نیک ارادوں کے ساتھ ان لوگوں کو عیسائیت کی دعوت دینے کے لیے بے شمار مصائب اور تکالیف کا سامنا کیا یہاں تک کہ اس مقصد کے لیے اپنا خون تک بہایا۔ میں بغیر کسی تامل کے ان کی تمام قربانیوں کا معترف ہوں اور ان کے لیے

تعریف اور محبت کے احساسات رکھتا ہوں۔ میرے لیے یہ چیز بھی قابلِ تعریف ہے کہ انہوں نے کافروں کو عیسائی عقائد کی کتابوں کے ذریعے تعلیم دینے کے لیے محنت کی اور اب ان کتابوں کی تعداد میں اضافے کی ضرورت بڑھتی جا رہی ہے۔

میں اپنے راہبر کی خوشی میں برابر کا شریک ہوں اور یہ بات میرے لیے ہمیشہ باعثِ تسکین ہوگی کہ حضرت عیسیٰ کا نام جو ہمارے آباؤ اجداد نے دینِ انسانی کے مبلغین کی پیروی میں بھلا دیا تھا اب ان کی کوششوں سے بے شمار لوگوں تک پہنچ جائے گا۔

میں نے یہ بات اس لیے لکھی ہے کہ یہ مثال ہماری تبلیغی جماعتوں کے طالب علموں اور اساتذہ کے لیے مفید ثابت ہو۔ میں اس کتابچے کے متعلق جواب شائع کر رہا ہوں تفصیل سے اس وقت لکھوں گا جب یہ کتاب مکمل ہو جائے گی۔ خدا حافظ! دعا کیجیے کہ ہمارا یہ کام بہت سے لوگوں کے لیے مفید ثابت ہو۔

(ہالے۔ ۲۹ر اپریل ۱۷۴۳ء)

کتاب کا آغاز اللہ کے دس فرمودات کے عنوان سے ہوتا ہے اس کے تحت پرانے عہد نامے Ten Commandments کا ترجمہ اور اس کی تشریح کی گئی ہے۔ اس کے بعد "اعتبار یکا دعا اٹیچ خاوند کی داتکی حاضری اٹیچ، خاوند کی بندگی اٹیچ، دو بیکا مذکور اٹیچ، کھانا کھانے کی ان کی فاتحہ دینے کی دعا اٹیچ، کھانی سوپچھی بولینکا دعا اٹیچ، فجر کا دعا اٹیچ، روتکا دعا اٹیچ" کے عنوانات کے تحت عیسائیت کی مختلف دعاؤں کے تراجم دیے گئے ہیں۔ ترجمہ کرتے وقت قدیم دکنی الفاظ کے علاوہ بعض الفاظ کا املا صوتی دیا ہے۔ مثلاً

عصا (غصہ) واستے (واسطے) اولیادانکوں (اولادوں کو) کافلیکے (قافلے کے) مخابل (مقابل) الیترانکی (اس طرح کی) بووری (برے) سانچی (سچے) کوچ (کچھ) داویدار (دعویدار)

اسی طرح بعض الفاظ آج کل کے مروجہ الفاظ سے کافی مختلف ملتے ہیں مثلاً۔

خاوند (خداوند) شاہدی (شہادت) دیوان (درمیان) مقرر (اقرار) اروح (ارواح) گورنشات (غورنشیں) شکور (شکر) خوردک (خوراک) شیرا (شربت) بد (یاد)

شلزنے مذکورہ بالا کتاب کی چھپائی کے لیے جو ٹائپ استعمال کیا ہے وہ نسبتاً بڑے حروف کا ہے ۱۷۴۳ء کے بعد چھپنے والی دوسری تمام کتابوں کے لیے جو ٹائپ استعمال کیا گیا وہ پہلی کتاب کی نسبت چھوٹا ہے۔ ان میں ٹ، ڈ، ڑ کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ ٹ کو ت اور بعض جگہ تت لکھا ہے۔ اسی طرح ڈ کو د اور ڑ کو

رکر دیا گیا ہے۔ ہمزہ (ء) تشدید (ّ) اور بعض جگہ پیش (ُ) کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔

۱۷۴۳ء میں اپنی پہلی اُردو کتاب شائع کرنے کے بعد شلز کا ارادہ پرانے عہد نامے کے ترجمے کو مکمل کرنے کا تھا لیکن یہ کام داؤد کے گیت The Book of Psalms کے ترجمے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کے بعد شلز نے اپنی پوری توجہ نئے عہد نامے کے ترجمے کی طرف کر دی۔ نئے عہد نامے کے مختلف حصوں کے ترجمے ہالے کے مذکورہ بالا پریس سے ۱۷۴۹ء اور ۱۷۵۸ء کے درمیان شائع ہوئے ۱۷۵۸ء میں جب نئے عہد نامے کے تمام حصوں کا ترجمہ مکمل ہو کر شائع ہو گیا تو ان تمام مطبوعات کو ایک نئے سرورق، عنوان اور دیباچے کے ساتھ یکجا کر کے جلد بندی کر دی گئی۔

انجیل کے ترجموں کے علاوہ شلز کی دو اور کتابیں بھی ہیں ان میں سے پہلی اللہ کے لائق ہے سو ایمان کی تعلیم کا کتاب اُپچ ہے جو ۱۷۴۴ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا موازنہ کیا گیا ہے اور عیسائی عقائد کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ شلز کی دوسری کتاب Grammatica Hindostanica ہے جو ۱۷۴۵ء میں شائع ہوئی۔ شلز کی ان تمام اردو مطبوعات کی فہرست جو اب لندن کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہے درج ذیل ہے۔

1. Summula Doctrine Christiane in Lingvam Indostanicum. Translata a Viro Plur Reverendo Benj. Schultzio, Evangelico in India Missionario. Edidit D.Jo.Henr.Callenberg. Halae, in Typographia 212 17cm.

۲ ۔ اللہ کے لائق ہے سو ایمان کی تعلیم کا کتاب اُپچ۔ ۲ رہالے، ۱۷۴۴ ۔ ۱۲۰۰ا صفحات ۔ ۱۷ سی ایم

3. Grammatica Hindostanica. Collectis in Diuturna Inter Hindostanos Commoratione in Justum Ordinum Redactis ac Larga Exemorum Luce Persusis Regulis Constans Et Missionariorum Consecrata. Viri Plur Reverendi Schulzii, Missionarii Evangelici. Edidit Et De Suscipenda Barbararum Linguarum Cultura Praefatus Est D.Jo.Henr Callenberg, Theol,Et Philos. Prof.Publ.Ord.Halae Saxonum, in Typographia Instituti Judaici, 1745. 84p.24x17cm.

شلز نے اس مقدمے میں کیٹلر کی گرامر سے جو لائیڈن سے ۱۷۴۳ء میں شائع ہوئی تھی استفادہ کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں ناگری رسم الخط کے حروف اور ان کے رومن متبادل بھی اس نے کیٹلر کی کتاب سے ہی لیے ہیں لیکن مقدمہ کے آخر میں شلز نے جو تاریخ دی ہے وہ ۳۰ جون ۱۷۴۱ء ہے جو صحیح نہیں ہو سکتی۔ شلز نے کیٹلر کو ڈنمارک کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا مغلِ اعظم کے دربار میں سفیر قرار دیا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے وہ دراصل ڈچ حکومت کے سفیر اور سورت میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر رہ چکا تھا۔

شلز کی مذکورہ بالا گرامر کا ایک انگریزی ترجمہ مخطوطے کی صورت میں انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے جس کا اُردو ترجمہ ابواللیث صدیقی نے ہندوستانی گرامر کے عنوان سے ۱۹۷۷ء میں لاہور سے شائع کیا تھا۔ انگریزی ترجمہ شلز کی گرامر کے کسی ناقص نسخے سے کیا گیا ہے اس لیے متن کے کچھ حصے نامکمل ہیں اور دوسروں میں عبارت کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔

4. Psalterium Davidis in Linguam Indostanicum. Translatum A Viro Plur Reverendo Benj. Schultzio, Evangelico in India Missionario. Edidit Et Praedatus Est D. Jo. Henr. Callenbergius, Theol and Phil. Prof. Publ Ord. Halae in Typographia Orientali Instituti Judaic and Muhammadici, 1747 414p 17cm.

یہ پرانے عہد نامے کے ایک جزء The Book of Psalms کا ترجمہ ہے۔

5. Orientalisch Und- Occidentalischer Sprachmeister. (Compiled by) Johann Friedrich Fritz, 1748.

اس کتاب میں عیسائیت کی مشہور دعا Lord Prayer کا دنیا کی سو زبانوں میں ترجمہ دکنی ترجمہ شلز کا ہے جو اس سے قبل Summula Doctrinae اور شلز کی گرامر میں شائع ہو چکا ہے۔ اس

ترجمے کے ساتھ شلز نے ہندوستانی زبان اور اس کے قواعد کے متعلق ایک مختصر سا دیباچہ بھی دیا ہے جو لاطینی زبان میں ہے۔

6. Act a Apostolorum in Linguam Indostanicum. Translatum a Viro Plur Reverendo Benjam Schultizio Halae, 1749. 192 p. 17 cm.

لاطینی سرورق کے بعد اس کا ایک اردو سرورق بھی ہے جس پر اس کتاب کا عنوان "یشوعا کے مات سوں بیٹھ خاص ہوا سو کا میدان چلائی سو حقیقتکا کیتاب اٹیچ" ہے۔ یہ عنوان بلاک سے چھاپا گیا ہے۔

7. Pauli Apostoli. Epistola Ad Romanos in Linguam Indostanicum Translatum a viro Plur Reverendo Benjam Schultzio...Halae, 1749 80p. 17cm.

اس کے اردو سرورق کا عنوان قاصد ہیسو لپولوس رومین والیانکوں لیکھو بھیجی سو کاغذ اٹیچ

8. Pauli Apostoli. Prior Epistola Ad Corinthios in Linguam Indostanicum Halae, 1749 78p.17cm

قاصد ہیسو لپولوس کورنتوس والیان کو لیکھو بھیجی سو پہلیکا کاغذ اٹیچ۔

9. Pauli Apostoli. Posterior Epistola Ad Corinthios in Linguam Ilvdostanicum... Halae, 1749 50p. 17 cm.

قاصد ہیسو لپولوس کورنتوس والیان کو لیکھو بھیجی سو دوسرا کاغذ اٹیچ۔

10. Pauli Apostoli. Epistola Ad Ephesios in Linguam Indostanicum. Halae, 1749 24 p. 17 cm.

قاصد ہیسو لپولوس ایفیسوس والیان کوں لیکھو بھیجی سو کاغذ اٹیچ

11. Pauli Apostoli. Epistola Ad Galatas in Linguam Indostanicum. Halae, 1749 22p. 17cm.

قاصد ہیسو لپولس غلاطیا والیان کو لیکھو بھیجی سو کاغذ اٹیچ

Pauli Apostoli. Epistola Ad Philippenses in Linguam Indostanicum. Halae, 1749" 20p. 17cm.

قاصد ہیسو فیلیپیکی شہر والیانکوں لیکھو بھیجی سو کاغذ اٹیچ

13. Puli Apostoli. Epistola Ad Colossenses in Linguam Indostanicum. Halae, 1750. 18p. 17cm.

قاصد ہیسو لپولس کولسا کے شہر والیانکوں لیکھو بھیجی سو کاغذ اٹیچ

14. Evangelium Lucae in Linguam Indostanicum. Halae, 1749. 202 P. 17cm.

اس کے اردو سرورق پر اس کتاب کا عنوان لوکا (ادہ) سکا انجیل اٹیچ (لوقا کی انجیل) ہے۔

15. Puli Apostoli. Prior Epistola Ad Thessaloniconeses in Linguam Indostanicum. Halae, 1750 18p. 17cm.

قاصد ہیسو لپولس تسلونیا کے شہر والیانکوں لیکھو بھیجی سو پہلیا کاغذ اٹیچ

16. Puli Apostoli. Posterior Epistola Ad Thessalonicenses in Linguam Indostanicum. Halae, 1750. pp. 20-30 17 cm.

قاصد ہیسو لپولس تسلونیا کے شہر والیانکوں لیکھو بھیجی سو دوسرا کاغذ اٹیچ

17. Pauli Apostoli. Prior Epistola Ad Timotheum in Linguam Indostanicum. Halae, 1750. 22p. 17cm

قاصد ہیسو لپولس تیمون تاادسکوں لیکھو بھیجی سو پہلیا کاغذ اٹیچ

18. Puli Apostoli. Posterior Epistola Ad Timotheum in Linguam Indostanicum. Halae, 1750. pp. 25-38. 17cm.

قاصد ہیسو لپولس تیمون تاادسکوں لیکھو بھیجی سو دوسرا کاغذ اٹیچ

19. Puli Apostoli. Epistola Ad Titum in Linguam Indostanicum, Halae, 1750. 12 p. 17cm.

قاصد ہیسو پولوس ٹیٹوسکوں لکھو بھیجی سو کاغذ ایچ

20. Puli Apostoli. Epistola Ad Philemonem Indcnice.. Halae, 1750. 4p. 17cm.

قاصد ہیسو پولوس فیلیمونکوں لکھو بھیجی سو کاغذ ایچ

21. Epistola Jocobi in Linguam Indostanicum. Halae, 1750 20p. 17cm.

قاصد ہیسو یعقوب ساریانکوں بھی لکھو بھیجی سو کاغذ ایچ

اس کتاب کا ایک ہی سرورق ہے پہلے اُردو عنوان دیا گیا ہے اور اس کے تحت لاطینی عنوان۔ اُردو عنوان کے پہلے دو لفظ اور آخری پانچ الفاظ ٹائپ سے چھاپے گئے ہیں بقیہ باقی عبارت ملاک ہے۔

22. Apostoli Perti. Apistola Prima in Linguam Indostanicum, Halae, 1750 pp. 23-42 17cm.

قاصد ہیسو پیطروس ساریانکوں بھی لکھو بھیجی سو کاغذ ایچ

یہ اور اس کے بعد درج کی گئی ۲۲ سے ۲۸ کتابوں کا ایک ہی سرورق ہے پہلے اُردو عنوان دیا گیا ہے اور اس کے تحت لاطینی عنوان ہے۔

23. Apostoli Perti. Epistola Secunda in Linguam Indostanicum. Halae, 1750, pp. 40-56. 17cm.

قاصد ہیسو پیطرس ساریانکوں بھی لکھو بھیجی سو دوسرا کاغذ ایچ

24. Johannis Apostoli. Epistola Prima in Linguam Indostanicum. Halae, 1750. pp. 59 - 60 17 cm.

قاصد ہیں یوحنس ساریانکوں بھی لکھو بھیجی سو پہلیکا کاغذ ایچ

25. Johannis Apostoli. Epistoli. Epistola in Linguam Indostanicum. Jalae, 1750 pp 79-84 17 cm.

قاصد ہیں یوحنس ساریانکوں بھی لکھو بھیجی سو دوسرا کاغذ ایچ

26. Judae Appstoli.Epistola in Linguam Indostanicum Halae, 1750.pp 87-92

قاصد ہیں یہودس سا ریانکوں بھی لیکھو بھیجی سو کا غذ اٹیچ

27. Puli Apostoli. Epistola Ad Hebreca Halae, 1750 54 p. 17cm.

پولوس ہیبر یا کے ذات والے لیکھو بھیجی سو کا غذ اٹیچ

28. Evangelium Mathaei in Linguam Indostanicum. Halae, 1751. 160 p. 17 cm

اس کے اُردو سرورق پر اس کا عنوان میتھے اد نکا انجیل (متی کی انجیل) ہے

29. Johannis Evangelium. Halae, 1758. 144 p. 17 cm

اُردو سرورق پر اس کا عنوان یوحنا انجیل اٹیچ (یوحنا کی انجیل) ہے۔

30. Johannis Apocalypsis in Linguam Indostanicum. Halae, 1758. 92 p. 17 cm.

قاصد بیسو یوحنوں و ہییا سو دیدار اٹیچ

اس کا ایک ہی سرورق ہے ۔ پہلے اُردو عنوان دیا گیا ہے اور اس کے بعد لاطینی

31. Marchi Evangelium in Linguam Indostanicum Halae, 1758. 110 p. 17 cm.

اُردو سرورق پر اس کا عنوان مرکوس کا انجیل اٹیچ (مرقس کی انجیل) ہے

32. Novum Jesus Christi Testamentum in Linguam Indostanicum. Translatum A Viro Plur Revependo Benjum. Schultzio, Evangelica in India Missionario. Edidit D. Jo. Henr. Gallenbergius, Theol. Et. Phil, Prof. Pub. Ord. Halae, in Typographia Orientali, Instituti Judaici, 1758.

لاطینی سرورق کے بعد اس کا ایک دوسرا سرورق اُردو میں ہے جس پر اس کا عنوان "اللہ بھی آدمی بھی یسوع مسیحا کے اوپر ہیکھنا ہوا سونوا قولکا لیناب انجیل" درج ہے۔ کتاب کے پہلے سولہ صفحات پر کالنبرگ کا لاطینی مقدمہ ہے جس میں شلز کو نئے عہد نامے کا اُردو ترجمہ مکمل کرنے پر مبارکباد دی گئی ہے اور عیسائی تبلیغی جماعتوں کو ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے اس ترجمے سے استفادہ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مقدمے کے بعد ۱۷۴۹ء اور جون ۱۷۵۸ء، ۱۷۷۰ء نئے عہد نامے کی جو کتابیں شائع کی گئی تھیں ان سب کو یکجا کرکے جلد بندی کر دی گئی ہے۔

حوالہ جات

۱- اسی موضوع پر اور اسی عنوان سے سید معین الدین شاہ صاحب کا ایک مضمون "اُردو" روزنامہ کراچی شمارہ ۳۶، اپریل تا جون ۱۹۷۵ء، صفحات ۵ تا ۱۶ شائع ہوا تھا۔ راقم نے اس مضمون سے استفادہ کیا ہے۔

۱- بان، گستاولی۔ تمدن عرب ترجمہ سید علی بلگرامی ۔

2. Darlington, C.D. The Evolution of Man and Society. London, 1969. pp.459-466.

3. Camp, A. Persian works of Jerome Xavier. Islamic Culture. Vol.35, No.3, pp.166 176.

۴- قریشی سلیم الدین۔ فارسی کی پہلی مطبوعہ کتاب۔ ماہنامہ کتاب۔ جلد نومبر ۱۹۸۵ء ایضاً

۵- کیمپ نے لندن یونیورسٹی کے سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز کے کتب خانے میں موجود ایک مخطوطے کے متعلق جس کا عنوان

Vocabularium Portugalico Hindustano Persicum

ہے شبہ ظاہر کیا ہے کہ شاید یہ وہی نسخہ ہو جو شوریر نے تصنیف کیا تھا۔ راقم نے یہ نسخہ دیکھا ہے اس پر اس قسم کی کوئی ایسی تحریر نہیں جس سے حتمی طور پر یہ ثابت ہو سکے کہ یہ نسخہ واقعی شوریر کا تصنیف کردہ ہے۔

۶- قریشی سلیم الدین۔ ایضاً

7. Vogel, J.P. De Eerste Grammatica Van Het Hindoestansch in Mededeelingen Der Nederlandsche Akademie Van Wetenschappen,

Afdeeling Letterkunde. Nieuwe Reeks, Deel 4, No.15. Also Published As a Monograph by Uitgave Van De, Amsterdam in 1941. An Abridged English Version was Published in Bulletin of the School of Oriental and African Studies, University of London. Vol. 8, 1935 37. pp.818 822 In the Above Article Vogel Has Translated the Title of This Work As: Instruction or Tution in the Hindustani and Persian Languages, Besides their Declension and Conjugation, Together with a comparison of the Hindustani with the Dutch Weights and Measures, like wise the significance of Sundry Moorish Names etc. By Joan Josua Ketelaar, Elbingenseem and Copied by Issac Van Der Hoeve of Utrecht. At Lucknow, A.1698.

8 9 Ibid.

10. Embassy of Johan Jouua Ketelaar, Ambassador to the Great Moghuls Shah Alam, Bahadur Shah and Jahandar Shah. Translated from the Dutch by Mrs.D.Kuenen - Wicksteed. in. Journal of the Punjab Historical, Society. Vo.X., Part 1. 1929.pp.1 94.

11. Vervliet, Hendrik, Cyrillic and Oriental Typography in Rome at the end of the 16th, Century, Barkeley, 1981. pp.27 29.

12. Notices of Madras and Cuddalore in the Last Century, From the Journals of the Earliest Missionaries, B.Schultze etc. London, 1858.

13. Hooper, S.M. The Bible in India. London, 1938.p.51.

یہ کتاب سب سے پہلے تیلگو زبان میں لکھی گئی تھی بعد میں اس کے لاطینی اور انگریزی ترجمے ہوئے۔

۱۴. اُردو ترجمہ از لاطینی

(بشکریہ ماہنامہ کتاب لاہور اپریل ۸۶ء)

ضمیمہ الف



SUMMULA
DOCTRINÆ
CHRISTIANÆ
IN
LINGVAM INDOSTANICAM
TRANSLATA
A
VIRO PLUR. REVERENDO
BENJ. SCHULZIO
EVANGELICO IN INDIA
MISSIONARIO.

EDIDIT
D. JO. HENR. CALLENBERG.

HALÆ
In Typographia Instituti Judaici
MDCCXLIII.

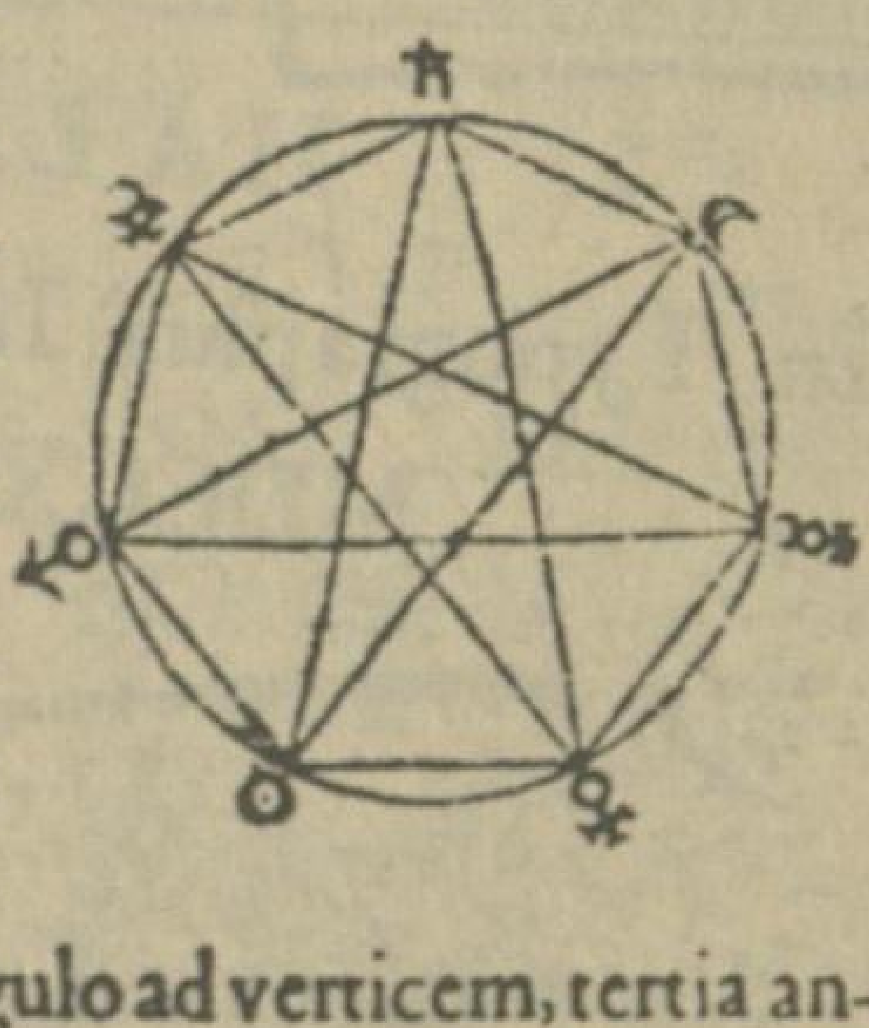
اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب کا سرِ ورق جو ہالے سے اپریل ۱۷۴۳ء میں شائع ہوئی ۔

ضمیمہ ب

DIES HEBDOMADIS PERSICÆ			ALITER PERSICE.	A
יכשנבה	يكشنبه	ا	1	Ruz iache
דושנבה	دوشنبه	ب	2	Ruz duiemi
סהשנבה	سهشنبه	ج	3	Ruz ſiumi
גהרשנבה	جهرشنبه	د	4	Ruz tzcharmi
בנג שנבה	پنج شنبه	ه	5	Ruz pengemin
אדינה	آدينه	و	6	Ruz ſcheſmin
שנבה	شنبه	ز	7	Ruz haphthemi.

TVRCICÆ HEBDOMADIS DIES.		SECVNDVM PLANETAS.			
גמעה	جمع	רוז זחל	روز زحل	♄	
גמעה ארתסי	جمع ارتسي	רוז משתרי	روز مشتري	♃	
בזר כוה	بزر كوه	רוז מריח	روز مريخ	♂	C
בזר ארתסי	بزر ارتسي	רוז אפתאב	روز افتاب	☉	
צלי	صلي	רוז זהר	روز زهره	♀	
גהר שנבה	جهر شنبه	רוז עטארד	روز عطارد	☿	
בנג שנבה	بنج شنبه	רוז מה	روز مه	☽	

Cur autem dies cognomines Planetarum non ſequuntur ordinem & ſitum ſiderum, quorum cognomines ſunt, vt ſcilicet poſt diem Saturni non ſequatur dies Iouis, ſed dies Solis, hæc cauſſa eſt. Septem Planetæ per circulum ſecundum ordinem ſuum diſpoſitæ, æquabili interuallo conſtituunt ſeptem Triangula iſoſcele ad peripheriā, quorum baſes ſunt latera Heptagoni circulo inſcripti, vt habes in circulo propoſito, ad cuius peripheriam ſeptem errantes ſunt ſecundum ſeriē ſuam ſitæ, conſtituentes triangula iſoſcele ♄♀♃. ♃☿♂. ♂☽☉. ☉♄♀. ♀♃☿. ☿♂☽. ☽☉♄. In quibus Triangulis dexter angulus ad baſim eſt prima ſtella Trianguli, ſecunda in angulo ad verticem, tertia angulus ſiniſter ad baſim : ita vt omnis ſtella anguli dextri habeat oppoſitam



D

ٹاپ سے فارسی رسم الخط کی چھپائی کا ایک قدیم نمونہ ۔ یہ کتاب ۱۵۸۲ء میں پیرس سے شائع ہوئی تھی ۔

بھی دنیان می بھوت روز رھانیکون
بھی تیری مان باپ کون باپرواکر ∴
خون نکو کر ∴ حرام نکو کر ∴
چوری نکو کر ∴ ھمسایکی اوپر
جھوٹی شاھدی نکو دول ∴ ھمسایکی
کھر کون آس نکو کر ∴ ھمسایکی
عورت کون بھی اوسکی چاکر کون
بھی اوسکی باندی کون بھی کائی
کون بھی کھدھی کون بھی اوسنی
ھی سو سب کون بھی حرص نکو کر ∴
ای بس فرمودیکی اوپر اللہ کہی
سی کیا کھتی ∴ مہیں تمانرا خاوند
ھون سو اللہ غصا کرنیکا ھی خدا
ھوکی باپ دادی کی سو کتنا
ھانکی واسطی * کون دشمنی کرتی
سو اونوکی اولیادانکون تین چھار
پیری لکی سزا دیتاھون ∴ ھویسی
منجی اشنائی کرنی ھاریانکون بھی
میرا

میرا فرمود ھات کرنی ھاریانکون
بھی ھزار پیری لکی مھربانی کرتاھون ۞
اعتباریکا دعا ایج ۞
باپ ھین سو ایکی اللہ کی اوپر اعتبار
کرتاھون ای اپسی قدرت سون اسمان
کون بھی زمین کون بھی پیدا کی
ھین ۞ ب اونکا ایکی فرزند ھین سو
ھمانرا خاوند ایشوعا مسیحا کی اوپر اعتقاد
لاتاھون ای روح قدیش سون حمل کرتا
ھوکی انبھائی مریمکی پیٹ می
تولد ھوکی پلسیاوس پیلاطوسکی
نیچی عذاب پاکی دو پایکی اوپر
مانرا ھوکی مرجاکی قبرمی رکھنا
ھوکی نیچی کون اوترکی جاکی
تیسری روزمی مرکیسی اوٹھی می سون
اوتکی اسمان پوچرکی قدرت سون ھی
سو باپ خدا کی سیدھی طرف می
ھی وھان سون جیونی ھاریانکون
بھی

اُردو کی پہلی مطبوعہ کتاب کے صفحہ نمبر ۲ اور ۳ کا عکس

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱- اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت

۲- سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں

۳- اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں

۴- مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل

۵- مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر

۶- وزارتِ قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم

۷- اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے

۸- مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے

۹- آزاد کشمیر میں نفاذ اُردو

۱۰- وضع و استنادِ اصطلاحات

۱۱- قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں

۱۲- تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان

۱۳- بلوچستان میں نفاذِ اُردو

۱۴- قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ

۱۵- قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات

۱۶- دفتری زبان اور نصاب تعلیم

۱۷- دفتری اُردو

۱۸- برطانیہ میں اُردو کی تعلیم

۱۹- ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول

۲۰- اُردو کی وسعت اور جامعیت

۲۱- مجلس زبان دفتری پنجاب، ایک تعا

۲۲- مقتدرہ قومی زبان - آئندہ منصوب

۲۳- پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان

۲۴- ہندسے اور ان کی تاریخ

۲۵- قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں

۲۶- قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو

۲۷- مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور

۲۸- قطر میں اُردو

۲۹- اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذ اُردو

۳۰- قومی زبان اور ہمارا قومی تشخ

۳۱- اُردو بحیثیت قومی زبان

۳۲- اُردو ٹائپ کی کہانی

۳۳- متحدہ عرب امارات میں اُرد

۳۴- مقتدرہ کے سیمیناروں کی قرار

۳۵- کویت میں اُردو

۳۶- جاپان میں اردو

۳۷- جامعہ کراچی میں اردو

۳۸- چترال میں اُردو

۳۹- اُردو، گنتی کے چند پہلو

۴۰- اُردو کتابت کیلئے چند کارآمد اصول

۴۱- اُردو اور صوفی ازم

۴۲- اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب

تُرکی میں اُردو

کرنل مسعود اختر شیخ

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

ترکی میں اردو

پمفلٹ نمبر ۴۳

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۸/۱ ،
اسلام آباد

تُرکی میں اُردو

کرنل مسعود اختر شیخ

مقتدرہ قومی زبان، اِسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ترکی زبان اور اُردو میں نہ صرف تیس سے چالیس فی صد الفاظ مشترک ہیں بلکہ دونوں زبانوں کے محاورے، ضرب الامثال، تشبیہیں، استعارے اور جملوں کی بناوٹ بھی حیران کن حد تک ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے لیکن ان سب حقائق کے باوجود ترکی میں اردو جاننے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے یہاں اس وقت کل ستائیس یونیورسٹیاں ہیں ان میں سے صرف دو میں اردو زبان کی تعلیم دی جاتی ہے اور یہ سلسلہ جاری ہوئے بھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اس وقت پورے ترکی میں مقیم چند سو پاکستانی اور اردو داں ہندوستانی باشندوں کے علاوہ اردو زبان جاننے والوں کی تعداد چار پانچ سو سے زیادہ نہیں ہوگی یہی وجہ ہے کہ آج تک اُردو سے ترکی میں ترجمہ کی جانے والی کتابوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اب تک اردو سے ترکی میں ترجمہ کا جو کام بھی ہوا ہے وہ مرحوم پروفیسر علی نہاد تارلان (ALI NIHAT TARLAN) یا پروفیسر علی گنیجلی (ALI GENCELI) جیسے فارسی داں حضرات نے کیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے علامہ اقبال کے فارسی کلام سے ترکوں کو روشناس کرانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے یا پھر ڈاکٹر احمد اسرار جیسے گنے چنے ترکی داں پاکستانی ہیں جنھوں نے بعض اُردو کے شہ پاروں کو ترکی زبان میں ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور اب تک مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن، سیرت النبی اور علامہ اقبال کے چیدہ چیدہ اردو کلام کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں گزشتہ چند برسوں سے اس صورتِ حال کو مزید بہتر بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں جس کا جائزہ اور ترکی میں اردو کی تعلیم کی موجودہ صورتِ حال کا ایک اجمالی سا خاکہ پیشِ خدمت ہیں

ترکی میں اردو تعلیم کی موجودہ صورت حال

ترکی میں اردو کی تعلیم انقرہ یونیورسٹی، استنبول یونیورسٹی اور انقرہ میں پاکستان سفارت خانہ کے ہائی سکول میں دی جاتی ہے۔ انقرہ یونیورسٹی کے تاریخ، جغرافیہ اور لسانیات کے شعبے میں اردو زبان کی تعلیم پہلی بار ۱۹۵۶ء میں شروع کی گئی چند وجوہات کی بنا پر یہ سلسلہ تین سال بعد ہی یعنی ۱۹۵۹ء میں بند کرنا پڑا۔ ۱۹۶۳ء میں اُردو کی تعلیم دوبارہ شروع کی گئی اور اس وقت سے اب تک نہ صرف جاری ہے بلکہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ استنبول یونیورسٹی میں ۱۹۸۲ء سے اُردو پڑھائی جا

رہی ہے۔ ان دونوں یونیورسٹیوں میں طلبا وطالبات ترک ہیں جب کہ انقرہ میں پاکستان کے ہائی سکول میں اردو پڑھنے والے تمام طلبا پاکستانی ہیں۔

ترکی میں یونیورسٹی کی تعلیم میٹرک کے بعد چار سال ہے انقرہ اور استنبول یونیورسٹی میں ڈگری کی سطح تک تعلیم حاصل کرنے والے طلبا اردو بطور اختیاری مضمون پڑھ سکتے ہیں ان طلبا کو سال اوّل سے شروع کر کے چار سال اردو کی تعلیم دی جاتی ہے اگر شروع شروع میں اردو پڑھنے والے طلبا کی تعداد بہت کم تھی لیکن گزشتہ چند سال سے اس میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ آج کل ہر سال شعبۂ اردو میں پچیس سے تیس طالب علم لیے جاتے ہیں گویا یونیورسٹی میں ایک وقت میں ایک سو کے لگ بھگ اردو کے طلبا زیرِ تعلیم ہوتے ہیں ہر سال طلبا کی صحیح تعداد کا فیصلہ ترکی کی اعلیٰ تعلیمی کونسل کرتی ہے۔ اردو پڑھنے والے طالب علموں کی تعداد میں حالیہ اضافے کی ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض بینک مستحق ترک طلبا کو تعلیم کے لیے قرضِ حسنہ فراہم کرتے ہیں اس کے لیے متعلقہ طلبا کے لیے لازمی ہوتا ہے کہ ان کی ہفتہ بھر کی حاضریاں ایک مقررہ تعداد سے کم نہ ہوں یہ شرط پوری کرنے کے لیے ایسے طلبا کو اکثر دو غیر ملکی زبانیں بطور اختیاری مضمون پڑھنا پڑتی ہیں ان زبانوں کا انتخاب کرتے ہوتے طلبا اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ انہیں ایک سے زیادہ رسم الخط سیکھنے کی زحمت نہ کرنا پڑے یاد رہے ترکی زبان کا اپنا رسم الخط لاطینی ہے چنانچہ طلبا کی اکثریت ایسی زبانوں کو ترجیح دیتی ہے جن کا رسم الخط لاطینی ہے اگر انہیں لاطینی رسم الخط کی زبانوں میں داخلہ نہ ملے، یا وہ کسی اور وجہ سے دوسری زبانوں کی طرف مائل ہوں تو اردو، فارسی اور عربی کی باری آجاتی ہے گزشتہ چند برسوں سے ترکی کے عرب ممالک سے تعلقات میں پختگی آرہی ہے لین دین تجارت اور عوام کی آمدورفت میں بے حد اضافہ ہوا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو عربی زبان کی افادیت کا احساس ہوگیا ہے چنانچہ عربی پڑھنے والے طلبا کی تعداد خاصی بڑھ گئی ہے عربی پڑھنے والے طالب علم اکثر اردو پڑھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں کیوں اس سے انھیں صرف ایک فالتو رسم الخط سیکھنا پڑتا ہے اگر وہ عربی کے ساتھ ہندی، بنگالی یا سنسکرت وغیرہ لیں تو ظاہر ہے انہیں دو فالتو رسم الخط سیکھنا پڑیں گے۔

ڈگری کی سطح تک اردو پڑھانے کے علاوہ اردو زبان میں ایم۔اے کرنے کی سہولت بھی دونوں یونیورسٹیوں میں موجود ہے اگرچہ ایم اے کرنے والے طالب علم تعداد میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔

ڈگری کورس میں طلبا کو الف، ب کے قاعدے سے شروع کر کے پہلے سال اردو کی پہلی کتاب، دوسرے سال اردو کی دوسری کتاب، تیسرے اور چوتھے سال بالترتیب اردو کی تیسری اور چوتھی کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ چار سال میں اردو کی سو تک گنتی اور کچھ اردو گرامر بھی پڑھائی جاتی ہے بعض اوقات اُستاد اور طلبا کی ہمت کے مطابق اُردو کی پانچویں اور چھٹی کتاب بھی اسی دوران میں ختم کردی جاتی ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یونیورسٹی

ے ڈگری کا امتحان پاس کر چکنے کے بعد اردو پڑھنے والے طلبا کا معیار کیا ہو سکتا ہے

یونیورسٹی میں دوسرے تمام مضامین کی طرح اردو کے لیے بھی ذریعۂ تعلیم ترکی زبان ہی ہے اردو پڑھنے والے طلبا انگریزی سے نابلد ہوتے ہیں ادھر اردو پڑھانے والے پاکستانی اساتذہ ترکی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں چنانچہ طرفین کو تعلیم و تدریس میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے پاکستانی اساتذہ اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے پر مجبور ہوتے ہیں جس سے کم از کم سال اوّل اور دوم کے طلبا کافی الجھن میں پڑے رہتے ہیں۔ البتہ تیسرے اور چوتھے سال میں وہ پاکستانی اساتذہ کی اردو سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک پاکستان سفارت خانہ کے ہائی سکول کا تعلق ہے۔ وہاں پاکستانی طلبا اور طالبات کے لیے تمام کلاسوں میں اردو لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے سکول میں غیر پاکستانی طلبا بھی زیر تعلیم ہوتے ہیں لیکن ان میں سے کبھی کسی نے اردو پڑھنے کی خواہش نہیں کی اور نہ ہی ایسے طلبا کو اردو پڑھانے کا بندوبست ہے اگرچہ سکول میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے لیکن اردو کے علاوہ اسلامیات بھی اردو ہی کے ذریعہ پڑھائی جاتی ہے البتہ میٹرک کے طلبا کو اسلامیات بھی انگریزی میں پڑھائی جاتی ہے کیونکہ بعض غیر پاکستانی طلبا (مثلاً عرب ممالک کے بچے) اسلامیات پڑھتے ہیں اور وہ اردو سے واقف نہیں ہوتے۔ سکول میں اکثر تحریری اور تقریری مقابلوں کا بندوبست کیا جاتا ہے جن کے ذریعے بچوں میں اردو کی قابلیت بڑھانے میں خاصی مدد ملتی ہے

استنبول یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے نگران ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ہیں جنہوں نے کچھ ہی عرصہ قبل اورینٹل کالج لاہور سے استنبول پہنچ کر یہ ذمہ داری سنبھالی ہے۔ اِن کے علاوہ اردو پڑھانے کے لیے شعبۂ اردو میں اور کوئی پاکستانی یا ترک استاد موجود نہیں ہے اس یونیورسٹی میں اساتذہ کی صورتِ حال ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے۔

انقرہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے نگران ڈاکٹر عبادت بریلوی ہیں انھیں اس کام میں تین ترک اساتذہ مدد دے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک (ڈاکٹر شوکت بولو) اورینٹل کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہیں جب کہ دوسرے دونوں ترک اساتذہ انقرہ یونیورسٹی ہی میں اردو کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ دونوں دونوں یونیورسٹیوں کے پاکستانی اساتذہ حکومتِ پاکستان کی طرف سے ایک معیّنہ مُدت کے لئے ترکی بھیجے جاتے ہیں جب کہ ترک اساتذہ یونیورسٹی کے مستقل عملہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ پاکستانی سفارت خانہ کے ہائی سکول میں اردو کی اُستانی دوسری استانیوں کی طرح عارضی ہوتی ہے

ترکی میں اردو تعلیم اور اردو زبان کی ترویج کے بنیادی مسائل

غیر ممالک میں کسی زبان کی تعلیم و ترویج کے لیے ضروری عناصر مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ طلبا (ان کے لیے کسی زبان کی افادیت، تشویق کے لیے محرکات اور طلبا کی تعداد)

۲۔ اساتذہ (زبان پڑھانے کی اہلیت، ذریعۂ تعلیم سے واقفیت اور اساتذہ کی تعداد)

۳۔ تعلیمی مواد (کتابیں، اخبار، رسائل، ڈکشنریاں، ٹیپ، کیسٹ وغیرہ)

مندرجہ بالا عناصر کا ترکی میں اردو زبان کی تعلیم و ترویج کے حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو کئی بنیادی مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے۔

طلبا کا مسئلہ

موجودہ حالات میں ترک طلبا کے لیے اردو زبان کی افادیت دوسری زبانوں کی نسبت بہت کم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خود ہمارے ملک میں یونیورسٹی کی سطح پر علم و فن کے تمام شعبوں میں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے اُردو نہیں ہے۔ چنانچہ جو ترک پاکستان میں پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ اردو کا ایک لفظ سیکھے بغیر یہاں سے متعلقہ پیشہ کی ڈگری یا ڈپلومہ لے کر فارغ التحصیل ہو سکتے ہیں اس کے لیے انہیں انگریزی سیکھنے کی ضرورت ہے نہ کہ اُردو۔ اِس وقت ہمارے ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں ترک طلبا کی تعداد پچیس کے لگ بھگ ہے لیکن ان میں سے ایک طالب علم بھی یہاں اُردو پڑھنے نہیں آیا حالانکہ پیشہ ورانہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے علاوہ ان طلبا میں کئی ایسے طالب علم بھی ہیں جو محض عربی اور انگریزی پڑھنے پاکستان آتے ہوئے ہیں۔ یہی صورتِ حال ہر سال جاری رہتی ہے

کسی ترک طالب علم کے لیے اُردو پڑھنے کا ایک اور محرک یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ترکی میں اُردو پڑھانے کے قابل ہو جائے اور یوں اپنے آپ کو تعلیم و تدریس کے پیشے سے منسلک کر لے۔ لیکن اگر وہاں بھی صورتِ حال یہی رہی جو آج کل ہے یعنی محض دو یونیورسٹیوں میں اردو پڑھائی جاتی رہی تو کتنے ترک اس شعبے سے وابستہ ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے پانچ سات سے زیادہ اساتذہ کی ضرورت نہیں ہو گی اِن گنے چنے طلبا کے علاوہ یہاں سے اُردو کی ڈگری حاصل کرنے والے ترک کاروبارِ حیات کے کس شعبے سے روزی کمائیں گے

کسی زمانے میں ترک طالب علم اردو زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اورینٹل کالج، لاہور آیا کرتے تھے۔ خیال تھا کہ یہاں چار سال اردو پڑھتے اور پاکستانی ماحول میں زندگی گزارنے کے بعد یہ لوگ ترکی میں اردو

پڑھانے کے قابل ہوجائیں گے یہ سلسلہ کچھ ہی عرصہ چلا پھر بوجوہ بند ہوگیا بعض ترک طالب علم تو کورس کے دوران ہی وطن واپس لوٹ گئے راقم الحروف نے ان طلبا سے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ انھیں پاکستان میں قیام کے دوران کئی مشکلات درپیش تھیں جن کی وجہ سے انھیں دوران تعلیم ہی اردو پڑھنے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ ان لوگوں کا ایک بڑا مسئلہ مناسب رہائش کی عدم موجودگی تھا۔ ہوسٹل کے کھانوں کی ناقابل برداشت مرچیں انھیں اپنی خوراک کا علیحدہ بندوبست کرنے پر مجبور کرتی تھیں۔ علیحدہ خوراک اور علیحدہ رہائش کے اخراجات طلبا کو ملنے والے وظیفہ کی رقم سے پورے نہ ہوتے تھے۔ ادھر ذریعہ تعلیم بذات خود ایک بہت بڑا مسئلہ تھا طلبا نہ اردو سمجھتے تھے اور نہ انگریزی اور اساتذہ کو ترکی نہیں آتی تھی رسم الخط کے فرق نے اُردو سیکھنے کی راہ میں اور زیادہ روڑے اٹکائے کیونکہ آج کی ترک نسل کے ذہن میں عربی رسم الخط کے خلاف بے پناہ تعصب جاگزیں ہوچکا ہے اِسے وہ لوگ ESKI TURKCE یعنی پرانا ترکی رسم الخط کہتے ہیں جو ۱۹۲۸ء میں ترکی زبان کے لیے ممنوع قرار دے دیا گیا تھا

ترک طلبا کی اردو زبان میں غیر دلچسپی کا ایک اہم سبب ترکوں کو اردو پڑھانے میں خود ہماری دلچسپی کا فقدان بھی ہے پاکستان بننے کے بعد تقریباً پچیس سال تک ترکی میں اُردو پڑھانے کا کوئی بندوبست نہ تھا اس دوران میں صرف تین سال کے لیے انقرہ یونیورسٹی میں اردو کی کلاسیں شروع کی گئیں لیکن طلبا کی کمی اور تعلیم و تدریس کی لسانی دشواریوں کے باعث یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ بعد ازاں انقرہ اور استنبول یونیورسٹیوں میں اردو کے باقاعدہ شعبے قائم ہونے کے باوجود پاکستانی اساتذہ کے تعین اور تعلیماتی مواد کی فراہمی کے معاملے میں ہماری طرف سے خاطر خواہ اقدام نہیں کیے گئے

تعلیمی مواد کا مسئلہ

کسی بھی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اس زبان کی بنیادی کتابیں لازمی ہوتی ہیں۔ لیکن ترکوں کو اُردو پڑھانے کے لیے خصوصی طور پر لکھی گئی کتاب موجود ہے نہ قاعدہ۔ اس وقت انقرہ اور استنبول یونیورسٹی میں پاکستانی بچوں کے لیے لکھے گئے ابتدائی قاعدے اور عام درسی کتابیں استعمال کی جاتی ہیں۔

ترکی میں یونیورسٹیوں کے اردو طلبا کو کورس کی کتابیں مہیا کرنے کا کوئی خاطر خواہ بندوبست نہیں ہے ظاہر ہے یہ کتابیں مقامی طور پر تو دستیاب ہوتی نہیں پاکستان سے منگوانی پڑتی ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کئی طالب علم کتابوں کے بغیر گزارہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں

تعلیمی مواد کے سلسلے میں اردو کے ترک طلبا جس اہم مسئلے سے اس وقت دوچار ہیں وہ ہے لغات کا مسئلہ۔

قیام پاکستان کے بعد پہلی ترکی اردو لغت مارچ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔ اردو ترکی لغت ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ پہلی ترکی اردو لغت جناب ڈاکٹر محمد صابر نے تیار کی تھی۔ اور لائبریری پروموشن کراچی نے شائع کی تھی۔ اس کی تیاری میں ترقی اردو بورڈ نے معاونت کی تھی (ڈاکٹر محمد صابر آج کل کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامی تاریخ میں پروفیسر ہیں) اب تک اس لغت کی صرف ایک کاپی انقرہ یونیورسٹی میں ڈاکٹر محمد صابر ہی کی وساطت سے پہنچ سکی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں اور کوئی ڈکشنری دستیاب نہیں ہے۔ یہ لغت اب بازار میں بھی نہیں ملتی۔ اور اب اس میں اضافوں کی بھی ضرورت ہے کیوں کہ ترکی زبان نہایت تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے آج سے دس سال پہلے کی لغت بھی تیس سے چالیس فی صد بیکار ہو چکی ہے بیس سال پہلے کی زبان تو بالکل ہی مختلف تھی

ایک اور ترکی اُردو لغت جو جناب ظفر حسن ایبک کی سولہ سالہ عرق ریزی کا نتیجہ ہے ابھی تک شائع نہیں ہو سکی۔ جناب ایبک پاکستان کے قیام سے سالہا سال پہلے ہجرت کر کے ترکی چلے گئے تھے۔ اور اب ترک شہریت حاصل کر کے وہیں قیام پذیر ہیں انھوں نے ترکی میں اردو ادب اور پاکستان کی نہایت قابلِ قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ مذکورہ لغت بھی ان کی ذاتی کاوش ہے لیکن مالی مشکلات کے پیش نظر ان کے لیے اسے شائع کروانا بعید از امکان ہے۔ وزارتِ تعلیم اس سلسلے میں تعاون کر رہی ہے۔ اگر یہ لغت بھی شائع ہو گئی تو اردو زبان کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔

ترکی۔ اردو اور اردو۔ ترکی لغت کا دستیاب نہ ہونا ترکی میں اردو کی تعلیم کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے طلبا استاد کی مدد کے بغیر ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتے اس سے ان میں عدم اعتماد اور بددلی پیدا ہوتی ہے تھوڑی بہت انگریزی جاننے والے طلبا اردو۔ انگلش اور انگلش۔ اردو لغت سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن تیسری زبان کے ذریعہ معنی معلوم کرتے کرتے اکثر اوقات صحیح مفہوم غتر بود ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس کا طلبا کے معیار اور کارکردگی پر برا اثر پڑتا ہے۔

ترکی میں درسی کتب اور لغات کے علاوہ عام اردو کتابوں کی کمی بھی بُری طرح محسوس کی جاتی ہے یونیورسٹیوں کے اردو شعبوں میں ایسی کتابوں کی تعداد نہایت محدود ہے

یونیورسٹیوں میں اردو اخبارات اور رسائل اہم کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن ترکی میں ان کے مہیا کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اگر کوئی سرکاری اخبار یا رسالہ وصول ہوتا بھی ہے تو باقاعدگی سے نہیں ہوتا پرانے اردو اخبارات سفارت خانہ میں جمع کرنے کی بجائے دونوں یونیورسٹیوں کے اردو شعبوں کو باقاعدگی سے روانہ کیے جا سکتے

ہیں پاکستان میں انجمن ترقی اُردو اور اسی قسم کے دوسرے ادارے اپنے رسائل کی چند کاپیاں انقرہ اور استنبول یونیورسٹی کو باقاعدگی سے بھیج دیا کریں تو اساتذہ اور طلبا دونوں ان سے مستفید ہو سکیں گے

ریڈیو انقرہ کی اردو نشریات

ریڈیو انقرہ ہر روز آدھ گھنٹے کا اردو پروگرام نشر کرتا ہے اس پروگرام میں خبریں، تبصرے اور موسیقی نشر کی جاتی ہے۔ کسی زمانہ میں اردو نشریات کا شعبہ جناب فضل قادر حلو کمان کی زیرِ نگرانی کام کرتا تھا۔ جو پشاور کے رہنے والے تھے لیکن پہلی عالمگیر جنگ کے دوران ترکی جا کر وہاں کی شہریت حاصل کر کے وہیں آباد ہو گئے تھے اب یہ پروگرام عموماً انقرہ میں مقیم پاکستانی طلبا یا انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے طلبا چلاتے ہیں پاکستان سفارت خانہ وقتاً فوقتاً اپنے اردو بلٹن انقرہ ریڈیو سٹیشن کو مہیا کرتا ہے جو انھیں اردو نشریات میں شامل کر لیتے ہیں

پاکستانی ادب سے ترک قارئین کو روشناس کرانے کی کوشش

زبان کی تمام مشکلات کے باوجود، ترک قارئین کو پاکستانی ادب اور بالخصوص علامہ محمد اقبال سے روشناس کرانے کی نہایت قابلِ قدر سعی کی گئی ہے ڈاکٹر محمد حنیف فوقؔ نے "اقبال ممدوح عالم" میں اشارہ کیا ہے کہ شبلی کی کتابوں کے کئی ترکی میں ترجمے ہو چکے ہیں علامہ اقبال پر ترکی میں بہت کام ہو چکا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے اگرچہ ان کے شیدائیوں میں سب سے سرگرم کارکن پروفیسر علی نہاد تارلان اور پروفیسر علی گنیجلی چند سال پیشتر اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں

یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جہاں تک علامہ اقبال کی کتابوں کے ترجمہ کا تعلق ہے اس میں سے بہت کم ایسی ہیں۔ جو براہِ راست اردو سے ترکی میں ترجمہ کی گئیں۔ اکثریت دوسری غیر ملکی زبانوں کے ذریعہ ترکی میں ترجمہ ہوئیں۔ یا پھر اقبال کا فارسی کلام براہِ راست فارسی سے ترکی میں ترجمہ ہوا۔

مرحوم پروفیسر علی نہاد تارلان اردو نہیں جانتے تھے لیکن ان کی اقبال سے شیفتگی بے پناہ تھی راقم الحروف کو اس کا احساس اس وقت ہوا جب ۱۹۶۶ء میں پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر محمد علی (مرحوم) ترکی کے دورے پر استنبول گئے اور راقم الحروف کو پروفیسر علی نہاد تارلان اور پروفیسر محمد علی کے ساتھ بطور ترجمان کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ پروفیسر تارلان علم کے بحرِ بیکراں تھے اور اقبال کے بارے میں ان کا علم حقیقتاً قابلِ قدر تھا وہ اقبال کو ترکی میں روشناس کرانے والی گنی چنی ہستیوں میں نہایت برگزیدہ

مقام رکھتے ہیں انھوں نے نہ صرف اقبال کے چیدہ چیدہ کلام کا ترکی میں ترجمہ کیا بلکہ ان کی حیات، شعری خصوصیات اور فلسفہ پر بھی سیر حاصل تبصرے لکھے۔ وہ کہتے ہیں:

"پاکستان کے عظیم ملی شاعر اقبال کو ترکی کے روشن خیال طبقہ میں روشناس کرنا میری زندگی کے گنے چنے مظاہر میں سے ایک ہے۔"

حکومت پاکستان نے ڈاکٹر تارلان مرحوم کو ۱۹۶۰ء میں ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں "ستارۂ پاکستان" سے نوازا تھا

پروفیسر علی نہاد تارلان کے ترکی تراجم کی تفصیل مختصراً یوں ہے

۱. اسرارِ خودی کا ترجمہ "ESRAR VE RUMUZ" کے عنوان سے ۱۹۵۶ء میں ینی لک باسم ایوی، استنبول نے شائع کیا۔

۲. رموزِ بے خودی کا ترجمہ پہلے ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا بعد میں کچھ اضافوں کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں بدر یاین ایوی، استنبول نے شائع کیا

۳. ضربِ کلیم سے منتخب اشعار استنبول مطبع سی نے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا

۴. ارمغانِ حجاز سے منتخب اشعار کا ترجمہ بھی استنبول مطبع سی نے ۱۹۶۸ء میں شائع کیا۔

۵. پیام مشرق کے بعض منتخب حصوں کا ترجمہ پہلے ۱۹۵۶ء میں "SARKTANHABER" کے عنوان سے انقرہ سے شائع ہوا بعد میں ۱۹۶۳ء میں احمد سعید مطبع سی، استنبول نے شائع کیا۔

۶. گلشن رازِ جدید کا ترجمہ ۱۹۵۹ء میں کاروان مطبع سی، استنبول سے شائع ہوا۔

۷. زبورِ عجم کے منتخب حصوں کا ترجمہ احمد سعید مطبع سی، استنبول سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔

۸. پیام مشرق اور زبورِ عجم دونوں کے منتخب حصوں کا ترجمہ "IKBALDAN SIIRLER" کے عنوان سے ۱۹۷۱ء میں ترکیہ اش بانکاسی، کلتر یاین لار کے سلسلے میں شائع ہوا۔

علامہ اقبال کے متعلق لکھنے والے ترک ادیبوں میں پروفیسر علی گنیجلی مرحوم کا بھی بہت بلند مقام ہے۔ ترکی میں سب سے زیادہ اقبال کا منظوم ترجمہ انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے علاوہ ازیں انھوں نے اقبال پر ترکی میں بے شمار مضامین بھی لکھے ہیں جو بلند پایہ اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ پروفیسر مرحوم کئی بار پاکستان بھی آئے اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں ترکی کے استاد رہے وہ اردو زبان سے واقف تھے اور اکثر براہِ راست

اردو سے ترکی میں ترجمہ کرتے تھے انھیں اقبال سے اور علامہ کے کلام سے والہانہ عشق تھا۔ انقرہ کی سماجی زندگی کی روحِ رواں ہوا کرتے تھے۔ ان محفلوں میں ان کے منہ سے اقبال کا اردو، فارسی کلام اور پھر اُسی کا ترکی سُننا ایک ناقابلِ فراموش تجربہ تھا۔ سفارتِ پاکستان انقرہ کے ماہنامہ "پاکستان پوستاسی" میں اکثر پروفیسر علی گینجلی کا کلام اور ترجمہ شائع ہوتا تھا وہ اقبال کو دنیا کے عظیم شاعروں کی صفِ اوّل میں شمار کرتے تھے۔

پروفیسر علی گینجلی کے تراجم کی مختصر تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱. اسرارِ خودی اور پیامِ مشرق کے اکثر حصّوں کا منظوم ترجمہ۔

۲. رموزِ بے خودی کے کچھ حصّوں کا منظوم ترجمہ۔

۳. مثنوی مسافر کا مکمل منظوم ترجمہ

۴. بانگِ درا کے منتخب حصّوں کا منظوم ترجمہ (خصوصاً شکوہ اور جوابِ شکوہ کا ترکی ترجمہ خاصا مقبول ہوا ہے)۔

۵. بالِ جبریل کے منتخب اشعار کا منظوم ترجمہ۔

۶. زبورِ عجم کے چند حصّوں کا منظوم ترجمہ۔

۷. پس چہ باید کرد کے بعض حصّوں کا منظوم اور بعض کا منثور ترجمہ۔

۸. طلوعِ اسلام اور خضرِ راہ کے ترجمے۔

مرحوم نے مولانا مودودی کی بہت سی اردو کتابوں کا بھی ترکی میں ترجمہ کیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالقادر قراحان (KARAHAN) جنھیں پاکستان اور علامہ اقبال سے والہانہ لگاؤ ہے اور جو کئی مرتبہ پاکستان تشریف لا چکے ہیں علامہ کی تصانیف سے منتخب حصّوں کا ترکی میں ترجمہ کر چکے ہیں ان کی کتاب دوکتور محمد اقبالن اثرلیرندین سیچمے لیر (DOKTOR MOHAMMAD IKBAL'IN ESERLERINDEN SECMELER) ۱۹۷۴ء میں ترکی جمہوریت کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر استنبول گینج لِک باسم ایوی نے سینٹو کی جانب سے شائع کی تھی اس میں شامل ترجموں میں اسرارِ خودی۔ رموزِ بے خودی۔ پیامِ مشرق۔ زبورِ عجم۔ جاوید نامہ۔ پس چہ باید کرد۔ مسافر۔ بانگِ درا۔ بالِ جبریل۔ ضربِ کلیم اور ارمغانِ حجاز کے مختصر پارے شامل ہیں۔ اصل متن کے اردو، فارسی اور انگریزی میں شامل کر دینے سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

ترکی میں اقبالیات کے سلسلے کا ایک مفید کتابچہ " رومی اور اقبال " کے عنوان سے پاکستان سفارت کی جانب سے " مادرن ترکیہ باسم ایوی ، انقرہ نے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا تھا۔ اس کتابچے میں اُس وقت کے پاکستانی سفیر میاں بشیر احمد کی ، انقرہ یونیورسٹی کے تاریخ وجغرافیہ کے شعبے کے جلسوں کی تقریریں شامل ہیں۔ بعض مضامین مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا روم کی حیات اور پاکستان کے ملی شاعر محمد اقبال پر اس کی تاثیر (۱۹۵۰)

۲۔ اقبال کی حیات و فکر (دسمبر ۱۹۵۰ء)

۳۔ رومی و اقبال ، اور اقبال کا پیغام (اپریل ۱۹۵۱ء)

اسی طرح کا ایک اور کتابچہ " ترکیہ دے دوکتور محمد اقبال (TURKIYEDE DOKTOR MOHAMMAD IKBAL) ۱۹۶۲ء میں مرلار مطبع سی ، استنبول سے شائع کیا گیا تھا۔ یہ کتابچہ مختصر ہونے کے باوجود اقبال ترکی اور پاکستان کے بارے میں کافی معلومات فراہم کرتا ہے اس میں ڈاکٹر علی نہاد تارلان ، پروفیسر فاخر ایز۔ کمال ادیب کرکچو اوعلو۔ کاظم اسمٰعیل گرگان ، ڈاکٹر ترک کایا عطااوو ظفر حسن ایبک ، ڈاکٹر محمد صابر اور مرحوم شریف الحسن کے مضامین اور نظمیں شامل ہیں

اردو زبان اور ادبیات کے متعلق ایک مختصر لیکن نہایت مفید کتاب صلاح الدین ساوجی (SAVCI) کی " پاک دل وے ادبیات " (پاکستان کی زبان اور ادبیات) ہے جو فاتح مطبع سی ، استنبول نے ۱۹۶۶ء میں شائع کی تھی اس کتاب میں اردو زبان کی نشوونما ، اردو اور پاکستان ، پاکستان کے مصنفوں اور شاعروں کے بارے میں معلومات شامل ہیں۔ کتاب کا سب سے طویل حصہ علامہ اقبال سے متعلق ہے جس میں ان کے منتخب ترجمے پیش کیے گئے ہیں۔

اقبال کے جاوید نامہ کا ترکی میں ترجمہ سنان ادعلو ، حمدی وار او علو اور فریدون تیمور نے الگ الگ کیا ہے۔ لیکن جاوید نامہ کی سب سے اہم شرح اور ترجمہ ڈاکٹر این میری شمل (ANNE MARIE SHIMMEL) نے کیا ہے۔ جو کئی دیگر زبانوں کے علاوہ اردو ، فارسی اور ترکی پر مکمل عبور رکھتی ہیں وہ ایک عرصہ انقرہ یونیورسٹی کے الٰہیات کے شعبہ میں استاد رہی ہیں " جاوید نامہ کے نام سے اُن کی یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں ترک تاریخ قرومو باسم ایوی نے شائع کی تھی یہ کتاب ترکی میں اقبال کی تفہیم کیلیے نہایت کارآمد ثابت ہوتی ہے جاوید نامہ کی شرح جس عالمانہ انداز میں لکھی گئی ہے اس نے ترکی میں اقبال کی فکر کے بہت سے گوشوں کو روشن کر دیا ہے۔

اقبال کے سلسلے میں ترکی میں مضمون لکھنے والے پاکستانیوں میں جناب شریف الحسن، ڈاکٹر محمد صابر، ڈاکٹر تنویر واسطی جناب ظفر حسن ایبک (جو اب ترک شہری ہیں) اور ڈاکٹر احمد اسرار قابل ذکر ہیں۔ جناب شریف الحسن چند سال پہلے وفات پا گئے تھے۔ مقام افسوس ہے کہ اُن کی تحریریں اور کلام کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا انھوں نے اُردو اور ترکی زبان پر نہایت قابلِ قدر کام کیا تھا لیکن اب ان کے مسوّدوں کا بھی اتا پتا نہیں ملتا۔ مرحوم ڈاکٹر علی نہاد تارلان اور پروفیسر گنیجلی کے نہایت قریبی دوست تھے۔ ان کی محفلوں میں اردو اور ترکی شاعری اکثر موضوعِ بحث رہا کرتی تھی۔

ترکی میں متعین پاکستانی سفیروں میں سے میاں بشیر احمد، افتخار علی اور الطاف احمد شیخ نے اقبال کے متعلق ترکوں کو روشناس کرانے میں خاصی دلچسپی لی ہے اور لوگوں کو پاکستانی ادب کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں پیش پیش رہے ہیں ۱۹۷۴ء میں الطاف شیخ صاحب نے سفارت پاکستان میں پہلی بار ایک مشاعرہ منعقد کر کے ترکوں کو اردو شاعری کے اس پہلو سے بھی روشناس کرا دیا تھا ان سب حضرات نے نہ صرف اقبال سے متعلق خصوصی جلسوں کا انعقاد کیا بلکہ خود بھی اقبال پر مضامین لکھے اور پڑھے ہیں۔*

ڈاکٹر احمد اسرار جو عرصۂ دراز سے ترکی میں مقیم ہیں۔ اردو زبان سے ترکی میں ترجمہ کرنے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں انھوں نے مولانا مودودی کی سیرت النبی کا دو جلدوں میں ترجمہ کیا ہے۔ تفہیم القرآن چھ جلدیں بھی ترجمے کے بعد زیرِ طبع ہیں آپ نے علامہ اقبال کی منتخب اردو نظموں کا بھی ترکی میں ترجمہ کیا ہے

---

* مندرجہ بالا حصّہ میں اقبال "ممدوحِ عالم" (بزم اقبال لاہور ۱۹۷۸ء) سے ڈاکٹر محمد حنیف فوق کے مضمون "ترکی میں مطالعۂ اقبال" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر
۶۔ وزارتِ قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذِ اُردو
۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصابِ تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضعِ اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلسِ زبانِ دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان - آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور علمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو
۳۸۔ چترال میں اُردو
۳۹۔ اردو، گنتی کے چند پہلو
۴۰۔ اُردو کتابت کیلئے چند کارآمد اصول
۴۱۔ اُردو اور صوفی ازم
۴۲۔ اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب
۴۳۔ ترکی میں اُردو

چین میں اردو

پمفلٹ نمبر ۴۴

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۸/۱ ،
اسلام آباد

چین میں اردو

کوثر جمال

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

بیرونِ پاکستان اُردو کی صُورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے پمفلٹوں کا ایک سلسلہ ترتیب دیا گیا ہے۔ جس کے تحت قطر میں اُردو، کویت میں اُردو، جاپان میں اُردو اور متحدہ عرب امارات میں اُردو کے نام سے پمفلٹ شائع ہو چکے ہیں آنسہ کوثر جمال جدید زبانوں کے قومی ادارے میں چینی زبان کی تدریس کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں اور چین کا دورہ بھی کر چکی ہیں اس پمفلٹ میں انھوں نے چین میں اُردو کی پیش رفت کا جائزہ پیش کیا ہے۔ جس سے اُردو کی مقبولیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ چین میں اُردو زبان کیا مقام حاصل کر رہی ہے۔

چین میں اُردو کی باقاعدہ تدریس کا آغاز ستمبر ۱۹۵۴ء میں ہوا اِس سال جامعہ پیچنگ (BEIJING) کے مشرقی زبانوں کے شعبہ میں شعبۂ اُردو کی بنیاد رکھی گئی اور اسی سال ستمبر میں چینی طلبا کی پہلی جماعت نے یونیورسٹی سے اُردو زبان میں چار سالہ ڈگری کورس کا آغاز کیا۔ جامعہ پیچنگ کے علاوہ ۶۰ کے عشرے میں پیچنگ کے نشریاتی ادارے نے بھی اُردو کی تدریس کے لیے دو بار خاص ڈگری کورسز کا آغاز کیا اور یہاں سے لگ بھگ ۵۰ چینی طلبا نے اردو میں گریجویشن کی۔ ان دو تعلیمی اداروں کے علاوہ پیچنگ ہی میں غیر ملکی زبانوں کی تدریس کے شیانگ شان (XIANG SHAN) انسٹیٹیوٹ نے بھی چھ چینی طلبا پر مشتمل اردو کی کلاس شروع کی اور ان طلبا نے سنہ ۱۹۶۰ء سے سنہ ۱۹۶۵ء تک تعلیم پاکر پانچ سالہ مدت کا ڈگری کورس مکمل کیا۔ مختصر یہ کہ سنہ ۱۹۵۴ء سے اب تک تقریباً ۱۵۰ چینی طلبا اردو میں گریجویشن کر چکے ہیں اور مختلف سرکاری اور نیم سرکاری اداروں مثلاً دفترِ خارجہ غیر ملکی زبانوں کا اشاعت گھر، ریڈیو پیچنگ کی اردو سروس، چین باتصویر کا اردو سیکشن، جامعہ پیچنگ، شین خوا نیوز ایجنسی اور پاکستان میں چین کے سفارت خانے میں مختلف نوعیت کی خدمات انجام دے رہے ہیں ان میں زیادہ تر ترجمہ، ترجمانی، تدریس و تحقیق کے کام شامل ہیں۔

جامعہ پیچنگ، غیر ملکی زبانوں کا اشاعت گھر، ریڈیو پیچنگ کی اُردو سروس اور چین باتصویر کے شعبۂ اُردو میں اُردو کے فروغ و اشاعت کے لیے تدریس، ترجمہ و تحقیق کا کام جس عمدہ اور قابلِ تحسین طریقے سے، جس حیرت انگیز طور پر باقاعدگی اور سُرعت سے اور جس بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے اس کی تفصیل جاننا ہمارے لیے دلچسپ اور اہم ہی نہیں ہمت افزا بھی ہے۔

آیئے ان اداروں کی انفرادی کارکردگی کا جائزہ کسی قدر تفصیل سے لیتے ہیں۔

جامعۂ پیچنگ

جامعۂ پیچنگ چین کی سب سے بڑی اور قدیم ترین درسگاہ ہے اس کی بنیاد ۱۸۹۸ء میں رکھی گئی اور اس وقت سے اب تک اس یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے والے ہزاروں طلبا بعد میں چین کے علمی ادبی اور سیاسی افق پر روشن ستارے بن کر چمکے۔ بیسویں صدی میں چین کی کوئی بھی سیاسی، سماجی، فکری، ادبی و علمی تحریک ایسی نہیں ہوگی جس پر جامعۂ پیچنگ کے طلبا و اساتذہ نے اپنے مخصوص اثرات مرتب نہ کیے ہوں بلکہ زیادہ حقیقت یہ ہے کہ بیشتر علمی و فکری تحریکیں اسی درسگاہ سے شروع ہوئیں۔ جامعۂ پیچنگ کی اس تاریخی اہمیت کے باوصف ۱۹۴۹ کے بعد چینی حکومت نے اس کی ترقی و فروغ پر خصوصی توجہ دی اور پچاس کے عشرے میں یونیورسٹی کے مشرقی و مغربی زبانوں کے شعبے کو مزید وسعت دی گئی۔ ستمبر ۱۹۵۴ میں مشرقی زبانوں کے شعبے میں شعبۂ اردو کا اضافہ کیا گیا اور ۹ چینی طلبا پر مشتمل پہلی جماعت نے یونیورسٹی کے چار سالہ اردو ڈگری کورس کا آغاز کیا یونیورسٹی نے اردو کی تدریس کے سلسلے میں ہندوستان سے پروفیسر مختار احمد صاحب کی خدمات حاصل کیں آج کل یہاں شعبۂ اردو کی سربراہ شان یون (Shan Yun) صاحبہ انہی اوّلین طلبا میں سے ایک ہیں۔ ۱۹۵۴ سے اب تک جامعۂ پیچنگ سے تقریباً ۱۰۰ طلبا اردو زبان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ اس دوران مختار احمد صاحب کے علاوہ پاکستان سے پروفیسر آفتاب اقبال شمیم صاحب نے تقریباً چھ سال تک یونیورسٹی میں تدریسی خدمات انجام دیں علاوہ ازیں انھوں نے نصاب کی کتابوں کی ترتیب و تدوین اور چینی اردو، اردو چینی لغت کے ضمن میں بھی خاصا کام کیا۔

یہاں کے شعبۂ اردو نے ستمبر ۱۹۸۵ میں ۲۵ طلبا پر مشتمل اردو کی دو کلاسوں کا اجرا کیا۔ اس ڈگری کورس کی مدت پانچ سال ہے اردو پڑھنے والے ان چینی طلبا کی اکثریت کم عمر ہے سب سے کم عمر طالب علم کی عمر صرف ۱۶ سال ہے۔ یہ طلبا ان پانچ برسوں میں اردو کے علاوہ انگریزی بھی پڑھیں گے ان کے نصاب میں اردو کی منتخب ادبی تحریریں، گرامر اور اردو زبان و ادب کی تاریخ شامل ہے۔ اس کے علاوہ ترجمہ و ترجمانی کی مشق اور پاک و ہند کی تاریخ و جغرافیہ کے مضامین بھی شاملِ نصاب ہیں یہ تمام کلاسیں اس شعبے کے چینی ماہرینِ اردو کی پاکستانی ماہرِ زبان کی مدد کے بغیر لے رہے ہیں۔

لازمی مضامین کے علاوہ طلبا کو دوسرے شعبوں کے کچھ مضامین بھی پڑھنے پڑھتے ہیں جن کی حیثیت اختیاری ہوتی ہے ان میں "چینی ادب کی تاریخ" "تاریخِ عالم" "تاریخِ چین" "جدید چینی زبان" اور

"غیر ملکی ادب" وغیرہ شامل ہیں

جامعۂ پیچنگ کے شعبۂ اُردو سے نہ صرف چینی طلبا فارغ التحصیل ہوتے ہیں بلکہ چار شمالی کوریائی طالب علموں نے بھی یہاں سے اُردو زبان و ادب میں ڈگری کورس کیا ہے۔

اس وقت شعبۂ اُردو میں چھ چینی اساتذہ معروفِ کار ہیں ۔ان میں دو خاتون اساتذہ بھی شامل ہیں۔ یہ اصحاب تدریسی کام کے علاوہ تحقیق و ترجمہ کا کام بھی کرتے ہیں ۔ان اساتذہ نے اب تک اُردو زبان، ادب، ترجمہ، ہندو پاک کی تاریخ و جغرافیہ سے متعلق بہت سے مضامین اور تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ شعبے کی سربراہ شان یِن صاحبہ کا علامہ اقبال پر لکھا ہوا تحقیقی مقالہ انگلستان سے شائع ہونے والے علمی رسالے "اقبالیات" میں شائع ہو چکا ہے۔ آئندہ ان کے کچھ مقالات جامعہ پیچنگ کے رسالے "تحقیق علوم ترقیہ" میں شائع ہوں گے یونیورسٹی ہر سال چین کی تاریخی اہمیت کی حامل ۴ مئی ۱۹۱۹ کی علمی تحریک کے حوالے سے ایک علمی سیمینار کا اہتمام کرتی ہے۔ مختلف سکالر اس موقع پر علمی و تحقیقی مقالے پڑھتے ہیں اور پھر اُن پر بحث کی جاتی ہے۔ "جدید اُردو شاعری پر ایک نظر" (تحریر شان یِن) "جدید پاکستانی افسانے کا مقام" "اُردو کے صفتی جملوں پر تحقیق" وغیرہ مقالات اب تک منعقد ہونے والے سیمیناروں میں پڑھے جا چکے ہیں۔ بعض مقالوں میں کسی ایک ادیب یا شاعر کی تحریروں کے فکری و فنی پہلوؤں سے بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً "احمد ندیم قاسمی اور اُن کے افسانے" "اقبال کی شاعری" وغیرہ۔ اس کے علاوہ یہاں کے اساتذہ نے اُردو کی مشہور ادبی کتابوں کے شائع شدہ چینی تراجم سے متعلق تعارفی مضامین بھی لکھے ہیں مثلاً "خدا کی بستی" (از شوکت صدیقی) "انار کلی" (سید امتیاز علی تاج) "امراؤ جان ادا" (مرزا رسوا) "سمن" (رضیہ سجاد ظہیر) "شکست" (کرشن چندر) کا ترجمہ چینی زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ ان تراجم سے متعلق یونیورسٹی شعبۂ اُردو کے لکھے ہوئے تعارفی مضامین چینی زبان کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو کر عام چینی قاری کو اُردو ادب پاروں کے تاریخی، معاشرتی اور ادبی پس منظر سے آگاہ کرتے ہیں۔ شعبۂ اُردو کے اساتذہ نے مشترکہ کاوش سے پاکستان کے نمائندہ اُردو افسانوں کو چینی میں ترجمہ کر کے "پاکستان کے مختصر افسانے" کے نام سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ (دوسری جلد تا حال اشاعت کے مراحل میں ہے) شعبۂ اُردو کے اساتذہ نے اردو ادب کی تاریخ سے متعلق دو کتابیں تیار کی ہیں جو دراصل ترجمہ، تحقیق و ترتیب یعنی سہ رنگی کاوش کا نتیجہ ہیں اس وقت بھی شعبہ کے تمام اساتذہ انفرادی طور پر اُردو کے نمائندہ ناول اور افسانوں کو چینی میں ترجمہ کر رہے ہیں۔ کرشن چندر

کے ناولوں کے تراجم کا مجموعہ بھی اشاعت کے مراحل میں ہے۔

شعبہ کے اساتذہ نے چینی زبان میں شائع ہونے والے ادبی کتب کے سلسلے "زبان و ادب" کے لیے اُردو زبان کا تعارف لکھا۔ علاوہ ازیں انھوں نے "غیر ملکی ادب" نامی حوالہ جاتی کتاب کے لیے اُردو کے ۱۹ مشہور شعرا و ادبا کا تعارف بھی تحریر کیا۔ یہ دونوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

شعبۂ اردو کا ایک قابلِ فخر کارنامہ اُردو پڑھنے والے چینی طلبا کے لیے نصابی کتب کی تیاری ہے شعبۂ اُردو نے چند سال قبل ۱۰ بنیادی نصابی کتب کی تیاری کا کام شروع کیا تھا جن میں سے پہلی پانچ کتابیں ۱۹۸۲ میں پروفیسر آفتاب اقبال شمیم صاحب کی وطن واپسی سے پہلے تیار ہو چکی تھیں باقی پانچ کتابوں پر کام ہو رہا ہے۔ شعبۂ اُردو نے اُردو گرامر پر بھی چار کتابیں تیار کی ہیں۔ پروفیسر آفتاب صاحب کی رہنمائی میں "بول چال کی اُردو" اور "ترجمانی کی مشقیں" بھی کتابی شکل میں ترتیب دی گئیں۔ شعبۂ اردو نے موضوعاتی تقسیم کے تحت زراعت، تعلیم، صنعت، سیاست اور فنونِ لطیفہ سے متعلق الگ الگ اردو چینی لغات بھی ترتیب دی ہیں اُردو چینی ڈکشنری پر ابتدائی کام مکمل ہو چکا ہے لیکن حالیہ برسوں میں تدریسی کام کی زیادتی کی وجہ سے اِس لغت پر نظرثانی کا کام سست رفتاری سے آگے بڑھ رہا ہے۔

شعبۂ اُردو کی سربراہ شان یُن صاحبہ اپنے شعبے کی کارکردگی، مسائل اور مستقبل کے عزائم سے متعلق کچھ یوں اظہارِ خیال کرتی ہیں۔

"گو کہ ہم نے تدریس و تحقیق میں مقدور بھر کوششیں کی ہیں۔ لیکن ملکی ضروریات کے مقابل یہ کوششیں بہت ناکافی ہیں۔ ہم مستقبل میں اُردو زبان و ادب پر باقاعدہ اور سائینٹفک طریقے سے تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ چین میں اس وقت مشرقی زبان و ادب پر تحقیقی کام کو بے حد اہمیت دی جاتی ہے لیکن ہمارے تحقیقی کام کی راہ میں سب سے بڑی مشکل حوالہ جاتی کتب، رسائل اور دیگر ضروری مواد کی عدم دستیابی ہے۔ منٹو، ندیم اور کرشن چندر وغیرہ کی تحریروں کے مکمل سیٹ ہمارے پاس موجود نہیں۔ جس کی وجہ سے ہمارا تحقیقی کام ایک مقام پر آکر رک جاتا ہے علاوہ ازیں ہماری خواہش ہے کہ پاکستان کے علمی ادبی اور ثقافتی حلقوں کے ساتھ ہمارا رابطہ مزید بڑھے اور دونوں ملکوں کے ادبی سیمناروں میں دونوں طرف کے ادیب و سکالر شرکت کریں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ چینی زبان پر کام کرنے والے پاکستانی ماہرین کے ساتھ مل کر چینی اُردو، اُردو چینی لغت کا کام مکمل کریں"

(راقم الحروف کے نام خط مورخہ ۲۸، مارچ ۱۹۸۶)

جہاں تک چین کے ماہرینِ اُردو کا تعلق ہے تو دونوں ممالک کے درمیان ثقافتی تبادلے کے معاہدے کے تحت انھیں وقتاً فوقتاً پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں مزید تعلیم یا پھر اعادی کورسز (REFRESHER COURSES) کے مواقع ملتے رہتے ہیں البتہ ابھی تک دونوں ممالک کے ماہرین اردو کی کسی منصوبے پر مل کر کام کرنے کی صورتِ حال سامنے نہیں آسکی ہے۔ ہمیں اُمید رکھنی چاہئیے کہ آئندہ اس ضمن میں بھی کسی نہ کسی حد تک پیش رفت ضرور ہوگی

غیر مُلکی زبانوں کا اشاعت گھر

پیپنگ میں غیر ملکی زبانوں کے اشاعت گھر کی بنیاد ۱۹۵۲ میں رکھی گئی اس ادارے کا بنیادی مقصد چین کی تاریخ، ادب، ثقافت، موجودہ نظام اور اس کی سماجی، سیاسی و معاشی فتوحات سے متعلق کتابوں کو غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ کرکے شائع کرنا ہے۔ یوں یہ ادارہ بحیثیت مجموعی چین کو باقی دنیا سے متعارف کرنے کا کام انجام دیتا ہے۔ اس ادارے میں گیارہ غیر ملکی زبانوں انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ہسپانوی، جاپانی، عربی، کوریائی، تھائی، ہندی اُردو اور بنگالی کے شعبے قائم ہیں

اس ادارے میں شعبۂ اُردو ۱۹۵۸ میں قائم کیا گیا ابتدا میں یہاں کام کرنے والے اُردو دان صرف چار تھے مگر اب یہاں اُردو جاننے والے مترجمین اور ماہرین کی تعداد گیارہ ہے اور مختلف موضوعات سے متعلق چینی کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کرنے کا کام تیز رفتاری سے جاری ہے۔

یہاں کے شعبۂ اُردو میں زاہد چودھری صاحب، رشید بٹ صاحب، احفاظ الرحمٰن صاحب، منظر رزمی صاحب اور نظام صدیقی صاحب بحیثیت ماہرِ اُردو اپنی خدمات انجام دے چکے ہیں رشید بٹ صاحب اس شعبے کے کامیاب ترین ماہر اور مترجم ثابت ہوئے اور ترجمے میں چینی دوستوں کی رہنمائی کے علاوہ خود بھی بے شمار کتابوں کا ترجمہ کیا۔ شعبۂ اُردو کے موجودہ ماہر احفاظ الرحمٰن صاحب بھی دوسری بار اس ادارے میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شعبۂ اُردو میں کتابوں کو ترجمہ کرنے کا عمومی طریقہ یہ ہے۔ کہ مشکل علمی و نظری کتابیں عموماً پاکستانی ماہرِ اُردو خود ترجمہ کرتے ہیں البتہ آسان ادبی کتابیں، بچوں کی کتابیں اور لوک کہانیوں کو یہاں کام کرنے والے چینی ماہرینِ اُردو ترجمہ کرتے ہیں اور بعد میں پاکستانی ماہر اس ترجمے پر نظر ثانی کا کام کرتے ہیں

۱۹۵۸ سے اب تک یہاں کے شعبۂ اُردو نے جن چینی کتابوں کو اُردو میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے اُن کی فہرست درج ذیل ہے۔

دستاویزات اور نظری تصنیفات

(۱) منتخبات ماؤزے تنگ (چار جلدیں)

(۲) چینی کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ کے بارے میں قرارداد

(۳) چینی کمیونسٹ پارٹی کی بارہویں قومی کانگرس

(۴) عوامی جمہوریہ چین کا آئین

(ب) ادبیات

(۵) ماؤزے تنگ کی نظمیں

(۶) ایہہ کیو کی سچی کہانیاں (مصنف لوشن)

(۷) فنگ شیوتے فنگ کی حکایتیں

(۸) ناگ راج کی بیٹی (تھانگ دور کی دس کہانیاں)

(۹) مینڈک گھڑسوار (چینی لوک کہانیاں)

(۱۰) طوفان (ڈرامہ، مصنف۔ ساؤیوی)

(۱۱) بھینسا اور شیر (لوک کہانیاں)

(۱۲) مور شہزادی (لوک کہانیاں)

(۱۳) سورج کی تلاش (لوک کہانیاں)

(۱۴) طلسمی تونبی (بچوں کے لیے ناول)

(۱۵) قدیم کہانیاں، نیا انداز

(۱۶) ڈراؤنا۔ بچوں کے لیے کہانیاں

(۱۷) نوجوانوں کا گیت (ناول)

(۱۸) کہانی سکول جانے کی

(۱۹) لانگ مارچ کی یادیں

(۲۰) چواین لائی کے ساتھ محافظ کی حیثیت سے لانگ مارچ

(۲۱) چین کی قدیم حکایتیں

(۲۲) قہوہ خانہ (ڈرامہ)

(۲۳) آغازِ بہار

(۲۴) کچھ یادیں کچھ باتیں ۔ مشہور چینی اداکارہ شین فنگ کی سوانح حیات

(۲۵) آفندی کے قصے.

(۲۶) مغربی جھیل کی لوک کہانیاں

(۲۷) سازِ زندگی (ناولٹ)

(۲۸) طلسمی پرندہ (چینی لوک کہانیاں)

(۲۹) عجیب وغریب کہانیاں

(ج) تاریخ

(۳۰) شہنشاہ سے شہری تک (جلد اوّل) چین کے آخری شہنشاہ کی آپ بیتی.

(۳۱) شہنشاہ سے شہری تک (جلد دوم)

(۳۲) جنگِ افیون سے آزادی تک

(د) معلوماتی کتابیں

(۳۳) چین ۔ ایک عام جائزہ

(۳۴) آبادی اور دیگر مسائل (آج کا چین ۔ ۱)

(۳۵) عام زندگی (آج کا چین ۔ ۲)

(۳۶) جوانی سے بڑھاپے تک (آج کا چین ۔ ۳)

(۳۷) پوری قوم سکول میں (آج کا چین ۔ ۴)

(ح) بچوں کے لیے باتصویر کتابیں

(۳۸) ننھی ڈاکٹرنی
(۳۹) شگفتہ پھول
(۴۰) چراگاہ کی بہادر ننھی بہنیں
(۴۱) آدھی رات کو مرغے کی بانگ
(۴۲) لانگ ہوا گھاٹ
(۴۳) سمندری پھول
(۴۴) نارمن بتھیون چین میں
(۴۵) تین سوتّر
(۴۶) ایک چھوٹے گھوڑے نے ندی کو پار کیا
(۴۷) لانگ یا پہاڑ پر پانچ مجاہد
(۴۸) ایک بڑا بھورا چالاک بھیڑیا
(۴۹) تعاقب
(۵۰) لیووان شیوے
(۵۱) شیخ چلی
(۵۲) نئے پل کی تعمیر
(۵۳) آسمانی محل میں تباہی
(۵۴) چرواہا اور کپڑے بننے والی لڑکی
(۵۵) جھینگر
(۵۶) اسکول ماسٹر تونگ کو
(۵۷) طلسمی تونبیاں
(۵۸) نزا کے کارنامے

(۵۹) رات کے وقت چڑیا گھر کی سیر
(۶۰) بڑھی لوبان مہارت حاصل کرتا ہے۔
(۶۱) بھیڑیے کی دعوت
(۶۲) گھنگھرو والی بلی
(۶۳) چن چین کا خواب
(۶۴) سونے کی کلہاڑی
(۶۵) مھلکڑ بھائی
(۶۶) پانڈا میرے گھر آگیا
(۶۷) دموں کا مقابلہ
(۶۸) نیک دل شاؤ تونگ
(۶۹) نو رنگا ہرن
(۷۰) ننھے خارپشت نے نیا گھر بنایا
(۷۱) خوش باش بچے
(۷۲) آج کا تیت
(۷۳) جاگیردار کا بٹائی گھر

ترجمہ شدہ چینی کتابوں کی مندرجہ بالا فہرست پر ایک منظر دوڑانے سے ان کے موضوعاتی پھیلاؤ کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے ہاں ہر طبقۂ فکر کے لوگ ان کتابوں کی مدد سے دوست ملک چین کی تاریخ ادب اور موجودہ چینی سماج سے متعلق ضروری معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

اشاعت گھر کے شعبۂ اردو نے مندرجہ بالا تمام کتابوں کو ٹائپ شدہ اردو رسم الخط میں شائع کیا ہے۔ لیکن اب شعبۂ اردو نے حال ہی میں خطِ نستعلیق کی مشین خرید لی ہے۔ چنانچہ اُمید کی جا سکتی ہے کہ شعبۂ اردو کے تحت ترجمہ شدہ چینی کتابیں خطِ نستعلیق میں چھپ کر پاکستانی قارئین میں اور بھی مقبولیت حاصل کریں گی۔

غیر ملکی زبانوں کے اشاعت گھر نے اندرون و بیرون ملک ان کتابوں کی تقسیم کاری کا کام گوجی شو

تمین کو سونپ رکھا ہے۔ پاکستان اور بھارت میں کوچی شوتیئن کے پاکستانی ایجنٹ کتابوں کی فروخت کا کام انجام دیتے ہیں۔ شعبۂ اُردو کا اپنے قارئین سے خط و کتابت کے ذریعے باقاعدہ رابطہ رہتا ہے اور ادارہ اپنی مطبوعات کو قارئین کے مشوروں کی روشنی میں مزید بہتر بناتا رہتا ہے۔

شعبۂ اُردو کے سربراہ تولی شنگ (DU LISHENG) صاحب نے اس سال اپریل میں پاکستان کا دورہ کیا۔ راقم الحروف سے ایک ملاقات کے دوران انھوں نے اپنے ادارے کی کارکردگی اور مستقبل کے منصوبوں سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا۔

"چین اور پاکستان دوست ملک ہیں۔ اور دوستی اُسی وقت پختہ ہوتی ہے جب دوست ایک دوسرے کو سمجھیں۔ ہمارا ادارہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم اپنی اب تک کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ آئندہ اپنے اردو جاننے والے قارئین کو چین کے ادب، تاریخ، اقتصادیات، معلوماتِ عامہ اور موجودہ صورتِ حال پر سب کچھ بتائیں۔ جلد از جلد بتائیں اور صحیح طور پر بتائیں۔ ہماری بچوں سے متعلق مطبوعات یہاں خاصی مقبول ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہم اس ضمن میں زیادہ تیز رفتاری سے اور پاکستانی قارئین کے ذوق کے مطابق کتابیں چھاپنے کا ارادہ رکھتے ہیں"

اس ادارے کے اُردو داں چینی حضرات بھی پیکنگ یونیورسٹی کے اساتذہ کی طرح ادارے کے کام کے علاوہ ذاتی طور پر اُردو ادب کی مشہور و اہم تصانیف کو چینی میں ترجمہ کر کے شائع کرواتے رہتے ہیں۔ اب تک یہاں سے آنگن، خاک اور خون اور قائدِ اعظم کی سوانح عمری کو چینی میں شائع کیا جا چکا ہے۔ یوئین وئی شوئے صاحب "اداس نسلیں" اور تولی شنگ صاحب "آگ کا دریا" کے ترجمے میں مصروف ہیں۔

ریڈیو پیکنگ کی اُردو سروس

ریڈیو پیکنگ سے اُردو سروس کا آغاز یکم اگست ۱۹۶۶ کو ہوا۔ یہ سروس شارٹ ویو ۲۵، ۲۶ اور ۳۱ میٹر بینڈ اور میڈیم ویو ۲۲۷ پر روزانہ پاکستان کے وقت کے مطابق رات نو بجے سے ساڑھے نو بجے تک نشر ہوتی ہے اور پھر ساڑھے نو سے دس بجے تک دوبارہ براڈکاسٹ کی جاتی ہے۔

آج کل ریڈیو پیکنگ کی اُردو سروس میں خبریں۔ بین الاقوامی مسائل پر تبصرے، رپورٹیں اور انٹرویو نشر اس کے علاوہ ریڈیو رپورٹ یا فیچر کی صورت میں سامعین کو چین میں صنعت، زراعت، سائنس ٹیکنالوجی، ثقافت تعلیم، طب اور کھیلوں سمیت مختلف شعبوں میں سوشلسٹ تعمیر کی کامیابیوں اور چینی سماج کے موجودہ مسائل سے

متعارف کرایا جاتا ہے۔ انہی پروگراموں میں چین کی سیاست، معیشت، تاریخ، ادب و فن اور جغرافیے سے متعلق بھی گوناگوں معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ موسیقی کے پروگرام میں چین، پاکستان اور بعض اوقات دوسرے ممالک کے نغمے بھی ترجمہ و تعارف کے ساتھ نشر کیے جاتے ہیں۔ ہر جمعے کو سامعین کے خطوں کے جواب باقاعدگی سے نشر ہوتے ہیں۔ اِن خطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کے دور دراز علاقوں کے لوگ بھی یہ پروگرام شوق سے سنتے ہیں اور چینی بھائیوں کو اُردو بولتے سُن کر بے حد خوش ہوتے ہیں۔

اس وقت اُردو سروس میں کل گیارہ افراد کام کر رہے ہیں۔ جن میں چھ نشر کار (اناؤنسر) اور پانچ مترجم ہیں اس کے علاوہ اردو سروس کے وانگ ای ایاڈ صاحب جن کا پاکستانی نام ماجد ہے۔ ان دنوں اسلام آباد میں ریڈیو پیچنگ کے نمائندہ کی حیثیت سے تعینات ہیں۔ پاکستان سے جناب عبدالبرکات صاحب ریڈیو پیچنگ کی اُردو سروس میں بحیثیت ماہرِ زبان اُردو کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۶۶ سے اب تک یہاں کی اُردو سروس میں پاکستان سے کفیل احمد خان صاحب عالیہ امام صاحبہ، سراج رضوی صاحب، جمیل اختر صاحب، آفتاب اقبال شمیم صاحب، سلطان نمازی صاحب، مختار صاحب (وقار بن الہی) بحیثیت ماہر زبان چینی دوستوں کی رہنمائی اور مدد کا فریضہ انجام دے چکے ہیں۔

اگست ۱۹۸۴ میں ریڈیو پیچنگ کی اُردو سروس نے اپنے سامعین کے ساتھ روابط کو مضبوط بنانے کے لیے ایک دلچسپ پروگرام ترتیب دیا۔ اور تین پاکستانی سامعین کو چین کے دورے کی دعوت دی یہ خوش قسمت سامعین، ریڈیو پیچنگ انفارمیشن سینٹر سرگودھا کے صدر اشتیاق احمد لودھی صاحب، ریڈیو پیچنگ لسنرز کلب شیخوپورہ کے صدر جاوید اقبال صاحب اور ریڈیو پیچنگ لسنرز کلب گوجرانوالہ کے صدر تخلیق نواز خان صاحب تھے ان اصحاب نے یکم سے پندرہ اگست ۱۹۸۴ تک پیچنگ۔ شی آن، شنگھائی، سوچو اور ہانگ چو کا دورہ کیا اور چین کے ان خوبصورت اور تاریخی مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جنھیں وہ آج تک ریڈیو پیچنگ کی اُردو سروس سے سنتے آئے تھے۔ اور محض تخیل کی نظر سے دیکھتے رہے تھے

امسال یکم اگست کو یہ ادارہ ریڈیو پیچنگ اُردو سروس کی بیسویں سالگرہ دھوم دھانے سے منانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مقابلہ مضمون نویسی منعقد کیا گیا ہے۔ جس میں اردو سروس کے پاکستانی سامعین نے حصہ لیا ہے۔ علاوہ ازیں ۱۹۸۶ کو چونکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے امن کا سال قرار دیا تھا اس لیے اُردو سروس نے امن سے متعلق بھی ایک مقابلہ مضمون نویسی منعقد کروایا ہے۔ اردو سروس کے انچارج چاؤ چنگ شیو (ZHAO JINGXIU) صاحب نے ۹ اپریل ۱۹۸۶ کو اپنے ایک مکتوب میں اُردو سروس کی کارکردگی سے متعلق اظہار خیال

کرتے ہوئے کہا:

"پاکستان چین کا قریبی ہمسایہ ملک ہے۔ دونوں ملکوں کے عوام دیرینہ اور روایتی دوستی کے رشتے میں ہم اپنے دوستوں اور سامعین کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اُردو پروگرام کو بہتر بنانا چاہتے ہیں ہمارا مستقبل میں چند نئے پروگرام شروع کرنے کا ارادہ ہے جن میں کہانیاں اور عورتوں اور بچوں کے لیے خصوصی پروگرام بھی شامل ہوں گے"۔

چین باتصویر (اُردو ایڈیشن)

چین باتصویر، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے تصویری ماہنامہ ہے جو چینی زبان سمیت ۱۹ مختلف زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ اس ماہنامے کے اُردو ایڈیشن کا اجرا ۱۹۶۷ میں ہوا۔ اور اس وقت سے اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ چین باتصویر، لوح و قلم کی سطح پر دنیا بھر میں چین کا سب سے بڑا اور مؤثر سفیر ہے، کیونکہ خوبصورت تصویروں، رنگوں اور ہلکے پھلکے مضامین سے مزین یہ رسالہ دنیا میں ہر جگہ ہر عمر، جنس اور طبقے کے لوگوں میں یکساں مقبول ہے۔ اس کی موضوعاتی وسعت کا یہ عالم ہے کہ آپ کو چین کے ماضی اور حال کی زندگی کی ہر تصویر اس میں دیکھنے کو مل جائے گی۔ آج سے دس سال پہلے چین باتصویر زیادہ تر ثقافتی انقلاب کی تشہیر کا کام انجام دیتا تھا لیکن پچھلے چند سالوں میں اس کی تحریروں میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ اب چین باتصویر دنیا کو چین کی چار جدید کاریوں (Four Modernizations) سے متعارف کراتا ہے۔ چین کو جدید تر بنانے کے عمل میں چینی عوام جس جوش و خروش سے حصہ لے رہے ہیں وہ دوسرے ممالک کے عوام کے لیے بھی وجہ تحریک (Source of Inspiration) بن سکتا ہے۔ چین باتصویر ادب، سائنس، تاریخ، فنون لطیفہ، مختلف علاقوں کا تعارف عورتوں بوڑھوں بچوں، نوجوانوں اور اقلیتی قومیتوں کی زندگی کے شب و روز کا حال دلچسپ پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ چین باتصویر کے شعبۂ اُردو میں اُردو جاننے والے چھ چینی حضرات کام کرتے ہیں جن میں دو خواتین اور چار مرد ہیں یہ تمام حضرات مختلف وقتوں میں پاکستان کے مختلف اداروں میں اعادی کورسز REFRESHER COURSE کر چکے ہیں۔ شعبے کے سربراہ چانگ شر شوئین (ZHONG SHI XUAN) صاحب ماہر اُردو ہی نہیں بلکہ اُردو زبان میں خوبصورت شعر بھی کہتے ہیں۔ ان کا اُردو نام انتخاب عالم ہے اور اس نام سے وہ پاکستان کے ادبی و شعری حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں۔ چینی ماہرین اُردو کے علاوہ یہاں بھی پاکستان سے اُردو ماہرین کو مدعو کیا جاتا ہے۔ اب تک یہاں شمسی صاحب،

جمال صاحب، حامد ہاشمی صاحب اور اشتیاق احمد صاحب بحیثیت ماہرِ زبان اُردو کام کر چکے ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف ساؤتھ ایشین سٹڈیز (INSTITUTE OF SOUTH ASIAN STUDIES)

یہ چینی اکادمی برائے سماجی علوم (Chinese Academy of Social Sciences) کا ذیلی ادارہ ہے۔ اور اس میں مسز چانگ یوی لان (Zhang Yulan) صاحبہ ماہرِ اُردو اور ماہرِ پاکستان سٹڈیز کی حیثیت سے کام کرتی ہیں۔ یہ ادارہ اپنا ایک تحقیقی اور علمی نوعیت کا سہ ماہی رسالہ نکالتا ہے۔ جس میں پاکستان کی تاریخ، معیشت اور ثقافت سے متعلق تحقیقی مضامین بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خود مسز چانگ یوی لان صاحبہ حال ہی میں پاکستان کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجز سے دو سالہ اُردو کورس مکمل کر کے واپس وطن گئی ہیں۔ وہ ان دِنوں ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب" زندہ رود" (علامہ اقبال کی سوانح عمری) کا ترجمہ چینی زبان میں کر رہی ہیں۔ اس کتاب کو وہ اگلے سال علامہ اقبال کی ایک سو دسویں سالگرہ کے موقع پر پیش کرنا چاہتی ہیں۔

چین میں اُردو فلمیں اور موسیقی

چین میں اُردو فلمیں اور موسیقی حیرت انگیز طور پر مقبول ہیں اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ چین کے دُور دراز دیہاتوں کے لوگ بھی پاکستانی فلموں اور گانوں سے واقف ہیں چنانچہ پاکستان کی بہت سی فلمیں اب تک چینی زبان میں ترجمہ اور ڈب ہو چکی ہیں ہمارے ٹی وی کے کچھ ڈراموں کو بھی چینی زبان میں ڈب کر کے چین کے مختلف ٹی وی سٹیشنوں سے ٹیلی کاسٹ کیا گیا ہے ان دِنوں پاکستان اور چین مل کر بھی دو ٹی وی ڈراموں کی تیاری میں مصروف ہیں۔ پاکستان کے بہت سے مشہور قومی لوک اور فلمی گانوں کو چینی زبان میں ترجمہ کر کے چینی گلوکاروں نے گایا ہے۔ اور بہت سے گانوں کو چینی گلوکاروں نے اُردو میں گایا ہے۔ یہ گانے وقتاً فوقتاً چین کے مختلف ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشنوں سے پیش کیے جاتے رہتے ہیں اس کے علاوہ چین کی تقریباً تمام ریل گاڑیوں کا اپنا نشریاتی سسٹم ہوتا ہے۔ جن میں چینی اور غیر ملکی مسافروں کو اُردو سمیت بہت سی غیر ملکی زبانوں کی موسیقی اور گانے سننے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

پیکنگ میں پاکستانی کالج

پیکنگ میں پاکستانی سفارت خانہ اپنی خوبصورت عمارت، کثیر عملے اور پاکستانی کالج کی وجہ سے بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ شروع میں پاکستانی سفارتخانے نے اپنے ملازمین کے بچوں کی تعلیمی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا اسکول کھولا تھا جس میں بعد ازاں دوسرے سفارت خانوں کے بچے بھی تعلیم حاصل کرنے لگے پھر سکول کی بڑھتی ہوئی اہمیت اور بچوں کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسے کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ یہاں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے لیکن اُردو ایک مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ اور نہ صرف پاکستانی بچے بلکہ بہت سے دوسرے ممالک کے بچے بھی اُردو شوق سے پڑھتے ہیں۔ یہ کالج نہ صرف میزبان مُلک بلکہ دوسرے سفارتی حلقوں میں بھی اپنے ملک اور زبان کی پہچان کے لیے اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

○

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر
۶۔ وزارتِ قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذ اُردو
۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصاب تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلس زبان دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان ۔ آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور علمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو
۳۸۔ چترال میں اُردو
۳۹۔ اُردو، گنتی کے چند پہلو
۴۰۔ اُردو کتابت کیلئے چند کارآمد اصول
۴۱۔ اُردو اور صوفی ازم
۴۲۔ اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب
۴۳۔ ترکی میں اردو
۴۴۔ چین میں اُردو

ذخیرۂ شیرانی
میں
اردو مخطوطات

مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد
۱۹۸۶ء

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۱/۸ ،
اسلام آباد

ذخیرۂ شیرانی
میں
اردو مخطوطات

سید جمیل احمد رضوی

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۰-۱۹۴۶ء) کا ذخیرہ مخطوطات و مطبوعات پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں محفوظ ہے۔ اس کتب خانے میں بیس ہزار سے زیادہ خطی کتب موجود ہیں۔ پاکستان میں یہ قلمی نسخوں کا سب سے بڑا مخزن ہے۔ شیرانی مرحوم کا ذخیرہ مخطوطات و مطبوعات ۱۹۴۲ء میں یونیورسٹی نے ۱۶۲۹۲ روپے میں خریدا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار لکھتے ہیں۔

"اس ذخیرے میں ۱۰،۱۷ مطبوعات، ۴۳۴ دستاویزات اور ۲۲۸۴ مخطوطات شامل تھے۔ مخطوطات میں چوتھی، پانچویں، چھٹی صدی ہجری کے تحریر کردہ نسخے بھی تھے اور بعض قلمی نسخے مصنفوں کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے اور بعض مخطوطات اپنے زمانے کے مشہور خطاطوں کے قلم سے تھے۔ ان میں مغل دور سے قبل خط بہار میں لکھے گئے قرآن مجید کے کئی نسخے بھی ہیں۔ سبکدوشی کے بعد بھی پروفیسر شیرانی قلمی نسخے فراہم کرتے رہے اور ۱۹۴۴ء میں انہوں نے مزید ۱۹۴ مخطوطات یونیورسٹی کو دیے۔"[1]

ڈاکٹر بشیر حسین مرحوم نے ایک طویل مدت تک اس مجموعے پر فہرست نگار کی حیثیت سے کام کیا۔ انہوں نے اس ذخیرے کے بارے میں مختلف اعداد و شمار دیے ہیں۔ وہ اس بارے میں لکھتے ہیں۔

"دو ہزار چھ سو باون جلدوں میں مجلد اس مجموعے میں عربی، فارسی، اُردو، پنجابی، ترکی، ہندی، پشتو، سندھی اور گجراتی وغیرہ کی چھوٹی بڑی چار ہزار کتابیں محفوظ ہیں۔ اس میں سے فارسی زبان کے مخطوطے سب سے

---

[1] ۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، صدسالہ تاریخ جامعہ پنجاب (لاہور۔ جامعہ پنجاب ۱۹۸۲ء)۔ ص ۔ ۲۲۷ ۔

زیادہ ہیں یعنی تین ہزار ایک سو چھیالیس ، اُردو کے تقریباً پانچ سو، عربی کے تقریباً چار سو، پنجابی کے تقریباً ایک سو پچیس اور ہندی، ترکی، پشتو اور سندھی وغیرہ کے پچپن قلمی نسخے اس ذخیرے کا حصہ ہیں۔ ان کتب کے علاوہ ساڑھے سات سو قطعات، شاہی فرامین، اسناد، بیعنامے، اجارہ نامے وغیرہ بھی اس مجموعے کا حصہ ہیں۔"[1]

ذخیرۂ شیرانی میں اُردو مخطوطات کی تعداد پانچ سو سے بھی زیادہ ہے۔ مرحوم نے اُردو مخطوطات کا ذکر اس نوٹ میں بھی کیا ہے جو انہوں نے اپنے ذخیرہ کے تعارف کے لیے لکھا تھا۔ یہ انتالیس صفحات پر مشتمل انگریزی زبان میں ہے۔ اس کی ایک نقل لائبریری کی فائل نمبر ۱۲۶ بعنوان :

SHAIRANI LOAN COLLECTION

میں محفوظ ہے۔ اس میں انہوں نے ایک عنوان "شعبہ اردو" قائم کیا ہے۔ اس کے تحت انہوں نے اُردو مخطوطات میں سے اہم نسخوں کی نشاندہی کی ہے۔ اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"میں اپنے اُردو ذخیرے کے متعلق کوئی الگ نوٹ لکھنا نہیں چاہتا، یہ بہت زیادہ کثیر التعداد نہیں ہے لیکن یہ اُردو مصنفین کے مختلف دبستان کے نقطہ نظر سے دلچسپ ہے یہ دبستان ہندوستان کے مختلف حصوں میں رائج تھے۔ ان میں سے مَیں چار دریافت کر سکا ہوں۔

۱۔ گوجری دبستان جو کہ دکنی دبستان سے مختلف ہے اور جو شاید ہندوستان میں سب سے قدیم دبستان ہے یہ گجرات کے صوبے میں دسویں صدی ہجری / سولھویں صدی عیسوی سے مروج ہے۔ درج ذیل مخطوطات اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(الف) گلشنِ رحمت از شیخ باجن (المتوفی ۹۱۲ھ) یہ بہت ہی نادر کتاب کا ایک ناقص نسخہ ہے جس میں باجن کے اشعار کے نمونے شامل ہیں۔

(ب) شیخ محمود دریائی پرپوری (المتوفی ۹۲۰ھ) کے دیوان کا ایک جدید نسخہ جس کو ایک ہی معدوم نسخے سے تیار کیا گیا۔

(ج) خواند کرنی کے خواب نامہ کی ایک جدید نقل، اس کا مصنف بہادر شاہ (۱۵۲۶ء - ۱۵۳۶ء) کے

---

[1] ۔ ڈاکٹر محمد بشیر حسین: "مخطوطات ذخیرۂ شیرانی کا اجمالی جائزہ"، اورینٹل کالج میگزین شیرانی نمبر ۵۷ : ۳-۴ (شمارہ مسلسل ۲۲۲-۲۲۳) ص ۱۱۳۔

زمانے میں زندہ تھا۔

(د) جواہر اسرار اللہ جو شاہ علی محمد جیو گام دھنی (المتوفی ۹۷۳ھ) کا دیوان ہے اور گوجری بولی میں ہے

(ھ) خوب محمد چشتی کی خوب ترنگ مع امواج خوبی جو اس کی فارسی شرح ہے۔ مصنف کا انتقال ۱۰۲۳ھ میں ہوا۔

(و) مثنوی یوسف وزلیخا، اس کو گوجری بولی میں محمد امین نے ۱۱۰۹ھ میں مکمل کیا۔

(۲) ہریانہ کا ایک اور دبستان بانگڑو یا جٹو کے نام سے معروف ہے اور یہ مقامی بولی جھجھر، رہتک اور ہانسی وغیرہ میں مروج تھی۔ درج ذیل مخطوطات اس کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(ا) فقہ ہندی از شیخ عبداللہ انصاری، تالیف ۱۰۷۴ھ، اس کے متعدد نسخے اس ذخیرہ کا حصہ ہیں۔

(ب) تیرہ ماسہ از اکرم رہتکی التخلص بہ قطبی۔ اس کو ۱۱۴۳ھ میں مرتب کیا۔

(ج) شیخ محبوب عالم جھجھری جو محشر نامہ، مسائل ہندی، نور نامہ اور درد نامہ محمدی کے مصنف ہیں۔ ان میں سے پہلی تین تصنیفات اس ذخیرے کا حصہ ہیں۔

(د) شاہ عبدالحکیم کی دو کتابیں خواب نامہ اور دہلیز نامہ (جہیز نامہ) بھی اس میں شامل ہیں۔ شاہ کا انتقال ۱۱۸۷ھ میں ہوا۔

(ھ) رہتک کے شاہ غلام جیلانی رہتکی جو (المتوفی ۱۲۳۵ھ) چوپائیاں (رباعیات)، کے مصنف ہیں۔

(و) مہم کے غلام حسین چشتی جو کہ جھجھر کے نوابوں کے درباری تھے، دربدوہ DABAR DOOH کے مصنف ہیں۔ یہ راگ مالا کی کتاب ہے جس میں ۱۰۴۴ راگ ہیں، مصنف نے ہر راگ کے آخر میں اپنا تخلص ہمین (مہمی)، بتایا ہے سوائے چند جن میں حسین لکھا ہوا ہے۔ یہ مخطوطہ (شمارہ ۲۲۴۸) نسخۂ معاصر ہے جس پر ۱۸۴۴ء کا سال درج ہے۔ یہ نسخہ کمپنی کے ایک افسر رابرٹ کسٹ ROBERT CUST کی ملکیت میں رہا۔ (ذخیرہ شیرانی میں اس نمبر پر مثنوی مولانا روم، دفتر سوم ہے)۔

(ح) شاہ محمد ہمدان تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے نصف اول کا مصنف ہے۔ اس کی تین کتابیں آخر گت، بلبل باغ محمدی (نظم)، اور عقائد عظیم (نثر) اس مجموعے میں شامل ہیں۔

(۳) مصنفین کا تیسرا دبستان پنجاب کا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے بہت پہلے ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح پنجاب میں بھی اُردو لکھنے والوں کی ایک جماعت موجود تھی۔ میں اس کو فرخ سیر کے

عہد تک معلوم کر سکا ہوں، لیکن اس تحریک کا آغاز ضرور اس سے پہلے دور میں ہوگا۔ اس دبستان کے چند نمونے یہ ہیں۔

(ا) غلام محی الدین میرپوری کی مثنوی گلزار فقیر جس پر ۱۱۳۱ھ کا سال درج ہے۔ اس ذخیرے میں اس کے دو نسخے (شمارہ ۱۴۱۵ اور ۱۴۲۷) موجود ہیں۔

(ب) شمارہ ۱۵۰۴ رمز العشق، غلام قادر شاہ بٹالوی کی تصوف میں مثنوی جس کی تالیف ۱۱۵۱ سے پہلے ہوئی۔ اس کی کتابت جان محمد نے کی۔

(ج) شمارہ ۱۲۱۷ گنج شہیداں از غوث بٹالوی۔ ایک ضخیم مثنوی جو امام حسینؓ اور ان کے اصحاب کی شہادت سے متعلق ہے (لیکن ذخیرے کی فہرست میں اس نمبر پر فارسی کی ایک کتاب ہے)۔

(د) شمارہ ۵۹۹ قصہ ملک زادہ از غوث بٹالوی۔ یہ پنجابی وزن میں ہے۔

(ھ) شمارہ ۱۳۵۱ سیف الملوک اور بدیع الجمال کا عشقیہ قصہ جس کو بٹالہ کے ایک نامعلوم شاعر نے لکھا اس پر ۱۲۶۰ھ کا سال ثبت ہے۔

(ز) شمارہ ۱۱۱۸ سر مکنون از فقیر اللہ، سال تالیف ۱۲۰۴ھ (فہرست شیرانی میں ۱۲۰۶ھ ہے)

(ح) شمارہ ۱۳۶۷، چند مخمس از جان محمد، یہ مصنف کا خود نوشت نسخہ ہے۔

(ط) شمارہ ۱۳۳۷ چمن سیر یا قصہ مرغ زرین از احمد سرہندی، تالیف ۱۲۳۰ھ۔

(ی) بیاض تحسین، جس میں اس کے اردو اور پنجابی اشعار شامل ہیں، یہ بھی مصنف کا خود نوشت نسخہ ہے اس پر ۱۲۲۶ھ کا سال درج ہے۔

(ک) شمارہ ۱۳۸۲ حاتم نامہ اردو، پنجابی بولی میں۔ از خلیفہ عارف قصوری، یہ ۱۲۲۸ھ میں لکھا گیا، ناقص ہے۔

(ل) شمارہ ۵۸۳، قصہ شیریں اور فرہاد، رحمت شاہ کا رسالہ۔

(م) شمارہ ۱۵۰۷، بخشش نامہ از حافظ احسان اللہ لاہوری۔ یہ ۱۲۱۳ ہجری میں مکمل ہوا۔

(ن) شمارہ ۱۲۹۱، ایک منظوم صوفیانہ رسالہ۔ ناقص ہے۔

(ش) شمارہ ۷۲۷، فتح الرمز از مبل ولد ننھو ڈوگر، ۱۲۵۰ھ میں لکھا گیا۔

(ع) شمارہ ۵۶۶، قصہ خواجہ سلیمان، جس کی تکمیل سکھوں اور انگریزوں کی جنگوں کے دور میں ہوئی۔

اُردو کے دیگر نوادرات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل مخطوطات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(ا) دیوان ولی محمد ولی جس کی کتابت احمد آباد کے ثناء اللہ خانی نے محمد شاہ (۱۱۳۰ھ) کے آٹھویں سال جلوس میں کی۔ یہ ولی کے دیوان کا بہت قدیم نسخہ ہے اس میں اس کے نام کو درست انداز میں لکھا ہوا ہے۔ بعد کے لکھنے والے محمد کو پہلے لاتے ہیں اور ولی کو بعد میں۔

(ب) شمارہ ۱۳۳۶، پیم کہانی، ایک رکنی نظم جس کی کتابت ۱۱۲۳ میں کی گئی۔

(د) شمارہ ۱۸۸۲، دیوان غالب۔ یہ نسخہ غالباً شاعر کے کلکتہ کا سفر اختیار کرنے سے پہلے تیار کیا گیا کیونکہ بعض غزلیں جو شاعر نے لکھیں، ان کا اندراج مالک نسخہ نے اس کے حاشیے پر کیا ہے۔ (یہ نسخہ شیرانی کے نام سے معروف ہے اس کا عکس مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا)

(ھ) شمارہ ۱۶۳۵ دیوان ناسخ۔ یہ نسخہ معاصر ہے۔

(و) شمارہ ۱۵۹۴، ایک مثنوی از رضی جس کو غالباً بارہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی میں لکھنؤ میں لکھا۔ مجھے اس کا کوئی اور نسخہ معلوم نہیں ہے۔

(و) شمارہ ۶۹۲ معراج نامہ از قائم، سال کتابت ۱۲۵۰ھ۔

(ز) شمارہ ۱۶۹۲، نوطرز مرصع از محمد عطا حسین خان تحسین، کتابت ۱۲۱۳ھ۔ یہ پہلے جیمز مارٹن کی ملکیت میں تھا۔

(ح) شمارہ ۱۳۶۹، تحفہ پنجاب از اجودھیا پرشاد تحصیلدار بفرمائش میجر جارج میگریگر بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کے حوالے سے لکھا گیا۔

(ط) شمارہ ۱۳۷۰ طلسم حکیم اشراق روشن ضمیر۔ مہدی علی ذکی کا بوستان خیال سے اصل ترجمہ جو نواب محمد سعید خان، حاکم رامپور کے عہد میں کیا گیا۔

(ی) شمارہ ۲۰۸۳ تواریخ مراد از سید مراد شاہ سابق پولیٹیکل ایجنٹ وچیف جج بہاولپور۔ اس میں ہندوستان کی تاریخ کا عمومی سروے کیا گیا ہے۔

---

3. Mahmud Shairani, "A Brief Note on My Collection", File No.126: Shairani, Loan Collection (Preserved in the Punjab University Library, Lahore), pp. 23 26.

ذخیرہ شیرانی میں اُردو مخطوطات

فہرست

	اندراج	شیرانی نمبر	
۱-	۳۰۳۱	۲۶	گجراج نامہ یعنی رسالہ در علاج فیلان، ورق ۳۱ (فارسی/اردو)
۲-	۳۰۴۰	۳۵	(۱) خالق باری خسرو، سال کتابت ۱۳۵۰ھ، ورق ۱۳ (۲) تجنیس اللغات، مولانا عبدالرحمٰن جامی، سال کتابت ۱۳۵۰ھ ورق ۱۵-۲۳ (فارسی/اُردو)
۳-	۳۰۹۲	۸۷	مثنوی میراثر - کو شہ ۱۲۵۸ھ، ورق ۷۶
۴-	۳۱۰۰	۹۵	یوسف زلیخا، نجیب اللہ، ۱۲۵۴ھ، ورق ۷۶
۵-	۳۱۲۴	۱۱۹	دیوانِ قیس
۶-	۳۱۲۷	۱۲۲	قصائد سلطان
۷-	۳۱۴۱	۱۳۶	تاریخ مراۃ الصفا - مسوّدہ مصنف (مثنوی اُردو)
۸-	۳۲۰۷	۲۰۲	تنبیہ الغافلین، سید عبداللہ ولد سید بہادر علی
۹-	۲۳۰۸	۲۰۳	کتاب مجمع الکمالات از شیخ محمد امین بن نور محمد گجراتی (فارسی، اردو، پنجابی)
۱۰-	۲۳۰۹	۲۰۴	تاریخ عجیب، محمد نجف علی خاں - ساکن قصبہ جھجر در ذکر واقعات محاربات سردارانِ انگریزان بزبانِ اُردو (مسودہ مصنف معلوم ہوتا ہے)۔

	اندراج نمبر	شیرانی نمبر	
۱۱-	۳۲۲۱	۲۱۶	دیوان اللہ نور شاہ، نوشتہ ۱۲۶۰ھ۔
۱۲-	۳۲۲۹	۲۲۴	نسخۂ نسیم جنت بزبان اردو ترجمہ چہل حدیث بزتؒ ۱۲۶۹ھ ٹونک۔
۱۳-	۳۲۴۹	۲۴۴	دہ مجلس ہندی، ترجمہ از فارسی بارسالہ دیگر از جعفری بزبان فارسی، ورق ۸۷
۱۴-	۳۲۶۵	۲۶۰	ابیات متفرقہ (ہندی/اردو)
۱۵-	۳۲۷۲	۲۶۷	قصہ نامعلوم بعبارت تعقی کہ قبل ازیں مہر چند کھتری نے بزبان قدیم لکھا تھا۔
۱۶-	۳۲۸۷	۲۸۲	(۱) گریہ نامہ اردو، غلام علی امروہوی برائے گزرانیدن بنظر نواب دل داد خاں کاتب محمد رجب خاں ورق ۸۔ (۲) مثنوی باآغاز سے حمد بے حد بحیداس خدائے پاک کو۔ جس نے پرجلوہ بنایا خاک کو ورق ۹-۱۷، (۳) نظم سے میں عاشق ہوں اس اپنی پری صدا کا۔ (۴) قصہ بلالؓ (مثنوی بلالؓ نامہ)، ورق ۱۸-۲۱ (۶) نعت، ورق ۲۲-۲۸۔ (۷) قصہ حضرت تمیم انصاری، ورق ۴۲-۴۸ (۸) داستان موش گربہ (نظم) ورق ۷۷-۷۹ (۹) سوال مابین شفیق بلخی و حاتم اصم، ورق ۸۰-۸۷ قصائد۔ سودا، ورق ۹۲-۱۳۵
۱۷-	۳۳۰۴	۲۹۹	معجزۂ نبیؐ ورق ۱۸-۲۲ (۳) وفات نامہ ورق ۲۲-۲۹ (۴) مسائل فقہ ورق ۲۹-۳۳
۱۸-	۳۳۵۱	۳۴۶	(۲) ردشبہات نصاری ۱۲۴۲ھ میں لکھا گیا۔ نقل نوشتہ ۱۲۵۵ھ

اندراج نمبر	شیرانی نمبر	
		(۳) رسالہ نظم در مسائل زنان، ناقص الطرفین
		(۵) کنز الفوائد، شیخ ظہور علی / بقلم عبداللہ
۱۹- ۳۳۵۸	۳۵۴	(۴) جغرافیہ۔ مشتمل بر سوالات وجوابات
۲۰- ۳۳۵۹	۳۵۵	پوتھی پران سکھ بشکل بیاض بخط فتح الدین بن نادر بخش بن حضرت محمد ماہ، درکوٹ دیوان ۱۲۳۹ھ
۲۱- ۳۳۶۲	۳۵۸	قصہ اکر کل، ناقص الاول ۱۲۵۸ھ، ورق ۸۱
۲۲- ۳۳۶۸	۳۶۴	دیوان ششم مصحفی، ناقص الآخر، ورق ۲۶
۲۳- ۳۳۶۹	۳۶۵	(۱) مولود شریف، نوشتہ ۱۲۶۴ھ
۲۴- ۳۳۸۴	۳۸۰	(۱) گیان پرکاش
۲۵- ۳۴۰۴	۳۹۹	قیامت نامہ، ورق ۴۷
۲۶- ۳۴۰۷	۴۰۲	قصہ محفوظ خانی بزبان دکنی منظوم کرم خوردہ نوشتہ ۱۲۱۲ تصنیف مدبر عالم ورق ۲۶۰
۲۷- ۳۴۱۹	۴۱۴	دہ مجلس ناقص الطرفین، ورق ۱۸۶
۲۸- ۳۴۲۳	۴۱۸	روضۃ الشہداء از ولی ویلوری تالیف ۱۱۳۰ھ نوشتہ ۱۲۵۰ھ بقلم محمد حسن صدیقی، ورق ۲۱۷
۲۹- ۳۴۲۶	۴۲۱	تنبیہ النسا، نوشتہ ۱۲۷۷ھ، ورق ۲۶
۳۰- ۳۴۲۸	۴۲۳	تحفۃ الجمالی (نثر) مسائل اسلامیہ از قطب الدین ۱۲۰۷ھ، ورق ۸
۳۱- ۳۴۶۱	۴۳۷	اوراق دیوان عظمت، ورق ۱۷
۳۲- ۳۴۶۷	۴۴۲	غزلیات فیض اللہ فیض متخلص کہ قطعہ وفات میاں ایزد بخش کاتب ولد میاں امام بخش خوش نویس لاہوری برادر عزیز بندہ درگاہ فیض اللہ در ۱۲۶۷ھ نوشتہ (اردو، فارسی) ورق ۱۱۴
۳۳- ۳۴۷۸	۴۵۳	(۴) مثنوی زہرہ و بہرام، ورق ۸۴-۱۱۲
۳۴- ۳۴۹۴	۴۷۰	بیاض مراثی، اردو یک، مثنوی عطار و اشعار متفرقہ فارسی و

اندراج نمبر		شیرانی نمبر	
			فارسی دانیس العزبا تصنیف شاہ نور عالم ۱۱۴۰ھ و دیوان عبد القادر جیلانی ۱۱۴۰ھ و مثنوی نان و حلوہ
۳۵-	۳۵۰۱	۴۷۷	بیاض نسخہ جات طبی، ورق ۱۷۰
			مجموعہ رسائل اُردو
۳۶-	۳۵۰۷	۴۸۳	(۱) ذکر حسینؑ، ورق ۳
			(۲) اُردو وظائف، ورق ۶
			(۳) سخاوت علی ولی بی خاتف ساخت مطبوعہ صفحات ۳۲
			(۴) قصہ تہانیسری ورق ۱۰
			(۵) قصہ سر امام حسینؑ ورق ۹
			(۶) فالنامہ قرآن مجید ورق ۷
			(۷) حقوق زوجین ورق ۱۰
			(۸) قصہ شاہ روم ورق ۴۰
			(۹) قصہ مجمہ (کوبڑی) ورق ۱۱۰۰
			(۱۰) نعت رسولِ مقبولؐ ورق ۱
			(۱۱) قصہ حضرت رسول مقبولؐ ورق ۴
۳۷-	۳۵۱۱	۴۸۷	بیاض رسائل مختلف (فارسی/اُردو)، ورق ۱۸۶
۳۸-	۳۵۳۴	۵۱۰	(۱) فقہ ہندی، نوشتہ ۱۲۵۴ھ ورق ۲۰
			(۲) صد و سی مسئلہ از حسین ذوقی کہ مرید شاہ امام الدین بود، ورق ۲-۲۸۰
۳۹-	۳۵۳۶	۵۱۲	مثنوی میر حسن ۱۲۸۰ھ، ورق ۹۳
۴۰-	۳۵۴۵	۵۲۱	بیاض ریختہ ازولی (و دیگر شعراء) اوراق ۵۶
۴۱-	۳۵۴۶	۵۲۲	(۱) مناجات بزبان دکنی، ورق ۷
۴۲-	۳۵۴۹	۵۲۵	پنچھی باچا، وجدی، نوشتہ ۱۱۹۳ھ، ورق ۱۲۶

اندراج نمبر	شیرانی نمبر		
۴۳-	۳۵۵۶	۵۳۲	بیاض اشعار فارسی اُردو ورق ۷۰
۴۴-	۳۵۵۷	۵۳۳	بیاض اشعار فارسی واُردو
۴۵-	۳۵۶۸	۵۴۴	پرماوت (منظوم)، غلام علی مشہدی متخلص بہ عشرت، ورق ۸۵
۴۶	۳۵۷۸	۵۵۵	مجموعہ رسائل (۱) قصہ تمیم انصاری بقلم عبدالحکیم ولد عبدالکریم ساکن نارنول ۱۲۴۸ھ، ورق ۴۸ (۲) قصہ سوداگر بچہ و دختر وزیر (بعہد سلطان محمود) از شاہ لعمان ورق ۴۹ - ۵۴ (۳) معجزات رسول مقبول صلعم (۱) شاہ مین از تھانیسری ورق ۶۰-۶۵ (ب) دو سانپوں کے معجزے (۱) بے جان کا جاندار ہوجانا ورق ۷۱-۷۶ (۱۱) بشکل انسان تبدیل ہونا ورق ۷۶-۷۹ (۴) رسالہ بے نمازاں، عبدالحکیم ولد عبدالکریم ساکن نارنول، ورق ۸۰-۸۴
۴۷-	۳۵۸۷	۵۶۴	فقہ ہندی (ہندی اُردو)، ورق ۶
۴۷و	۳۵۸۹	۵۶۶	قصہ خواجہ سلیمان کے موئف جنگ سکھ و انگریز بزبان اُردو، پنجابی ورق ۱۲
۴۸-	۳۵۹۰	۵۶۷	تقویۃ الایمان، ورق ۶۲
۴۹-	۳۵۹۱	۵۶۸	(۱) فقہ منور قادری، نادر بخش ولد محمد زمان بن محمد فاضل نوشتہ ۱۲۸۱ھ، ورق ۶۴
۵۰-	۳۵۹۳	۵۷۰	گنج عرفان، امام الدین حسنی المشہور بہ میر مسجدی والمتخلص بہ عارف ورق ۳۲
۵۱-	۳۵۹۴	۵۷۱	مجموعہ رسائل (۱) سراج الحجاج، محمد وزیر علی ولد شیخ وارث علی وکیل متوطن مراد آباد، تالیف ۱۲۶۳ھ، مرتب محمد سعد اللہ نوشتہ ۱۲۷۰ بقلم ابراہیم

اندراج نمبر	شیرانی نمبر	
		ورق ۷۷ -
۵۲- ۳۵۹۶	۵۷۳	معراج نامہ دکنی، باقی، تالیف ۱۰۵۶ھ، ورق ۱-۸۹
		(۲) رسالہ اُردو -
۵۳- ۳۶۰۰	۵۷۷	دیوان تنیس بخط محمد صدیق شمس عرف ہدایت علی مولاتی ساکن حیدرآباد دکن (یکی از تلامذہ مرزا سلامت علی دبیر) ورق ۴۶
۵۴- ۳۶۰۱	۵۷۸	(۲) شجرہ الایمان، مولوی سید الوعبداللہ محمد نصیر الدین دہلوی ورق ۵
		(۴) رسالہ ہدایت المومنین از ملاحسن قنوجی نوشتہ ۱۲۳۹ھ نقل و ۱۲۴۹ھ ورق ۳۰
		(۵) رسالہ کفر توڑ، نوشتہ ۱۲۳۹ھ، ۳ ورق
		(۶) رسالہ حقیقت الصلوٰۃ نوشتہ ۱۲۷۴ھ، ورق ۲۱
		(۷) رسالہ بے نمازاں مع دعای استغفار، ورق ۹
		(۸) رسالہ چہل حدیث مع تشریح، ۵۷ ورق
		(۹) دوسرا نسخہ رسالہ ہدایت المومنین، ملاحسین قنوجی، نقل از رحمت اللہ ساکن اجمیر، ورق ۱
		(۱۰) رسالہ جہاد، نقل از رحمت ساکن اجمیر، ورق ۴
۵۵- ۳۶۰۲	۵۷۹	(۱) ملخصات الحساب، محمد عنایت اللہ، ورق ۳۱
		(۲) علم الفرائض، محمد عنایت اللہ، ورق ۲۳-۹۱
۵۶- ۳۶۰۳	۵۸۰	(۳) قصیدہ نعتیہ (بشکل مخمس) ورق ۳
		(۷) شجرہ شیخ عبید الاحد بخط مصنف ورق ۱۵-۱۸
		(۹) رسالہ در تصوف، ورق ۲۳-۶۲
۵۷- ۳۶۰۴	۵۸۱	رسالہ ریختہ، ترجمہ آیات و احادیث، ورق ۲۹
۵۸- ۳۶۰۵	۵۸۲	(۱) رسالہ اُردو، ورق ۶

اندراج نمبر	شیرانی نمبر	
		پہلا مصرع - ہے روایت ایک دن محبوب رب العالمین
		(۲) معجزہ آل نبی، ورق ۶-۱۳
۵۹ ۳۶۰۷	۵۸۴	بیاض اشعار فارسی و اردو مع رقعات، ورق ۱۰
۶۰ ۳۶۰۸	۵۸۵	(۴) مثنوی شعلۂ عشق، میر تقی میر، ورق ۳۸ تا ۳۵
		(۵) مثنوی سیاہ پوش (قصہ سلطان محمود غزنوی و سوداگر بچہ) ورق ۳۶ تا ۵۶
۶۱- ۳۶۰۹	۵۸۶	احمد نامہ، سر سید احمد (در تصوف)
۶۲- ۳۶۱۰	۵۸۷	قصہ بی بی مریم، کاتب حافظ ظہور الدین ناگوری، ورق ۱۵
۶۳- ۳۶۱۳	۵۹۰	(۱) قصہ بلال رضی ایک ورق
		(۲) دیگر رسالہ منظوم، ایک ورق
۶۴- ۳۶۱۶	۵۹۳	مجموعۃ الرموز (قواعد گنجفہ بازی) از پنڈت گوری شا کاشمیری ساکن شاہجہان آباد (رسالہ بزمانہ قیام لاہور لکھا گیا) نوشتہ ۱۸۵۱ء نقل کاتب عزیز الدین لاہوری، ورق ۹
۶۵- ۳۶۲۲	۵۹۹	(۱) قصہ ملک زادہ غوث بٹالوی، ورق ۲۹
		(۲) حلیۂ مبارک رسول مقبول، بضیر فاضل، ایک ورق
		(۳) قصہ چندر بدن و مہیار، ورق ۳۱-۵۵
		(۴) مثنوی میر حسن، ورق ۵۶-۱۰۳
۶۶- ۳۶۵۶	۶۳۵	قصہ حباب ابن حلیب یہودی
۶۷- ۳۶۷۲	۶۵۱	بیاض اشعار فارسی و اردو، ورق ۸۷
۶۸- ۳۶۷۳	۶۵۲	بیاض اشعار فارسی و اردو و پنجابی، عمر بخش پٹواری ۱۸۶۲ء
۶۹- ۳۶۷۷	۶۵۶	بیاض اشعار اردو و فارسی ورق ۴۶
۷۰- ۳۶۸۰	۶۵۹	بیاض نظم و نثر (فارسی اردو)
۷۱- ۳۶۹۰	۶۶۹	(۲) کلمہ طیبہ کی تشریح - ورق ۲

٧٢-	٣٦٩٦	٦٧٤	(١) مجموعہ خطبات عربی و ترجمہ اُردو (منظوم)، ورق ۴۴
٧٣-	٣٦٩٧	٦٧٥	(١) رسالہ ناپ تول، سال کتابت ١٢٨٠ھ، ورق ٢٢
			(٢) مصباح المساحت حصہ اول، ورق ٢٣-۴٠
			(٣) صرف ونحو اردو، مولوی کریم الدین، ورق ٧٦-٢٣
٧۴-	٣٦٩٩	٦٧٧	(١) دیوان نیاز، سال کتابت ١٢٧٣ھ ورق ٣-٣٦
			(٣) دیوان مرزا سودا، سال کتابت ١٢٧٣ھ ورق ١-٢٩٣
			(۴) دیوان سوز اُردو، سال کتابت ١٢٧٣ھ ورق ١-٣٦
٧٥-	٣٧٠١	٦٧٩	بیاض اشعار اُردو، ناقص الآخر، ورق ١١٧
٧٦-	٣٧١٢	٦٨٧	قصہ بکاؤلی و تاج الملوک، کاتب عنایت علی، ورق ١٠۴
٧٧-	٣٧٢٥	٦٩٢	(١) مثنوی معراج نامہ، قاسم، ورق ١٠٩
			(٢) تقویۃ الایمان
٧٨-	٣٧٢٧	٦٩٢	مثنوی میر حسن (مثنوی بدر المنیر)
٧٩-	٣٧٣٣	٧٠٠	بیاض اشعار فارسی و اُردو، ناقص الآخر، ورق ۴١
٧٩و-	٣٧۴٣	٧١٠	وقائع سکندر اعظم (یا ذوالقرنین یونانی کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ)، ورق ١٣٩
٨٠-	٣٧۴٨	٧١٥	توتا کہانی از حیدر بخش حیدری، تالیف ١٢١٥ھ نوشتہ ١٢٧٢ھ بقلم رحیم بخش، ورق ١١٠
٨١-	٣٧٥٢	٧١٩	بیاض نظم ونثر فارسی و اُردو، ورق ١٩٦
٨٢-	٣٧٥٣	٧٢٠	نقل نامہ دستاویزات از اکتوبر ١٨٧٣ء تا ٩ جنوری ١٨٧٥ء متعلقہ لاہور، ورق ١٩٣
٨٣-	٣٧٥٧	٧٢۴	(١) دہ مجلس در ذکر حضرت امام حسینؑ و شہیدان کربلا نوشتہ ١٢٧٠ھ ورق ٩٠
٨۴-	٣٧٦٠	٧٢٧	(١) ڈھنڈورا، ورق ١-٣

اندراج نمبر	شیرانی نمبر	
		(٢) فتح الرمز، میاں مبھل ولد رنھو قوم ڈوگر کاتب فیض محمد مقام جودھپور، ورق ٣-١٧
		(٣) رمز العاشقین، ورق ٢٠-٢٦
		(٥) ذکر کلمہ شریف، ورق ٢٧-٣٠
٨٥-	٣٧٨١	٧٤٨ مثنوی ولایت نامہ از شیخ حیدری ولد شیخ قادر بخش ساکن امروہہ نوشتہ ١٢٥٩ھ، ورق ٤٢
٨٦-	٣٨٠٢	٧٤٩ مظہر العجائب (کتاب در طب)، مفتی فخر الدین احمد ساکن بنارس ولد مفتی سید نور الہدی نقل مطبوعہ نسخہ ورق ٧١
٨٧-	٣٨٠٤	٧٧١ کشاف الغوامض الخفا عن اقسام الحروف الہجا، شہاب الدین احمد ولد مفتی محمد نظام الدین، نوشتہ ١٢٦٤ھ، ورق ٧١
٨٨-	٣٨١٦	٧٨٣ مثنوی زینت پذیر (دکنی)، ورق ٢٠
٨٩	٣٨٢٨	٧٩٥ تذکرہ الحیوان، محمد مہدی حزیں لکھنو، ورق ١٠١
٩٠-	٣٨٣٩	٨٠٦ فتاوی اردو از شاہ محمد رمضان بن شاہ عبد العظیم نوشتہ ١٢٤٠ھ، ورق ١٤٧
٩١-		٨٠٧ مثنوی یوسف زلیخا، نجیب شاہ نوشتہ ١٨٤٤ھ
٩٢-	٣٨٤٣	٨١١ (٣) دیوان مضطرب، ورق ١١
		(٤) مثلثات اردو بر کلام اساتذہ ورق ٤٣-٤٤
٩٣-	٣٨٤٧	٨١٤ (١) کنز الوحدت، میر انور حسین ہما رسول شاہی
		(٢) مطلع الانوار، انور حسین ہما رسول شاہی، ٦ ورق
٩٤-	٣٨٥٨	٨٢٥ (١) دیوان حسن
		(٢) دیوان شوریدہ
٩٥-	٣٨٩٨	٨٦٥ دیوان معروف، نواب الٰہی بخش معروف
٩٦-	٣٩٠٠	٨٦٧ دیوان سودا قرن دوازدھم، ناقص الاخر

۹۷- ۳۹۲۵ ۸۷۳ مجموعہ مراثی (انتخاب از مونس، دلگیر و دبیر) صفحات ۵۰۔

۹۸- ۳۹۳۷ ۸۵۵ بیاض اشعار اردو و فارسی، ورق ۶۳

۹۹- ۳۹۵۲ ۹۰۰ بیاض اشعار (معدن اشعار) ورق ۸۳، (اردو، فارسی)

۱۰۰- ۳۹۶۱ ۹۰۹ (۱) سنگھاسن بتیسی

(۲) تفسیر قرآن مجید

(۳) مسدس : میں عاشق ہوں . . .

(۴) سعدی و سوز

(۵) ترجمہ احادیث

(۶) طبی نسخے

(۷) گلستان کے بعض اقتباسات کی شرح، ورق ۲۸۵-۳۰۰

۱۰۱- ۴۰۰۵ ۹۵۳ (۱۴) ترجمہ تزک بابری از احمد سعید ابن سید محمد سعید بریلوی حسب فرمائش نواب ٹونک، ورق ۸

۱۰۲- ۴۰۱۰ ۹۵۸ دیوان شہیدی، ورق ۱۱۰

۱۰۳- ۴۰۲۹ ۹۷۷ تنبیہ المنکرین (در حلت متعہ)، عمار علی ساکن سونی پت

(۱) صفحات ۴۱

(۲) مخزن الفرائض، صفحات ۴۱-۹۷

(۴) نخل قائم، مرزا جعفر علی فصیح، صفحہ ۳۱۰

(۵) ظہور امور عجیبہ بر لاشہ شبیر ۳۱۰، صفحات ۲۰۴

(۶) روضۃ الصالحین، سید محمد نقی نوشتہ ۱۲۹۷ھ صفحات ۴۴۳۔

۷۰ ۷ ۔عقد المعاندین، ولایت علی ابن سید فرزند علی صفحات ۳۶۱-۳۷۴

(۸) فتاویٰ از شیخ مرتضیٰ النجفی صفحات ۳۷۴-۳۷۸

(۹) مراثی و سلام، صفحات ۳۷۸-۴۱۵

۱۰۴- ۴۰۷۵ ۱۰۲۳ (۲) رسالہ مناظرہ مسلمان با ہندو، ورق ۶۵

۱۰۵-	۴۰۸۰	۱۰۲۸	(۱) قیامت نامہ، قیاض الحق۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء (مطبوعہ کی نقل)، ورق ۱۲
			(۲) ہزار مسائل ہندی، اکتوبر ۱۸۶۱ء، ورق ۲۸
			(۳) تحفۃ المسلمین، مصلح الدین میرٹھی۔ اپریل ۱۸۶۱ء، ورق ۳۷
۱۰۶-	۴۰۹۳	۱۰۴۱	سب رس، ملّا وجیہ الدین وجہی (دکنی اُردو) نوشتہ ۱۲۵۳ھ
۱۰۷-	۴۱۱۳	۱۰۶۱	(۷) مناجات بخدمت پیر دستگیر، ایک صفحہ
۱۰۸-	۴۱۴۲	۱۰۷۰	(۱) مسدّس کبریا (تضمین بر پندنامہ سعدی) تالیف ۱۲۸۳ھ
۱۰۹-	۴۱۷۱	۱۱۱۸	سرمکنون، فقیر اللہ، سال تالیف ۱۲۰۶ھ۔
۱۱۰-	۴۱۷۸	۱۱۲۵	ملفوظات یعنی ارشاد حضرت شاہ اعظم حسین مصطفوی بزبان دکنی بخط غلام رسول ۱۲۲۷ھ
۱۱۱-	۴۱۷۹	۱۱۲۶	فرس نامہ رنگین، ناقص الاوّل
۱۱۲-	۴۲۱۷	۱۱۶۴	مناجات، ورق
۱۱۳-	۴۲۴۱	۱۱۸۸	(۱) معجزہ حضرت رسولؐ
			(۲) دیگر معجزہ رسولؐ
۱۱۴-	۴۲۵۴	۱۲۰۱	مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال ناقص الطرفین
۱۱۵-	۴۲۵۵	۱۲۰۲	(۱) تفسیر فاتحہ، مراد اللہ انصاری سنبھلی تالیف ۴۵-۱۱۸۴ھ، ورق ۱-۵۰
			(۲) شبیہ اُردو، ورق ۵۱-۶۲
			(۳) فقہ اکبر (مطبوعہ کی نقل) ورق ۶۳-۷۰
			(۴) تحفۃ العجم فی فقہ امام اعظم ترجمہ اُردو، ورق ۵۶ محمد سلطان خاں تالیف ۱۲۵۲ھ نوشتہ ۱۲۵۹ھ ورق ۷۵-۱۳۰
۱۱۶-			(۶) چند دعائیں مع ترجمہ اُردو، ورق ۲۳۹-۲۴۲
			(۷) طب نبویؐ ورق ۲۴۳-۳۰۶
			(۸) گلدستۂ رنگین، نوشتہ ۱۲۵۹ھ ورق ۳۰۹-۳۱۱

۱۱۷-	۴۲۸۴	۱۲۳۱	عقائد الاحمدیہ فی رد وھابیہ، ورق ۱-۶۸
۱۱۸-	۴۲۸۵	۱۲۳۲	(۲) تاریخ عالی نوشتہ ۱۳۲۲ھ (تاریخ راؤسندھیا
۱۱۹-	۴۲۸۸	۱۲۳۵	مثنوی میرحسن بقلم غلام غوث گگے زئی ۱۲۲۴ھ
۱۲۰-	۴۲۹۱	۱۲۳۸	رسالہ بیان میں سوالات گڈوین عیسوی اور جوابات محمد ہادی کے ۱۲۴۲ھ۔
۱۲۱-	۴۲۹۶	۱۲۴۳	(۱) قصہ سپاہی، بقلم محمد حسین برائے کریم اللہ خان ۱۲۶۶ھ
			(۲) مثنوی از امیر در شہادت حسین، کریم اللہ خان
۱۲۲-	۴۳۰۷	۱۲۵۴	(۱) نوردہ نام باری تعالیٰ مع ترجمہ اُردو
			(۲) حقیقت الصلوٰۃ، از حضرت سید احمد صاحب ۱۲۵۱ھ (مطبوعہ ۱۲۲۷ھ کی نقل)
			(۳) قیامت نامہ، اصل فارسی از مولوی رفیع الدین ترجمہ نیازی۔
			(۴) مفتاح الجنت، کرامت علی، نظرثانی در ۱۲۴۳ھ
۱۲۳-	۴۳۱۰	۱۲۵۷	مجموعہ آثار محشر از محمد علی محمد بخش نوشتہ ۱۲۵۲ھ نوشتہ مصنف مع چار رسائل دیگر۔
۱۲۴-	۴۳۱۱	۱۲۵۸	(۱) چھچی نامہ بزبان دکنی نوشتہ ۱۱۶۱ھ
			(۲) قصہ ابراہیم ادھم
			(۳) آمدن نامہ
			(۴) منظوم قصے دکنی اُردو
۱۲۵-	۴۳۱۲	۱۲۵۹	مظہر العجائب در طب، از سید فخر الدین ولد مفتی نور الہدیٰ متوطن بلدہ محمد آباد عرف بنارس، ورق ۱۵۸
۱۲۶-	۴۳۲۳	۱۲۷۰	قصہ نونہال وگلبدن
۱۲۷-	۴۳۲۴	۱۲۷۱	گنج شہیداں، غوث بٹالوی، ناقص الطرفین ورق ۳۲۶
۱۲۸-	۴۳۳۷	۱۲۸۴	عقائد عظیم مولانا محمد رمضان شہر مہمی بخط محمد فاضل آہنگر، ۱۲۵۶ھ

ورق ۲۱۲

۱۲۹-	۴۳۴۲	۱۲۹۰	بیاض اشعار (نثر و نظم فارسی و اُردو)
۱۳۰-	۴۳۴۴	۱۲۹۱	رسالہ نظم در تصوف، پنجاب میں لکھا گیا، ناقص الطرفین۔
۱۳۱-	۴۳۴۷	۱۲۹۴	رد ہندو، مولانا اسماعیل کوکن تالیف ۱۲۶۰ھ نقل از طبع بمبئی، ورق ۵۴
۱۳۲-	۴۳۵۳	۱۳۰۰	احوال نواب قائم خاں یعنی تاریخ قائم خانیاں، تراب علی تراب نوشتہ ۱۲۵۸ھ بخط ٹھاکر پرشاد، در حیدرآباد۔
۱۳۳-	۴۳۵۴	۱۳۰۱	(۱) تفسیر مرتضوی از، پسر شاہ تمیور (؟)، شاگرد مولوی برکت اللہ، نوشتہ ۱۱۹۴ھ بعہد آصف الدولہ
			(۲) تنبیہ الغافلین، سید احمد ورق ۵۷-۸۶
۱۳۴-	۴۳۵۵	۱۳۰۲	تفسیر پارہ عم
۱۳۵-	۴۳۵۶		(۲) تنبیہ الغافلین سید احمد
			(۳) مخمس، مولوی فتح اللہ بخط محب اللہ خان
			(۴) چہار قصائد از محمد یعنی سید محمد علی پدر سید نور الہدیٰ
۱۳۶-	۴۳۶۴	۱۳۱۲	(۱) خلاصۃ العقائد، ۱۲۷۹ھ کاتب سید حسین شاہ ورق ۱۴
			(۲) قرۃ العیون (شرح سرور المحزون) تالیف ۱۲۷۱ھ بعہد نواب فیروز الدولہ نقل کردہ ۱۲۸۹ھ، ورق ۱۶-۴۹۷
۱۳۷-	۴۳۶۵	۱۳۱۳	مثنوی مسمی صیدیہ از صبا (شکار نامہ)
۱۳۸-	۴۳۶۶	۱۳۱۴	زاد الآخرۃ یعنی تفسیر منظوم اُردو تا سورۃ آل عمران بخط مولف و بعد بکتابت...
۱۳۹-	۴۳۶۷	۱۳۱۵	وصیت نامہ پیر مرتضیٰ رام پوری غالباً مسودہ مصنف
۱۴۰-	۴۳۶۸	۱۳۱۶	(۱) اردو ترجمہ (؟) رسالہ فارسی در رسوم بدعتیاں ورق ۱-۵۷
			(۲) ترجمہ چہل حدیث بروایت شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی ورق ۵۸-۷۴

۱۴۱-	۴۳۶۹	۱۳۱۷	زائد غریب، عرف ماہ معرب از نواب محمد عمر علی خان والی باسورہ بقلم اسد علی نوشتہ ۱۳۰۵ھ۔
۱۴۲-	۵۳۰۱	۱۳۱۹	(۱) تائید الاسلام، مولانا سید محمد علی نوشتہ ۱۲۷۲ھ بخط مصنف ورق ۱-۴
			(۲) دلبر واعظین، بزبان سید ممدوح بخط خورشید، ۱۲۷۳ھ ورق ۵-۲۸
			(۳) قصہ سیمرغ یا حکایت موسیٰ علیہ السلام، بخط غلام سکندر خان ۱۲۶۴ھ۔ ورق ۲۹-۳۹
۱۴۳-		۱۳۲۰	(۱) رسالہ در تائید اہل حدیث و تردید اہل بدعت، عبد الحق قریشی ناقص الطرفین (نسخہ مصنف معلوم ہوتا ہے)
			(۲) استفتائے سارس
۱۴۴-	۴۳۷۲	۱۳۲۱	رسالہ نماز و تفسیر محمد۔ ہندی زبان میں حضرت سید احمد صاحب کی زبان فیض ترجمان سے مولانا عبد الحی صاحب نے تحریر کروائی، ۱۲۳۷ھ میں بدر علی صاحب کے چھاپے خانے میں چھپی، یہ رسالہ اس کی نقل ہے۔
۱۴۵-	۴۳۷۶	۱۳۲۵	(۲) خواب نامہ رسول از شاہ عبد الحکیم، ۱۲۷۹ھ، بخط عنایت اللہ ورق ۱۴-۱۷
۱۴۶-	۴۳۸۲	۱۳۳۱	مثنوی دکنی: سے لے روپ تیرا رتی ہے پربت پربت پتی ہے در عہد اورنگ زیب تالیف شد نقل ۱۲۶۸ھ۔ کاتب محمد بہاؤ الدین خان
۱۴۷-	۴۳۸۴	۱۳۳۳	(۱) مثنوی در بحر سرح مثمن سالم، ورق ۳۳-۴۲
			(۲) وفات نامہ رسولؐ از عبد الملک تالیف ۱۰۸۷ھ دکنی ورق ۴۳-۲۰۹
			(۳) ترجمہ احادیث از شیخ محمد جعفر بقلم شیخ محمد یعقوب ابن شیخ

			فتح محمد نقل ۱۲۳۷ھ ورق ۱۰۶-۱۲۴
۱۴۸-	۴۳۸۵	۱۳۳۴	(۴) ایجاد رنگین، نواب سعادت یار خان رنگین، کاتب دیوان چند ستمبر ۱۹۱۲ء، ورق ۴۶-۷۸
			(۵) خوشی نامہ، آئینہ نامہ، غم نامہ و نفری نامہ (اردو کلام نظیر اکبر آبادی)، ورق ۷۹-۸۶
۱۴۸و-	۴۳۸۶	۱۳۳۶	پیم کہانی نوشتہ ۱۱۲۳ھ بخط محمد کبیر دکنی، سید غلام غوث محی الدین قادری۔
۱۴۹-	۴۳۸۸	۱۳۳۷	چمن سیر یعنی قصہ مرغ زریں از احمد سرہندی، تالیف ۱۲۳۰ھ، بخط ہدایت اللہ (نمونہ اردوی پنجاب)
۱۵۰-	۴۳۹۰	۱۳۳۹	بیاض تحسین مشتمل بر اشعار اردو و پنجابی بخط مصنف ۱۲۲۶ھ
۱۵۱-	۴۳۹۲	۱۳۴۱	فقر ہندی از شیخ عبداللہ انصاری ۱۲۴۷ھ (اردو/پنجابی)
۱۵۲-	۴۳۹۹	۱۳۴۸	تحفۃ الفصائح، شیخ یوسف، تالیف ۹۵۷، کا ترجمہ دکنی میں، بدست یکی از غلامان شاہ ابوالحسن در ۱۰۲۵ھ نوشتہ محمد شمس الدین ۱۲۶۱ھ
۱۵۳-	۴۴۰۰	۱۳۴۹	قصہ زہرہ و بہرام تالیف ۱۱۵۴ھ از صدیق بفرمائش قاضی عبدالنبی۔
۱۵۳و-	۴۴۰۱	۱۳۵۰	قصہ تمیم انصاری۔ غلام رسول فدا تخلص
۱۵۴-	۴۴۰۲	۱۳۵۱	قصہ سیف الملوک و بدیع الجمال از یک شاعر پٹیالہ، نوشتہ ۱۲۶۰ھ در لاہور رگلبدن۔
۱۵۵-	۴۴۰۵		(۲) قصہ مہیار و گلبدن سیف اللہ در عہد شاہ عالم بادشاہ ورق ۳۶-۶۶
			(۳) قصہ لعل و گوہر، از عاجز نوشتہ ۱۲۲۳ھ ورق ۶۷-۸۵
۱۵۶-	۴۴۱۵	۱۳۶۴	(۱) قصہ یوسف زلیخا، از احمد علی متوطن تھانہ جلال آباد
۱۵۷-	۴۴۱۶	۱۳۶۵	(۱) جہیز نامہ حضرت فاطمہؓ شاہ عبدالحکیم

(۲) غم نامہ

(۳) مثنوی سمجھ بوجھ

۱۵۸- ۴۴۱۷ ۱۳۶۶ (۲) معراج نامہ

(۳) سی حرفی

۱۵۹- ۴۴۱۸ ۱۳۶۷ قصائد و چند مخمس، محمد جان جو حضرت شاہ غلام قادر بٹالوی متوفی ۱۱۷۲ھ کے سلسلے میں، بخط مصنف (اردو/فارسی)

۱۶۰- ۴۴۱۹ ۱۳۶۸ بلبل باغ نبیؐ، شاہ محمد رمضان ۱۲۷۹ھ، بقلم عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش۔

۱۶۱- ۴۴۲۰ ۱۳۶۹ تحفہ پنجاب از اجودھیا پرشاد تحصیلدار متوطن لاہور حسب الحکم میجر جارج میگریگر بحوالہ بورڈ آف ایڈمنسٹریشن پنجاب (اردو، فارسی اور پنجابی)

۱۶۲- ۴۴۲۱ ۱۳۷۰ طلسم حکیم - اشراق و روشن ضمیر جس کو صاحبزادہ اصغر بدر منیر نے فتح کیا ترجمہ از اصل بوستان از مہدی علی ذکی حسب الحکم نواب محمد سعید خان بہادر والی رام پور ناقص الطرفین۔

۱۶۳- ۴۴۲۲ ۱۳۷۱ رام پور، ناقص الطرفین دیوان احمد خان غفلت رام پوری در عہد نواب احمد علی خان۔

۱۶۴- ۴۴۲۳ ۱۳۷۲ (۱) پرتم قصہ تیرہ ماسہ از اکرم قطبی تالیف ۱۱۲۳ھ در زبان ہریانی بخط عنایت اللہ ۱۲۷۹ھ

(۷) تحفۃ المحسنین از محمد احسن صدیقی ۱۲۸۰ھ کاتب عنایت اللہ۔

۱۶۵- ۴۴۳۲ ۱۳۸۱ دیوان عشق پیچہ، ناقص الاخر، نوشتہ بعد از ۱۲۶۵ھ

۱۶۶- ۴۴۳۳ ۱۳۸۲ حاتم نامہ، از خلیفہ عارف قصوری، تالیف ۱۲۳۸ھ (اردو/پنجابی)

۱۶۷- ۴۴۳۶ ۱۳۸۵ آئینہ کالپی، خواجہ عنایت اللہ بن خواجہ حشمت علی، تالیف ۱۳۰۵ھ بخط محمد علی خلف مولوی محمد سعد اللہ کالپوی۔

۱۶۸- ۴۴۴۴ ۱۳۹۲ اخبار حسن در حالات روسا ملک . . . از محمد حسن رضا خان خلف محمد

کامگار خان ولد محمد الہ یار خان ولد حافظ رحمت خان، نوشتہ ١٢٥٠ھ - ١

١٦٩-	٤٤٤٧	١٣٩٦	تاریخ نظامیہ، شیخ نظام الدین
١٧٠-	٤٤٤٨	١٣٩٧	(١) وفات نامہ نبیؐ ورق ١-١٤
			(٢) نسخہ معجزہ ١٢٧١ھ، ورق ١٥-٢٨
			(٣) مختصر منظوم در فقہ، از بسمل ورق ٢٩-٣٨
			(٤) نور نامہ از میاں محبوب عالم متوطن قصبہ بھمبر بخط سید نجم الدین عرف نجف علی، ورق ٤٠-١١٦
١٧١-	٤٤٤٩	١٣٩٩	تولد نامہ نوشتہ ١٢٧٦ھ، بخط نادر شاہ نقشبندی ورق ٩٨
١٧٢-	٤٤٥٢	١٤٠٢	مثنوی جادوی رواں از محمد معصوم علی سیماب امروہوی تالیف ١٣١٣
١٧٢و-	٤٤٦٢	١٤١٥	مثنوی میر حسن نوشتہ فروری ١٨١٧ء بمقام بنارس بخط باکشن مثنوی گلزار فقر غلام محی الدین، تالیف ١١٣١ھ، ورق ١٣
١٧٣-	٤٤٧٦	١٤٢٦	مثنوی جادوی رواں از محمد معصوم علی سیماب امروہوی تالیف ١٣١٣
١٧٤-	٤٤٧٧	١٤٢٧	(٢) مثنوی گلزار فقر از غلام محی الدین میرپوری، تالیف ١١٣١ھ
١٧٥-	٤٤٨٢	١٤٣٢	قصہ زہرہ و بہرام
١٧٦-	٤٤٨٣	١٤٣٣	حالات و کوائف فرید آباد یا قصبہ بانسٹھ موسوم "ہدیۃ الناظرین" از مفتی احمد حسن ولد مفتی شہاب الدین احمد ساکن قصبہ بچھرالوں، ضلع مرادآباد
١٧٧-	٤٤٨٥	١٤٣٥	دیوان قادر (اردو و فارسی) ورق ١-٥٩
١٧٨-	٤٤٩٤	١٤٤٥	کشف الخلاصہ از مولوی میر شجاعت الدین ١٢٤٦ھ بدست میر احمد علی در حیدرآباد، ورق ٢٥
١٧٩-	٤٥٠٧	١٤٥٧	(٢) محبت زر از نظیر
			(٣) جوگی نامہ و معجزۂ رسولؐ
			(٤) تولد نامہ بخط کریم بخش ولد حافظ لقمان
			(٥) معجزہ پیغمبرؐ

(۶) قصہ فاختہ و باز

(۷) معجزہ ہرنی

(۸) معجزہ پیغمبر شاہ یمن

(۹) معجزہ دردسر از تھانیسری

(۱۰) نماز نامہ

(۱۱) معجزہ ساپن از تھانیسری

(۱۲) قصہ ماہی

(۱۳) قصہ کشتی نامہ رسولؐ از نحو تالیف ۱۲۴۶ھ

(۱۴) ڈنکا نامہ

(۱۵) معراج نامہ دکنی از بلاقی

(۱۶) وفات نامہ از حافظ عزیز

(۱۷) خواب رسولؐ

(۱۸) حکایت عابد

(۱۹) قصہ مہتر ابراہیم

(۲۰) پندنامہ از رحمت اللہ

(۲۱) سنجات نامہ سیدنگر از محمد امین ایاغی

(۲۲) کرامت حنیق، شمشاد شاہ

(۲۳) قصہ جمعہ

۱۸۰- ۴۵۲۹ ۱۴۷۹ بیاض نظم و نثر فارسی و قدرے ریختہ، پرتاپ سنگھ ولد حکومت رائے ۹ جلوس محمد شاہ

۱۸۱- ۴۵۳۰ ۱۴۸۱ بیاض اشعار اردو

۱۸۲- ۴۵۵۵ ۱۵۰۵ دیوان ولی محمد ولی اورنگ آبادی ۸ جلوس محمد شاہ در احمد آباد ورق ۱۰۱

۱۸۳- ۴۵۵۶ ۱۵۰۶ (۱) دیوان، مہدی علی ذکی مراد آبادی غالباً نسخہ، مصنف ناقص الاخر۔

۱۸۴-	۴۵۵۷	۱۵۰۷	بخشش نامہ حافظ احسن اللہ لاہوری، بخط مصنف تالیف ۱۲۱۳ھ ناقص الآخر
۱۸۵-	۴۶۴۴	۱۵۹۴	مثنوی عشقیہ از رضی۔ اس میں ناصر الدولہ، امیر الدولہ اور دوسرے اشخاص کا ذکر آتا ہے۔
۱۸۶-	۴۶۷۶	۱۶۲۵	مثنوی رمز العشق تصنیف حضرت غلام نادر شاہ ساکن بٹالہ ۱۲۰۴ھ
۱۸۷-	۴۶۸۶	۱۶۳۵	دیوان ناسخ، بالوح و عنوان۔ یہ نسخہ معاصر ہے۔
۱۸۸-	۴۶۸۹	۱۶۳۸	مقیاس الاشعار، اوج لکھنوی، نسخہ مصنف
۱۸۹-	۴۸۱۴	۱۷۹۴	(۳) رسالہ در تجوید قرآن
۱۹۰-	۴۸۱۶	۱۷۹۶	بیاض غزلیات، ناقص الطرفین
۱۹۱-	۴۸۱۹	۱۷۹۹	مذہب عشق، نہال چند لاہوری معروف بہ قصہ گل بکاؤلی نوشتہ ۱۲۵۱ھ
۱۹۲-	۴۸۳۰	۱۸۱۰	(۱) وفات نامہ نبیؐ۔ حافظ عزیز، بخط امانت علی ۱۲۲۹ھ ورق ۱-۳۰ (دکنی اُردو)
۱۹۳-			(۲) معراج نامہ، محمد بلاقی ۱۲۳۳ھ، بخط امانت علی (دکنی اُردو) سر مکنون، فقیر اللہ، ۱۲۵۸ھ۔
۱۹۴-	۴۸۳۴	۱۸۱۴	(۳) رمز العشق۔
۱۹۵-	۴۸۴۱	۱۸۲۱	مثنوی عشقیہ، اعجاز شاگرد مرزا محمد رضا، ناقص الاول غالباً مسودہ مصنف
۱۹۶-	۴۸۴۲	۱۸۲۲	قصہ جم بادشاہ، جعفر (دکنی اُردو)
۱۹۷-	۴۸۴۵	۱۸۲۵	(۷) بندھائے مرثیہ
۱۹۸-	۴۸۴۸	۱۸۲۸	معجزہ پیغمبر، محمد عظیم
۱۹۹-	۴۸۶۹	۱۸۴۹	مثنوی مہیار و چندر بدن
۲۰۰-	۴۸۷۶	۱۸۵۶	باب چہارم تزک افغانی در حالات مالوہ، ابو الفضل محمد عباس خان شیروانی
۲۰۱-	۴۸۸۲	۱۸۶۲	مثنوی سحر البیان، ناقص الطرفین
۲۰۱ا-	۴۸۹۴	۱۸۸۲	دیوان غالب، معروف، نسخہ شیرانی ورق ۱۰۹

۲۰۲-	۴۸۹۸	۱۸۸۶	قصیدہ روضہ حسینؑ۔ عبداللطیف درحالات حضرت امام حسینؑ، ۱۱۸۵ھ نسخہ معاصر معلوم ہوتا ہے۔
۲۰۳-	۴۹۰۴	۱۸۹۲	(۱) روضۃ الصالحین، غلام حسن، تالیف ۱۲۰۸ھ (۲) رسالہ صوم مسمی بہ حدیقہ ہندی، غلام حسن متوفی ۱۲۲۸ھ، بخط حاجی محمد علی۔
۲۰۴-	۶۹۰۶	۱۸۹۴	نسخہ رشک چمن از محفوظ بطرز سحرالبیان، تالیف ۱۲۳۸ھ
۲۰۵-	۶۹۲۰	۱۹۰۸	بازنامہ، ورق ۸
۲۰۶-	۴۹۳۵	۱۹۲۲	(۱) وفات نامہ، میاں مکرم علی، نوشتہ ۱۲۵۸ھ (۲) کتاب معجزہ حضرت رسالت پناہؐ (۳) قصہ حضرت اسماعیلؑ، میاں احمد (۴) قصہ جمجمہ، ۱۲۵۸ھ (۵) ساپن نامہ، ۱۲۵۸ھ (۶) مسافر نامہ میاں جعفر یعنی جعفر زٹلی (۷) تولد نامہ، ۱۲۵۸ھ (۸) نور نامہ، ۱۲۵۸ھ (۹) وفات نامہ حضرت خیر النسا
۲۰۷-	۴۹۳۶	۱۹۲۴	وسیلۃ القاری، حافظ کریم اللہ خان
۲۰۸-	۴۹۳۷	۱۹۲۵	دہ مجلس از ولی دکنی ویلوری، ناقص الطرفین
۲۰۹-	۴۹۷۷	۱۹۶۵	جنگ نامہ امام حسینؑ از نجیب بخط سید اکبر علی، در ۱۲۸۳ھ
۲۱۰-	۴۹۸۳	۱۹۷۱	وصال العاشقین، عبداللہ چشتی الحسنی الحسینی ساکن بنارس متولی مزار مولانا محمد علی حزیں ورق ۱۵۴ (۱) تنبیہ الغافلین، عبداللہ ولد سید بہادر علی نقل از مطبوعہ ورق ۱۵۴
۲۱۱-	۴۹۸۴	۱۹۷۲	(۲) حقیقۃ الصلوٰۃ، سید احمد صاحب، نقل از مطبوعہ

۲۱۲-	۴۹۸۶	۱۹۷۴	وفات نامہ حضرت رسولؐ خدا
۲۱۳-	۵۰۲۳	۱۹۷۶	(۲) تنبیہ الغافلین، ورق ۱۴-۱۴۹
۲۱۴-	۵۰۲۴	۱۹۷۷	نورنامہ، عنایت شاہ، ورق ۱۵۰-۲۰۹
۲۱۵-	۵۹۹۱	۱۹۸۱	مثنوی شور، شعور شاہ، نوشتہ ۱۲۹۵ھ
۲۱۶-	۴۹۹۴	۱۹۸۴	(۱) مثنوی میر حسن، ورق ۱-۶۳
			(۲) قصہ لعل و گوہر، ۶۴-۸۴
			(۳) قصہ سوداگران، ۸۴-۸۷
			(۴) قصہ پٹھان و باہمی، ۸۸-۹۲
۲۱۷-	۵۰۰۴	۱۹۹۴	دیوان آفریدی، ۱۲۲۵ھ، ورق ۵۳
۲۱۸-	۵۰۶۶	۲۰۵۵	بعد صد ہندی یعنی ترجمہ حافظی از فاضل خان بخط بہادر حسین ۱۲۰۶ھ ۵۱ ورق
۲۱۹-	۵۰۸۶	۲۰۷۴	مثنوی یوسف زلیخا از امین بزبان گوجری تالیف عہد اورنگ زیب عالمگیر ۱۱۰۹ھ، ۱۲۸ ورق
۲۲۰-	۵۰۹۵	۲۰۸۳	تواریخ مراد از سید مراد شاہ سابق پولیٹکل ایجنٹ چیف جج ریاست بہاولپور
۲۲۱-	۵۱۰۴	۲۰۹۱	بیاض اُردو، با مہر مول چند
۲۲۲-	۵۱۱۷	۲۱۰۵	قصہ حضرت ابراہیم بطرز عشرت و عبرت، ورق ۱۷
۲۲۳-	۵۱۱۹	۲۱۰۷	القوانین در صرف و نحو فارسی از گربند لال صبا (؟)، غالباً بخط مصنف ابتدائی چند ورق کرم خوردہ ہیں۔
۲۲۴-	۵۱۳۷	۲۱۲۱	واحد باری (فارسی/اُردو)
۲۲۵-	۵۱۵۱	۲۱۳۹	اعظم باری، عظمت اللہ بن یار محمد ساکن ننکل نانک عرف مودھل ہند تپہ بیر دکہ دھاکا نز محلہ شہر بٹالا در عہد محمد شاہ بادشاہ ۱۱۵۷ھ نوشتہ ۱۲۳۵ھ، ۱۸۵۷ء، ہیر وارث شاہ میں اعظم باری کا ذکر آتا ہے۔
۲۲۶-	۵۱۵۷	۲۱۴۵	(۲) متعہ و نکاح ملا دو پیازہ، ورق ۲

(۶) ریختہ میر محمود ...

۲۲۷-	۵۱۵۸	۲۱۴۶	معجزہ شریف از حضرت نبویؐ، جان محمد تھانیسری
۲۲۸-	۵۱۷۵	۲۱۶۴	(۱) قصہ سوداگر بچہ نوشتہ ۱۲۱۰ھ بردست سید حسان علی ورق ۱-۷ (۲) قصہ مہیار وچندربدن از مقیمی دکنی بخط حسین خان ولد رستم خان ساکن قصبہ مالپیرہ (دکنی اُردو) (۳) قصہ نواب کالے خان کہ در سانبھر فوجدار شدہ آمدہ بود من تصنیف مرزا احمدیار ورق ۳۸-۴۱ (۵) مخمس در مذمت طرہ باز خان از بینوا، ورق ۴۱-۴۲ (۷) مخمس بر غزل، ورق ۴۴
۲۲۹-	۵۱۹۹	۲۱۸۸	کتاب فقہ نظم دکنی موسوم ۰۰ از سید محمد ساکن تھروٹ نگر گاؤں
۲۳۰-	۵۱۹۹	۲۱۸۸	ہزار سائل ہندی از محمد علی ابن مخدوم صدیقی قریشی بقلم امام خان یوسف زئی ۱۲۷۴ھ/
۲۳۱-	۵۲۰۰	۲۱۸۴	دیوان میر تقی دہلوی واحد الجر
۲۳۲-	۵۲۰۱	۲۱۹۰	واسوخت شعرا، ناقص الاول
۲۳۳-	۵۲۰۲	۲۱۹۲	مثنوی بستان العارفین من تصنیف مولوی قاسم علی برادر مولوی رائق علی ساکن بدائیون بخط مصنف ۱۲۷۹ھ مقام شاہ جہان پور۔
۲۳۴.	۵۲۱۴	۲۲۰۴	اعجاز احمدی جلد اول و دوم از شیدا
۲۳۵-	۵۲۱۸	۲۲۰۸	گل مغفرت انتخاب گلشن شہیدان ترجمہ "روضۃ الشہدا" از حیدر بخش حیدری در ۱۲۲۷ھ بفرمائش سید حسین علی جونپوری نوشتہ ۱۲۵۸ ناقص الاول
۲۳۶-	۵۲۲۰	۲۲۱۰	کتاب در دو صحابہ و حمایت مذہب سنت و جماعت ناقص الاخر ورق ۱۶۴
۲۳۷-	۵۲۲۲	۲۲۱۲	بیاض ریختہ آغاز شد بغزل سے اب رفتہ رفتہ دل کو خدا شاد کیجو
۲۳۸-	۵۲۲۶	۲۲۱۶	استغنا در باب ایک شخص جو لاہوں کا ملا ساکن بوندی یزید کو خلیفہ

			اور امیر المومنین کتابے" ورق ۲۲
۲۳۹-	۵۲۳۵	۲۲۲۵	مثنوی بحر الحقیقت من تصنیف مولوی ابو الحسن ولد مولانا الٰہی بخش ساکن قصبہ کاندھلہ تالیف ۱۲۵۰ھ بقلم ولیداد خان ولد منشی نادر داد خان باوراق دیمک خوردہ در وسط
۲۴۰-	۵۲۴۰	۲۲۳۰	منور الایمان فی رد مسیح قادیان تصنیف میر سید حسین شاہ بخط مصنف ۱۳۱۸ھ نقل مطبوعہ
۲۴۱-	۵۸۴۲	۲۲۳۲	فتح نامہ علیؑ اسد اللہ الغالب از سید قاسم علی بن رستم علی سکنہ چھپاری عاصی تخلص تالیف ۱۳۰۸ھ بقلم احمد شاہ مطبع کی کاپی معلوم ہوتی ہے۔ ۵۰ صفحات
۲۴۲-	۵۲۴۳	۲۲۳۳	فرس نامہ رنگین، سعادت یار خان رنگین ۱۲۴۲ھ
		۲۲۳۷	شہید کربلا کی ہے سواری یا سواری امام حسینؑ از محمود تالیف ۱۲۰۹ھ در قلعہ شاہ آباد بخط شرف الدین ولد میاں قائم الدین ساکن فیروز پور ۱۸۵۹ء مطابق ۱۲۷۶ھ
۲۴۳-	۵۲۵۴	۲۲۴۴	دیوان غالب الٰہی بخش خاں معروف ناقص الطرفین
۲۴۴-	۵۲۵۶	۲۲۴۶	(۱) جنگ نامہ نواب غلام محمد خاں با انگریزاں ... ۸ ورق (۳) بارہ ماسہ از مصنف نامعلوم، ۱۲۲۳ھ، ورق ۱۷ (۵) بارہ ماسہ از افضل ورق ۱۱ (۶) اشعار از جنگ نامہ ۵۷
۲۴۵-	۵۲۶۷	۲۲۵۷	مثنوی رمز العشق از شاہ غلام قادر
۲۴۶-	۵۲۷۱	۲۲۶۱	رسالہ عین القضاہ ہمدانی
۲۴۷-	۵۲۷۳	۲۲۶۳	حجت مجت استوار در رد وہابیہ
۲۴۸-	۵۲۷۵	۲۲۶۵	تواریخ ضلع جہلم
۲۴۹-	۵۲۷۷	۲۶۶۷	(۱) خاندان خواجہ محمد خان رئیس خٹک ورق ۱-۵

(۲) نسب نامہ و تاریخ صاحبان بنگر ورق ۵ب-۲۴

(۳) نسب نامہ و تاریخ خاندان عجیب سنگھ تحصیلدار کوہاٹ، ۲۴ب-۲۴

(۴) نسب نامہ و تاریخ خاندان غلام حیدر خان کیانی، ۲۴ب - ۳۸

۲۵۰- ۵۲۷۸ ۲۲۶۹ یادداشت بابت خاندانہائے رؤسائے پنجاب ۷۲ ورق

(۱) ہری سنگھ رئیس کھرڑی

(۲) سردار صالح محمد خان بہادر

(۳) صاحب سنگھ و کشن سنگھ

(۴) خاندان جرت سنگھ کرسی نامہ وغیرہ

(۵) خاندان سکندرہ

(۶) ریاست کوٹلہ نہنگ پرگنہ روپڑ ضلع انبالہ

(۷) راجہ گور بخش سنگھ

(۸) جیون سنگھ رئیس

۲۵۱- ۵۲۸۱ ۲۲۷۱ (۱) نسب نامہ و تاریخ خاندان سید گل بادشاہ پسر سید قاسم شاہ جیلانی

(۲) جعفر خان خٹک

(۳) سید احمد شاہ ولد مبارک شاہ بنوری

(۴) خاندان موہان خان

(۵) خاندان لونڈیوالہ ۔۔ اس جلد میں تقریباً ضلع پشاور کے تمام روسا کا ذکر ہے۔

۲۵۲- ۵۲۸۲ ۲۲۷۲ احوال رئیسان متعلقہ لاہور و امرتسر، کرم خوردہ

۲۵۳- ۵۲۸۳ ۲۲۷۳ کذب تاریخ ضلع انبالہ، کرم خوردہ

۲۵۴- ۵۲۸۸ ۲۲۷۹ بیاض بطرز فخری کلام اساتذہ فارسی مع تضمین اردو

اندراج نمبر — مخطوطات شیرانی (قسط دوم)

۲۵۵- ۵۶۳۱ بیاض اشعار فارسی و اردو

۲۵۶- ۵۶۶۲ مارو کی لڑائی، رام چرن لال محزون، ورق ۱۵ (ہندی/اردو)

۲۵۷- ۵۶۶۳ مثنوی سحر البیان (قصہ بے نظیر و بدر منیر)، میر حسن دہلوی، ورق ۵۱، ناقص الاخر

۲۵۸- ۵۶۶۷ ترجمہ یوسفیہ (بحر الرانی کا ترجمہ)، میر یوسف علی، سن تالیف ۱۱۹۹ھ سن کتابت
۱۲۵۹ھ، ورق ۷

۲۵۹- ۵۶۸۷ رسالہ در نجوم، قمر الدین سال تالیف ۱۳۳۱ھ، صفحات ۵۶
(۴) انوار النجوم، صفحات ۳۴
(۶) کشاف النجوم، صفحات ۳۵
(۷) انتخاب از نیر اعظم، صفحات ۱۶

۲۶۰- ۵۶۸۸ مفتاح الادب، عبید اللہ العبیدی، سال تالیف ۱۸۶۶ء سال کتابت ۱۸۶۶ء،
ورق ۴+۵۴+۳۱

۲۶۱- ۵۶۹۲ مثنوی بدر منیر، غلام حسین، ورق ۷۰

۲۶۲- ۵۶۹۷ (۲) فرہنگ (عربی/فارسی/اردو)

۲۶۳- ۵۷۰۴ دیوان رونق، احمد علی رونق، صفحات ۱۵۴

۲۶۴- ۵۷۱۱ (۱) عروض زاہدیہ، غلام حسن ابن غلام رسول، سال تالیف ۱۲۶۶ھ، ورق ۸

۲۶۵- ۵۷۱۲ نو طرز مرصع (قصہ چہار درویش) محمد حسین عطا خان تحسین ابن محمد باقر شوق
ورق ۱۴۰

۲۶۶- ۵۷۱۳ (۳) مثنوی، ورق ۸-۷۰
(۴) ہندی نظم، کبوپت (ہندی/اردو)

۲۶۷- ۵۷۲۰ نصیحۃ المسلمین (ہدایت المومنین) حسن قنوجی، سال کتابت ۱۲۰۵ھ، ورق ۳۲

۲۶۸- ۵۷۲۸ (۳) کنز المصلی، ۸ ورق

۲۶۹- ۵۷۳۶ ارکان ہدایت، ۳۰ ورق

٢٧٠- ٥٧٣٨ معراج نامہ، ورق ١٣٢

٢٧١- ٥٧٤٥ بیاض نثر و نظم (فارسی / عربی / اُردو)

٢٧٢- ٥٧٤٧ تحقیق الحقیقت (در ردِ وہابیہ) سال تالیف ١٢٦٧ھ، ورق ٣٦

٢٧٣- ٥٧٦١ (١) بکٹ کہانی (ناتمام)، ورق ٣

(٢) مرثیہ از شیخ امام بخش مع دیگر مراثی، ورق ٢٩

(٣) واقعہ وصال آنحضرتؐ (ناقص الاوّل، و وفات حضرت فاطمۃ الزہرہؑ، ناقص الاخر

ورق ١٤ -

٢٧٤- ٥٧٦١ (٤) قصہ گلبدن (ناقص الاخر)، ورق ٨

(٥) قصہ عشق پیچان (") " ٨

(٦) دیگر قصہ عشق (") " ٨

(٧) قصہ بادشاہ (") " ١١

(٨) قصہ لعل و بادشاہ (ناقص الاول) " ١٩

(٩) قصہ ہیر و رانجھا " ٢٣

(١٠) قصہ چندر بدن و مہیار " ١٥

(١١) قصہ عجائب از نیک دل " ٢٠

(١٢) قصہ مقصود و پری " ١٥

(١٣) قصہ دیگر " ٩

(١٤) نصاب صبیان " ٢

(١٥) قصہ دیگر " ٧

٢٧٥- ٥٧٦٩ بیاض اشعار فارسی و اُردو مع اوراق دیوان آبرو اُردو

٢٧٦- ٥٧٧١ کارآمد شعرا و تحفہ سخن گویاں، ناقص الطرفین ورق ٤٠

٢٧٧- ٥٧٧٦ (٢) دیوان ہوس، ورق ٣

(٣) خرافات کے تین ورق، ورق ٣

۲۷۸- ۵۷۷۸ بیاض اشعار اُردو/ ہندی مع غزل ابوظفر بہادر شاہ

۲۷۹- ۵۷۹۱ (۱) رموز العشق ناقص الاول اُردو/ فارسی

۲۸۰- ۶۱۹۰ (۸) منظومات فارسی/ اُردو، ورق ۳

(۱۲) سی حرفی، شاہ مراد، ورق ۱۲ (اُردو/ ہندی)

۲۸۱- ۶۱۹۲ پرمتھی سری سربھاگونت، ورق ۲۱۲، ہندی/ اُردو

۲۸۲- ۶۱۹۸ (۲) نغز ہندی (منظوم) ورق ۱۵ (ہندی/ اُردو)

۲۸۳- ۶۲۰۹ نسخہ گلریز، مرتضیٰ، مصنف کا خود نوشت، سال کتابت ۱۲۰۶ھ، ورق ۴۶

(ہندی/ ریختہ)

۲۸۴- ۶۲۳۷ خوان اخوان، مرزا محمد نواب علی خان سال تالیف ۱۳۱۵ھ، صفحات ۸۲

۲۸۵- ۶۲۴۳ دیوان آبرو، ورق ۱۸۵

۲۸۶- ۶۲۵۲ بہارستان ناز، فصیح الدین رنج، سال تالیف ۱۸۶۴ء، تذکرہ شاعرات، ورق ۴۴

۲۸۷- ۶۲۶۸ دیوان دوم آبرو (فصاحت معلی)، اصغر علی آبرو، ورق ۱۰۲

۲۸۸- ۶۲۶۹ امیر نامہ آبرو حصہ اول و دوم، اصغر علی آبرو، ورق ۲۲۵

۲۸۹- ۶۲۷۱ (۱) مراسلات آبرو (ناتمام)، سید اصغر علی آبرو، ورق ۲۵

۲۹۰- ۶۲۷۵ دیوان، آبرو، سید محمد اصغر علی آبرو بنام زبان معلی ورق ۱۱۹

۲۹۱- ۶۲۷۷ دیوان آبرو، سید محمد اصغر علی آبرو، ورق ۸۱ (زبان معلی)

۲۹۲- ۶۲۷۸ دیوان آبرو (زبان کا مزہ، دل کا ولولہ)۔ ورق ۱۹۷ مع تقریظ احمد سعید عاشق

۲۹۳- ۶۲۷۹ مجموعہ کلام سید محمد اصغر علی آبرو

(۱) وسیلہ آبرو (چار بیتی) ورق ۱-۴۱

(۲) اخوان الصفا (مولوی شریف) ورق ۴۳-۱۰۱

(۳) تمیز آبرو ورق ۱۰۳-۱۰۸

(۴) رسالہ ہفت زبان صفحات ۵۸

(۵۴۵ اشعار)

۲۹۴- ۶۲۹۰ شوکت ابراہیمی، احمد سعید بن سید محمد سعید، ورق ۲۶۹

۲۹۵- ۶۲۹۱ (۱) زبان معلّیٰ (دیوان دوم)۔ سیّد محمد اصغر علی آبرو، ورق ۷۶

(۲) مثنوی بے عنوان (حمد باری تعالیٰ) 〃 ۱

۲۹۶- ۶۲۹۲ دیوان سوم آبرو مع تقریظ از احمد سعید خان عاشق، صفحات ۱۸۳

۲۹۷- ۶۲۹۳ (۳) جذبات آتش یا ہندی مسلم کا پیام ترک مجاہد کے نام (منظوم)، شوق علیگ، ورق ۸

(۴) انتخابات لوسٹ منتہم (امیر مینائی و میر احمدی اجمیری کا چیدہ کلام)، ورق ۴۴

(۵) عاشقانہ خطوط کا مجموعہ (منثور اور منظوم)، ناقص الطرفین، ورق ۱۳-۳۴

(۶) تیغ براں (کیف ٹونکی کے کلام پر اعتراضات کے جوابات)، محمد مصباح الدین خان ناصر، صفحات ۱۶

۲۹۸- ۶۳۰۳ کارگزاری سنگ سبھا لاہور بابت نومبر ۱۹۲۴ء، ورق ۱۲

۲۹۹- ۶۳۱۱ (۲) انشائے کار آمد، محمد اصغر علی آبرو، ورق ۱۸۸

۳۰۰- ۶۳۱۲ کار آمد طلبہ، سیّد محمد اصغر علی آبرو، ورق ۲۱۰

۳۰۱- ۶۳۲۷ علاج الکلب، ورق ۲۶

۳۰۲- ۶۳۳۳ (۱) ترجمہ و تشریح رباعی شیخ سعدیؒ، ورق ایک

(۷) مثنوی از شکوہ، ورق ۲۱

(۸) بادشاہ اور چوروں کا قصہ (منظوم) ورق ۵

۳۰۳- ۶۳۳۹ (۱) سانپ نامہ اردو (منظوم)، غنی، ورق ۹

(۲) معجزہ شق القمر (〃) ۴ 〃

(۳) مناجات (〃) ۲ 〃

(۴) کنز المصلی

(۵) معجزہ ہرنی نامہ (منظوم) ۲ 〃

(۶) معجزہ درخت (〃) ۱ 〃

		(۷) رسالہ بے نمازاں (منظوم)	ورق ۶
		(۸) قصہ عاشق و معشوق (")	" ۷
		(۹) طرز زمانہ (")	" ۵
۳۰۴-	۶۳۶۰	(۱۰) رباعیات بزبان ریختہ	" ۴۶
۳۰۵-	۶۳۲۹	موہن نامہ (منظوم)، محکم،	" ۱۴
۳۰۶-	۶۳۷۰	(۲) حقیقۃ الاسلام،	" ۱۸
		(۳) مثنوی دلبر واعظین،	" ۳۳
		(۴) مثنوی عبرت افزا، محمد علی،	" ۱۶
۳۰۷-	۶۳۷۱	مثنوی در تصوف، فتح محمد تائب، سال کتابت ۱۲۸۷ھ	ورق ۳-۱۰۰
۳۰۸-	۶۳۷۲	موہن نامہ (منظوم)، محکم، (جنگ نامہ موہن گڑھ)	ورق ۲۸
۳۰۹-	۶۳۷۵	بیاض نظم و نثر فارسی و اردو	
۳۱۰-	۶۳۷۶	سوالات ماسٹر و جوابات باادب، سید محمد اصغر علی آبرو،	ورق ۲۰۳
۳۱۱-	۶۳۷۷	معجزات نبوی صلعم (منظوم)،	ورق ۶۴

		(٥) رسالہ [illegible] (منظوم)	ورق ٢
		(٦) قصہ عاشق و معشوق [illegible]	" ٤
		(٧) [illegible]	" ٥
٣٠٤-	٩٣٤٠	(١) [illegible] ابیات [illegible]	" ٢٤
٣٠٥-	٩٣٣٩	[illegible] نامہ (منظوم) [illegible]	" ٤١
٣٠٦-	٩٣٥٠١	(٢) [illegible]	" ١٨٠
		(٣) مثنوی [illegible]	" ٣٣٠
		(٤) مثنوی [illegible]	" ١٦
٣٠٧-	٩٣٥١	مثنوی در تصوف [illegible]	ورق ٣ [illegible]
٣٠٨-	٩٣٥٢	[illegible] نامہ (منظوم) [illegible]	[illegible]
		جنگ نامہ [illegible]	
٣٠٩-	٩٣٥٥	بیاض [illegible]	
٣١٠-	٩٣٥٦	[illegible]	[illegible]
٣١١-	٩٣٦٠	[illegible] (منظوم) [illegible]	ورق ٩٣

مشینی ترجمے کا ماضی اور مستقبل

خورشید یوسف

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

مشینی ترجمے کا
ماضی اور مستقبل

پمفلٹ نمبر ۴۶

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)
مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۱/۸ :
اسلام آباد

مشینی ترجمے کا ماضی اور مستقبل

خورشید یوسف

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ترجمہ بعض کے نزدیک اسی قدر قدیم ہے جس قدر تعلق انسانی یا پھر جب سے دو نا ہم جنس زبانیں بولنے والوں کا عمداً یا اتفاقاً پھل چُنتے، شکار کرتے یا راستہ گم کر بیٹھتے ایک دوسرے سے واسطہ پڑا اور جوں جوں اولادِ آدم کا باہمی رابطہ بڑھتا گیا ترجمے کی ضرورت بھی بڑھتی گئی۔ ترجمے کی ابتدائی صورت بلاشبہ اسی طرح زبانی ہو گی جس طرح آج بھی دو مختلف ممالک کے سربرآوردہ لوگوں کی باہمی ملاقات کے وقت ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان ایک ترجمان ہوتا ہے جو ایک کی بات سمجھ کر دوسرے کو اس کی زبان میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں ترجمے کے بنیادی تقاضوں میں سے ایک یہ ہے کہ ترجمان تبادلہ خیالات کرنے والوں کی زبانوں سے آشنا ہو۔ یہی بات تحریری ترجموں پر صادق آتی ہے جن کی ضرورت طرزِ تحریر کی اور بالخصوص کاغذ کی ایجاد کے ساتھ زیادہ ہوتی گئی کہ انسان دوسروں کا مافی الضمیر جاننے اور اپنے مافی الضمیر کا دوسرے پر اظہار کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ لیکن انسانی انگلیاں آخر کتنی سُبک رفتار ہو سکتی ہیں اور کب تک چل سکتی ہیں۔ تھک جانا ان کے مزاج میں ہے اور اسی سست روی کے احساس نے بالآخر انسانی عقل کو اس کی تلافی کی طرف لگایا۔ اور ایسی اختراعوں میں اسے کامیابی ہو گئی جن کی بدولت زود نویسی ممکن ہو گئی۔ آج تحریر کافی حد تک مداخلت بشری سے بے نیاز ہو چکی ہے مگر ترجمہ چونکہ کتابت سے پیچیدہ تر عمل تھا اس لیے مشینی تحریر کے وجود میں آجانے کے ساتھ ہر چند اس کو بھی دستِ انسانی کی محتاجی سے آزاد کروانے کی کوشش کی جانے لگی تھی کہ آج کی سکڑتی سمٹتی جارہی کائنات میں ہر ساعتی میل جول مشینی ترجمے کو ناگزیر بناتا جارہا تھا لیکن اس جانب ٹھوس قدم آج سے تقریباً نصف صدی پہلے روس اور فرانس میں اُٹھایا گیا تھا اور دوسری عالمگیر جنگ کے ختم ہو جانے کے بعد جب الیکٹرانی کمپیوٹر متاعِ بازار بن گئے تو اس طرف زیادہ توجہ دی جانے لگی۔ برطانیہ بھی اس کوشش میں شامل ہو گیا اور امریکہ میں تو اس

سلسلے میں کنج کاوی کرنے والے گروہ تشکیل پا گئے۔ موجودہ صدی کے نصف اوّل کے جلد بعد آئی بی ایم نے اور پھر جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے کوششوں نے اس جوئے شیر کے ناممکن ہونے کا احساس کم کر دیا اور حکومت امریکہ اس منصوبے کی تکمیل کے لیے مناسب رقم خرچ کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ احساس اُبھرنے لگا کہ یہ کام اس قدر آسان نہیں تھا جس قدر سمجھ لیا گیا تھا۔ بلکہ یہ خدشہ بھی جڑ پکڑنے لگا کہ اس جدوجہد کا حاصل اُمید افزا نہیں ہوگا۔ چنانچہ ۱۹۶۶ء میں "الپاک"[1] یعنی اس کام میں مشورہ دینے والی کمیٹی نے صاف صاف کہہ دیا کہ م ت یعنی مشینی ترجمہ کم رفتار ہے۔ کم بر محل ہے اور انسانی ترجمے سے کم ارزاں بھی ہے۔ اسی بنا پر اس کو غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔ اور اس کی جگہ یہ خیال زور پکڑنے لگا کہ چونکہ ملک میں ترجمہ کرنے والوں کا کال نہیں ہے اس لیے زیادہ مناسب رہے کہ ترجمے کو انسانی معاونت سے بالکل بے نیاز کر دینے والی کسی کل کی ایجاد کی جگہ ایسی کوئی کل ایجاد کرنے کی سعی کی جائے جو ترجمے کے عمل کو تیز کرنے میں مدد دے سکتی ہو۔ اس رپورٹ پر بہت لے دے ہوئی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا اور اپنا کام کر گیا۔ چنانچہ امریکہ سے باہر بھی دوسرے تیشہ بدست فرہادوں کی حوصلہ شکنی ہوئی۔ زبان شناس، سائنس داں اور معلومات اندوز اس سے بے رُخی برتنے لگے۔ یہ خیال زیادہ زور پکڑنے لگا کہ کوئی درمیانی راہ تلاش کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔ یعنی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ انسان اور مشین کے باہمی تعاون سے ترجمے کے عمل میں رفتار اور درست کاری پیدا کی جا سکے۔ اسی طرح مشینی ترجمہ کاری کے دائرے کو محدود کر دینا زیادہ مناسب سمجھا جانے لگا۔ نتیجتاً اب ایسے میم تائی نظام معرض وجود میں آنے لگے جو مخصوص موضوعاتی دائروں میں مفید مطلب ترجمے کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ امریکہ میں سیاسی اور علمی ضرورتوں کے پیش نظر اس نظام کا دائرہ کار روسی سائنسی اور ٹیکنیکی اصطلاحات تک محدود کر دیا گیا۔ لیکن عصری تقاضوں کا اپنا بھی ایک دباؤ ہوتا ہے۔ جو نتائج سے بددل ہونا نہیں جانتا۔ اور سائنسی اور ٹیکنیکی میدانوں میں جو بھاگم بھاگ نظر آ رہی ہے وہ ترجمے کی اس رفتار سے مطمئن نہیں ہو سکتی جو انسانی ترجمے سے ممکن ہے۔ کیونکہ دن بدن معلومات میں ہی نہیں

1, Automatic Language Processing Advisory Committee.

۲۔ کینیڈا میں جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں سرکاری طور پر بھی اور ویسے بھی دو ثقافتی فضا پائی جاتی ہے اور فرانسیسی سے انگریزی میں اور انگریزی سے فرانسیسی میں ترجمہ کاری ان کی بنیادی علمی اور ثقافتی ضرورت ہے۔ اسی طرح یورپی اقوام کے معاشی اتحاد کے اقدام نے پورے یورپ کو بے تاب تمنا کر ڈالا ہے کہ ان کی ضرورت بھی یہی ہے کہ تمام یورپی زبانوں میں بیک وقت ترجمہ کاری ممکن ہو سکے۔

مطبوعات میں بھی اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ مختلف شعبہ ہائے علوم میں نت نئی اصطلاحات سے واسطہ پڑ رہا ہے اور بجا طور پر لائبریرین ۔ اشاریہ نگار، معلومات اندوز ہی نہیں سائنس دان اور ٹیکنالوجی میں دلچسپی رکھنے والے بھی جنہیں ان کا مطالعہ کرنا ہوتا ہے ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں کہ میم تائی نظام کو امداد کے لیے آنا چاہیے۔ بین الاقوامی سطح پر بھی مختلف ممالک میں باہمی تعاون کے احساس نے ملک ملک کے میسحان علم و فن کو امداد کے لیے پکارا ہے۔

میم تائی نظام مرتب کرتے ہوئے بنیادی طور پر دو اسالیب سے کام لیا گیا ہے۔ ایک صورت میں دو مخصوص زبانوں کو سامنے رکھا جاتا ہے اور ترجمہ براہ راست ماخذی زبان[1] سے ہدفی زبان[2] میں کیا جاتا ہے۔ ماخذی زبان کے ذخیرہ الفاظ اور ترتیب الفاظ کو اسی حد تک چھیڑا جاتا ہے جس حد تک اس کی ہدفی زبان میں ضرورت ہوتی ہے یوں ایک تیسری توسلی زبان سے مدد لی جاتی ہے جو معروف معنوں میں تو زبان نہیں کہلاتی لیکن وہ ماخذی زبان کی مفہومی ترجمانی کر دیتی ہے اور ایسے متبادلات پیش کر دیتی ہے جن کو ہدفی زبان کے الفاظ میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ پہلا اسلوب بلا واسطہ اسلوب کہلاتا ہے اور دوسرا اسی بنا پر بالواسطہ مانا گیا ہے۔ لیکن ہر دو صورتوں میں ترجمے کا انحصار ماخذی زبان کے متنی تجزیے اور ہدفی زبان میں اس متن کی صرفی نحوی ترکیب و ترتیب پر ہوتا ہے جس کے لیے ڈکشنریاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ یہ ڈکشنریاں دو زبانی بھی ہو سکتی ہیں اور یک زبانی بھی ۔ ہر دو صورتوں میں ماخذی زبان کے تجزیے کے لیے ضروری ہے کہ ڈکشنری میں صرفی نحوی تفسیرات دیے گئے ہوں۔ لغوی خصوصیات دی گئی ہوں اور اجزائے کلام کے وظائف بتلائے گئے ہوں۔ اسی طرح ہدفی زبان میں ان کی باز ترکیبی کے لیے مترادفات دیے گئے ہوں اور اس سلسلے میں جملہ امکانی تقاضوں کے بارے میں معلومات اندازی کی گئی ہو کہ جہاں ساخت کے حوالے سے الفاظ کا تجزیہ کرنے میں اس سے مدد مل سکے وہاں ترتیب اجزائے کلام کے سلسلے میں بھی اس سے رہنمائی حاصل ہو سکے اور محاورات و مرکبات کا سراغ بھی لگ سکے۔ ترتیب الفاظ کا انحصار بیشتر الفاظ کی طبقہ بندی پر ہوتا ہے کہ کوئی لفظ اسم ہے فعل ہے یا حرف ہے اور ڈکشنریوں کو ہر صورت میں ترجمہ کاری کے عمل میں معاون ہونا چاہیے۔ اس امداد و استمداد کے باوجود رہ جانے والے ابہامات کو دور کرنے کی بعض میم تائی نظاموں میں گنجائش رکھی گئی ہے جن میں امکانی ابہامات

---

1 Source Language

2. Target Language.

کا پتہ لگا کر ان کا مداوا کیا جاتا ہے۔ ان ابہامات کے اسباب متنوع ہوتے ہیں۔ اور اسی لیے ہر ایک کو الگ الگ ہی نپٹایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہر زبان میں چونکہ الفاظ ایک سے زیادہ لغوی اور اصطلاحی معنوں کے حامل ہوتے ہیں اس لیے کثرت معنی سے پیدا ہونے والے ابہامات سے بچنے کے لیے جہاں ماخذی زبان کی ڈکشنریوں میں وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے کہ کسی مخصوص فقرے میں کسی لفظ یا ترکیب کا استعمال کس کس مخصوص مفہوم میں ہو سکتا ہے وہاں یہ بھی معلوم کرنا ہوتا ہے کہ ہدفی زبان میں کون کون سے الفاظ یہ مفاہیم پوری طرح ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ترجمے کے لیے مفید ڈکشنری وہی ہو سکتی ہے جو ان تقاضوں کو کما حقہ پورا کرتی ہے۔ بعض اسی لیے زیادہ مناسب خیال کرتے ہیں کہ تجزیے کے لیے الگ ڈکشنری ہو۔ انتقال کے لیے الگ ہو اور ترکیب و ترتیب الفاظ کے لیے الگ ہو۔ بلکہ یہ بھی تجویز کیا جاتا ہے کہ تجزیہ کاری میں تعریفی معلومات کے لیے الگ ہو اور مفہومی معلومات کے لیے الگ ہونی چاہیئے۔ بلکہ کثیر الاستعمال الفاظ کی بالکل الگ ڈکشنری ہونی چاہیئے۔ اسی طرح بعض لیسے افعال کی الگ ڈکشنری کی سفارش کرتے ہیں جن کو قاعدے سے بے کہا جاتا ہے۔ اسی طرح محاوروں کے لیے ڈکشنری الگ ہونی چاہیے۔ بلکہ الگ الگ موضوعات کی الگ الگ ڈکشنریاں ہونی چاہییں۔ ان لوگوں کے خیال میں جداگانہ ڈکشنریوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس میں سہولت تالیف ہوتی ہے دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تبادلہ الفاظ[1] بآسانی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ نقصان یہ ہوتا ہے کہ وقت زیادہ لگ جاتا ہے لیکن ڈکشنریوں کا کوئی بھی روپ ہو ترجمے جانے والے ہر متن کو لامحالہ اس شکل میں ہونا چاہیئے جو مشین کے لیے قابلِ قبول ہو۔ ترجمے کے بعد بھی اس کی نوک پلک درست کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے اگر اس میں بات بآسانی پلے نہ پڑتی ہو یا اصل سے بھٹک جانے کا گمان گزرتا ہو۔ ان کوتاہیوں کی تلافی سائنسی، ٹکنیکی، طبی اور اسی قسم کے دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے موضوعات کے سلسلے میں اور بھی ضروری ہوتی ہے۔ ہاں اگر مفہوم غتر بود نہ ہو رہا ہو تو پیچیدگی اظہار کو گوارا کیا جا سکتا ہے۔

ابتدا میں میم تائی نظام "لفظ بلفظ" ترجمے پر مبنی تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ زیادہ منجھا ہوا نہیں تھا۔ ان نظاموں میں ماخذی زبان کے الفاظ کو کسی دو زبانی ڈکشنری میں سے تلاش کر لیا جاتا تھا۔ پھر ان کے متبادلات ہدفی زبان میں سے چن لیے جاتے تھے اور اس زبان کے نحوی اسلوب کو سامنے رکھتے ہوئے لفظوں کو سیدھے سادے طریقے

---

[1] کمپیوٹر کے یادگھر کے ایک خانے کی معلومات دوسرے خانے کے سپرد کرنا۔

سے آگے پیچھے کر لیا جاتا تھا۔ مارک II (MARK II) سسٹم اسی کا ایک نمونہ تھا جسے روسی انگریزی کے باہمی ترجمے کے لیے رواج دیا گیا تھا اور یہ ریاستہائے متحدہ کی فضائیہ کے غیر ممالک سے متعلق ٹیکنالوجی ڈویژن میں زیر استعمال رہا لیکن چونکہ اسے بھی بعد میں ایڈیٹ کرنے کے مراحل میں سے گزرنا پڑتا تھا اور یوں یہ بھی انسانی امداد کا محتاج تھا اور غلطیوں سے بھی پاک نہیں تھا اس لیے چھ امریکی سائنسی مجلّوں کے ایڈیٹروں نے متفقہ طور پر کہہ دیا کہ یہ نظام انسانی ترجمے سے کہیں فروتر ہے (ایلپاک کے فتوے میں ان لوگوں کی رائے بھی دخیل تھی) اگرچہ اس کے باوجود امریکہ میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے ناقص معیار کے علی الرغم مشینی ترجمے کو اپنائے رکھا کہ نہ ہونے سے تو وہ ان کے خیال میں بہتر تھا۔ کیونکہ انسانی معاونت ہر کسی کو ہر وقت میسر نہیں آ سکتی تھی۔ پھر لوگ اس نظام میں ترامیم و اصلاح سے بالکل غافل بھی نہیں تھے۔ چنانچہ ۱۹۷۰ء میں سسٹران Systran نے مارک II نظام کی جگہ لے لی۔ یہ بھی روسی انگریزی ترجمے کے لیے ڈیزائن کیا گیا تھا اور جارج ٹاؤن والے نمونے کا اسے بجا طور پر نقش ثانی کہا جا سکتا ہے۔ بعد میں اس سے انگریزی فرانسیسی ترجمے میں بھی کام لیا جانے لگا اس کی بنیاد ویلڈیوں پر رکھی گئی تھی۔ تجزیہ و ترکیب کے ہر مرحلے کو اس میں واضح طور پر الگ کر لیا جاتا ہے جبکہ لسانی اور شمار کارانہ پہلوؤں کو الگ الگ رکھا جاتا ہے۔ اس کے چار مدارج ہیں۔ ذخیرہ کاری۔ لغت گردانی نحوی تجزیہ اور ترجمہ۔ سب سے پہلے کسی زبان کے متن کو سسٹران کا اپنا نقل حرفی transliteration نظام برتتے ہوئے مقناطیسی ٹیپوں پر ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، پھر ہر لفظ کو متنی ترتیب سے نمبر دیا جاتا ہے۔ لغت گردانی کے مرحلے میں دو ڈکشنریوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اسی ڈکشنری میں محاوروں کے ابتدائی الفاظ بھی دیے ہوتے ہیں۔ ایسے لفظوں کو فائل میں لکھ جاتا ہے۔ پھر باقی کے الفاظ کو الفبائی انداز میں چھانٹ کر قاموس مبادی الالفاظ Master Stem Dictionary پر چلا دیا جاتا ہے۔ لفظوں کے انجامیوں کو جانچا جاتا ہے اور درست نکلنے کی صورت میں گرامر یا مفہوم سے متعلق معلومات اور ہدفی زبان کے متبادلات ماخذی زبان کے ہر لفظ کے لیے معین کیے جاتے ہیں۔ ان کو ایک بار پھر چھانٹ کر اصل متنی ترتیب کے مطابق کر دیا جاتا ہے۔ تعریف کار کے ذریعے نحوی تجزیہ کیا جاتا ہے۔ سسٹرانی تعریف کار میں چار بڑے مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے میں ہم شکل لفظوں کی گرہ کشائی کی جاتی ہے۔ دوسرے میں جملوں کو دائیں سے بائیں کی جانب جانچا جاتا ہے اور جوں جوں جملہ ایک لفظ سے دوسرے لفظ تک جاتا ہے اس میں رابطہ کار یاد رکھنے لگتے ہیں کہ ہر جزو جملہ میں کسی قسم کے نحوی روابط ممکن ہو سکتے ہیں۔ ان روابط کاروں سے کام لیتے ہوئے اس مرحلے میں جملے کے اندر بنیادی ڈھانچے قائم ہو جاتے ہیں

یعنی فعل مفعول اور حروف جار وغیرہ میں تعلق مستحکم ہو جاتا ہے۔ تیسرے مرحلے میں بائیں سے دائیں کو جائزہ لیتے ہوئے ان روابط کا دائرہ وسیع کر دیا جاتا ہے اور شناخت کیے گئے مفعولوں اور مماثل مرکبات کا شمار کیا جاتا ہے۔ چوتھے مرحلے پر سابقہ مرحلوں کی کارکردگیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہر جزو جملہ کا مسند اور مسند الیہ تلاش کیا جاتا ہے۔ ان چار مرحلوں سے گزرنے کے بعد ترجمے کا حقیقی مرحلہ آتا ہے۔ لیکن ایک عام شخص کے لیے ان ہفت خوانوں سے گزرنے کا علم اس قدر ضروری اور مفید نہیں ہے جس قدر یہ جاننا کہ مشینی ترجمے کی کارگزاری اس عرصے میں کیسی رہی ہے جس کا اندازہ اس سے ہی ہو جاتا ہے کہ ۱۹۶۴ء میں تیار کیے گئے مارک II اور ۱۹۷۱ء میں تیار کیے گئے سسٹران کی کارکردگی کا جنہوں نے موازنہ کیا ان کا کہنا ہے کہ اوّل الذکر نے ایک اعشاریہ دو فیصد الفاظ کو ترجمہ ناکردہ چھوڑ دیا۔ جبکہ سسٹران نے ان دو اعشاریہ تین فیصد کا ترجمہ نہیں کیا تھا۔ اسی طرح مارک II نے متبادل ترجمے چھ اعشاریہ تین فیصد لفظوں کے مہیا کیے جبکہ سسٹران نے پانچ اعشاریہ تین فیصد کے۔ اور یوں موازنہ کرنے والوں کا کہنا تھا کہ کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی۔ اس موازنے میں انگریزی روسی ترجمہ کاری کو سامنے رکھا گیا تھا۔ اگرچہ انگریزی فرانسیسی ترجمہ کاری کے نتائج بھی زیادہ اُمید افزا نہیں تھے اور یورپی اقوام کے کمشن نے جو جائزہ لیا تھا اس کے مطابق بے ابہامی اور وضاحت کے معاملے میں بھی اور غتربود نہ کر جانے کے سلسلے میں بھی مشینی ترجمے انسانی ترجموں کا لگا نہیں کھاتے۔ اور ہر چند ان مشینوں میں اصلاح و ترقی کی آس لگی ہوتی ہے لیکن سردست مشینی ترجمہ کاری کوئی بڑا تیر نہیں مار سکی۔ پھر بھی چونکہ انسانی تمدن کی ساری ترقی ہار نہ ماننے کی مرہون ہے اس لیے سسٹران کی طرز کا ایک اور نظام تیار کیا گیا جسے انگریزی ویت نامی ترجمے کے لیے کام میں لایا گیا۔ اسے لوگوس LOGOS کہتے ہیں۔ اس نظام کے ذریعے اب انگریزی روسی ترجمے بھی کیے جانے لگے ہیں بلکہ فرانسیسی میں بھی۔ بلکہ کئی اور سسٹم بھی ایجاد کیے جا چکے ہیں جن کے ذریعے مختلف زبانوں میں باہمی ترجمہ کاری کی جا رہی ہے۔ لیکن ان سب میں سے سسٹران اور لوگوس سے سبقت کوئی نہیں لے جا سکا۔ سسٹران کی طرح لوگوس میں بھی تجزیہ کاری اور ترکیب کاری پوری طرح الگ الگ کی جاتی ہے۔ اسی طرح ابتدا میں انسانی مدد سے ایڈٹ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعد میں ایڈٹ کرنے کی ضرورت سے مفر نہیں ہے۔

۱۹۶۱ء میں گرینوبل یونیورسٹی والوں نے میم تائی نظام پر کرید کاری شروع کی۔ اس ادارے کو سیٹا CETA (The Centre d'Etudes pour la Traduction Automatique) کہا جاتا ہے۔ اس ادارے نے اب ایک بین اللسانی طریق کار تشکیل کیا ہے جس کے ذریعے ریاضی اور طبیعیات کے

متنوں کے روسی فرانسیسی زبانوں میں ترجمے کیے جاتے ہیں۔ اس نظام کو چار سال تک تقریباً چار لاکھ الفاظ پر آزمایا گیا۔ اس نظام کی خصوصیت ایک محوری زبان ہے جو انسانی اختراع ہے اور تعریفی و ترکیبی بندھنوں سے آزاد ہے۔ لیکن اس کا اپنا تالیفی ڈھانچہ اس قسم کا ہے جو دونوں ترجمائی جانے والی زبانوں کے تالیفی ڈھانچوں کے لیے مشترک بنیاد کا کام دیتا ہے اور دونوں زبانوں کی لفظی اکائیوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتا ہے۔ گویا سیٹائی محوری زبان تالیفی لحاظ سے تو ستی نظام کا کام دیتی ہے لیکن جہاں تک ذخیرہ الفاظ کا تعلق ہے اسے انتقالی کہا جا سکتا ہے۔ سیٹا میں تجزیہ کاری اور ترکیب کاری کے ہر چند علیحدہ علیحدہ واضح مدارج رکھے گئے تھے تاکہ دشواریاں کم ہو جائیں لیکن ۱۹۷۱ء میں جب اسے کٹھالی میں ڈالا گیا تو معلوم ہوا کہ صرف ۴۲ فیصد جملوں کا ترجمہ درست ہو سکا ہے جبکہ ۶۱ فیصد کو محض قابل فہم قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ غلط ترجمائے گئے جملوں میں سے نصف کے قریب کی ذمہ داری دیگر عوامل پر ڈالی جا سکتی تھی لیکن باقیوں کے بارے میں یہی اندازہ لگایا گیا کہ وہ اس نظام کے بس کا روگ نہیں ہیں۔ پھر بھی سیٹا کی طرز کا ایک اور تجربہ ٹیکساس یونیورسٹی میں کیا گیا جس کا محرک یہ خیال تھا کہ دنیا بھر کی زبانیں جہاں سطحی خدوخال میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں وہاں ان سب میں دوڑ پھر رہا خون ایک ہی ہے اور اس خون کے حوالے سے ترجمہ یعنی باہمی تفہیم کا کام آسان ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ عملی طور پر یہ تجربہ بھی اول الذکر سے زیادہ کامیابی اور مقبولیت حاصل نہ کر سکا جو سیٹا کی طرح محوری زبان کے اصول پر تیار کیا گیا تھا۔

بعض جگہ انتقالی حربے سے کام لینے کی سعی کی گئی اور اس سلسلے میں مانٹریال کے اس منصوبے کا نام سرِ فہرست آتا ہے جسے "توم" TAUM کہا جاتا ہے۔ کینیڈا سرکار نے اسے سہولتیں مہیا کی ہیں اور اس کے پیش نظر ایک خودکار انگریزی فرانسیسی نظام ترجمہ کی ایجاد ہے۔ اس کی دیکھا دیکھی اور انہی خطوط پر بعض اور نظام بھی سامنے آنے لگے ہیں جن میں سے چینی انگریزی میم تائی نظام اس لیے زیادہ قابل ذکر ہے جو کیلیفورنیا یونیورسٹی کا منصوبہ ہے کہ اس میں ایک ایسی زبان کو ہم ردیف بنایا گیا ہے جس کا نظام تہجی دنیا کے بیشتر نظام ہائے تہجی سے مختلف ہے۔ تمام نظام اپنی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ اسی طرح کام دے رہے تھے کہ کمپیوٹری سہولتیں عام ہو جانے کے باعث گرینوبل یونیورسٹی میں جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے کام کر رہے لوگوں کو اپنے میم تائی نظام میں تبدیلی لانے کی سوجھی۔ چنانچہ انہوں نے اس کا نام گیٹا GETA (Group d'Etudes pour la Traduction Automatique) رکھا۔ اس کا مقصد ایک ایسے نظام کی ایجاد

ہے جس کے ذریعے کسی ایک یورپی زبان سے کسی بھی دوسری یورپی زبان میں ترجمہ کیا جا سکے۔ اور ہر چند ابھی یہ تجربوں کے مراحل سے گزر رہا ہے لیکن توقعات اس سے ضرور وابستہ ہونے لگی ہیں۔ کیونکہ اس میں لچک موجود ہے یعنی صورت حال کے مطابق ڈھل جانے کی صلاحیت۔ پھر اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ تجزیہ کاری اور ترکیب کاری دونوں میں انسان اور مشین ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا سکیں۔

ابھی تک جن نظاموں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا مزاج بنیادی طور پر نحوی ہے اور معنوی رابطوں کی طرف ان میں پوری توجہ نہیں دی گئی اور نحوی ڈھانچے متعین کر لینے کے بعد معنوی تجزیہ کاری کی باری آتی ہے۔ پھر ان کے تجزیاتی طریقہ ہائے کار کا دائرہ بھی جملوں تک محدود ہے۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ولکس نے ایک میم تائی نظام تیار کیا ہے جس میں متبادل معنوی بنیاد رکھنے والا راستہ اختیار کیا گیا ہے جس کا ڈھانچہ ذہانت مصنوعی[1] Artificial Intelligence پر کام کرنے والے مردان کار نے مہیا کیا ہے۔ اس نظام کی امتیازی باتیں یہ ہیں کہ اس میں معنوی تعریف کار معنوی خدوخال کی طرف ہی پوری توجہ دیتا ہے۔ ترجیحی معنوں کے استعمال کو سامنے رکھتا ہے اور قرین قیاس حوالہ جاتی قواعد کو اور کلام مربوط میں موجود تعلقات کے تجزیے کو بھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پوری طرح خودکار ترجمہ ایک ایسی منزل ہے جس تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اسی لیے اب متعاون میم تائی نظام ترجمہ کے امکانات کا جائزہ لینے کی طرف زور دیا جانے لگا ہے۔ جس میں مشین اور انسان مل کر ترجمے کی جوئے شیر کھود نکالیں۔ چنانچہ زود کاری کے لیے کمپیوٹر کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جس میں ان کے خیال کے مطابق درست کاری کے امکانات بھی زیادہ ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ایسی کوئی اختراع کی جائے جس میں انسان اور مشین کا باہمی تعاون بہتر نتائج پیدا کر سکے۔ اس تعاون کے کئی روپ ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انسانی اشتراک کو صرف ترجمے کے ان مقامات تک محدود رکھا جائے جہاں مشین کو دشواری کا سامنا ہو۔ مثلاً ماخذی زبان کے معنوی اور نحوی ابہامات کو دُور کرنے کے لیے۔ یا پھر ابتدائی تیاریوں میں اور متن کو سلیس اور سہل بنانے میں یا ہدفی زبان میں اگر ایک سے زیادہ صورتیں سامنے آئیں تو ان میں سے کسی مناسب ترصورت کو انتخاب کرنے میں۔ مائنڈ MIND ایک ایسا ہی نظام ہے جسے انسانی معاونت کے سہارے چلنے والا انتقالی نظام بھی

---

[1]۔ اس سے مراد کمپیوٹر کا اس انداز سے استعمال ہے کہ وہ وہی کچھ کر گزرنے کے قابل ہو جو انسان کی آگاہی اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت کرتی ہے۔

کہہ سکتے ہیں۔ برمنگھم ینگ یونیورسٹی میں اسی طرح کا ایک ادھ میم تائی نظام کھڑا کیا گیا ہے جس میں اسی کی طرح ہرچند ابھی انسانی معاونت شامل ہے لیکن ارباب ہنر و فکر کا خیال ہے کہ زود یا بدیر اسے خود کار بنا لیا جائے گا۔ متعاون نظاموں میں کلٹ CULT ہانگ کانگ کی چینی یونیورسٹی کی اختراع ہے۔ اس کے ذریعے ریاضی اور طبیعیات کے تراجم انگریزی سے چینی میں اور چینی سے انگریزی میں کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ نظام گذشتہ دس سال سے محو کار ہے۔ ترجمے میں پیدا ہونے والی نحوی پیچیدگیوں اور محاوراتی گنجلکوں اور دیگر ابہامات کو دور کرنے کی لزید لیے ایک سسٹم سلنٹ SLUNT بھی افق سے ابھر آیا ہے۔ اور کئی اور ابھر رہے ہیں۔

ترجمے کے سلسلے میں حقیقت تو یہی ہے کہ انسانی مداخلت جس قدر کم ہوتی جائے گی اسی قدر انسان اسے اپنی کامیابی خیال کرے گا کیونکہ لگتا یہی ہے کہ اسے دل و دماغ کی گہرائیوں میں اپنے سے زیادہ اپنی ایجادوں پر اعتماد رہا ہے بالکل اسی طرح جیسے ماں باپ کو اپنی اولاد میں اپنا مستقبل نظر آتا ہے۔ یہ کلیں بھی آخر انسان کی معنوی اولاد ہی تو ہیں۔ چنانچہ ترجمہ کاروں کی پیہم بڑھتی ضرورتوں کے پیش نظر اس ضمن میں مشین سہولتیں ایجاد کی جا رہی ہیں بالخصوص سرکاری اور صنعتی اداروں میں تاکہ سائنس۔ ٹیکنالوجی۔ اقتصادیات بلکہ معاشرتی علوم میں بھی اصطلاحات کی تازہ ترین امکانی سرعت کے ساتھ حاصل کی جا سکیں۔ تکنیکی ترجمہ کرنے والوں کی دشواریاں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مختلف شعبوں اور سائنسوں میں نت بدلتے ذخیرہ ہائے الفاظ۔ نئے تصورات۔ آئے دن تازہ تر تکنیکوں اور چیزوں کا معرض وجود میں آنا۔ ادھر اصطلاحات کی ناتسلی بخش معیار بندی کی فضا ترجمہ کار کا نصف سے زیادہ وقت لغتوں کی ورق گردانی کی نذر کر جاتی ہے۔ یہی نہیں۔ ورق گردانی کے باوجود اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اسے مطلوبہ معلومات ان خود کار ڈکشنریوں میں نہیں ملتیں جو میم تائی زبانوں میں ہوتی جاتی ہیں۔

ان دشواریوں کو دور کرنے کے لیے یورو ڈائی کوٹم EURODICAOTUM اور ٹرمیم TERMIUM نظاموں میں ترجمہ کاروں کی اصطلاحاتی ڈیٹا تک بسرعت رسائی کو آسان بنایا گیا ہے۔ اول الذکر کا دائرہ تمام یورپی انجمنوں کو محیط ہے۔ اور فراہمی اصطلاحات کے سلسلے میں وہ یورپ بھر میں اپنی خدمات پیش کیے ہوئے ہے۔ ثانی الذکر مانٹریال میں ۱۹۷۰ء میں قائم ہوا تھا۔ اور اولاً اس نے اپنے آپ کو صرف انگریزی فرانسیسی تک محدود رکھا تھا۔ مغربی جرمنی میں بھی اسی ڈھب کا ایک نظام ابھرا ہے جسے لیکسس LEXIS کہا جاتا ہے۔ اس کا کام یوں تو تاریخ ڈکشنریاں اور تکنیکی اور سائنسی اصطلاحات کی فہرستیں تیار کرنا ہے۔ لیکن اس ادارے کا نمایاں کام یہ ہے کہ اس نے نصابی کتب سے متعلق لغت نامے چھاپنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ ان فہرستوں کے ذریعے ترجمہ کاروں

کو کسی ماخذی زبان کی نصابی کتابوں میں موجود اصطلاحوں کے متبادلات ہدفی زبان میں مہیا کیے جاتے ہیں سیمنز کمپنی نے ٹیم TEAM سسٹم ایجاد کیا ہے۔ ان کے ڈیٹا کی بنیاد ایک کثیر اللسانی ڈکشنری ہے جس میں سات لاکھ اندراجات ہیں۔ یہ اندراجات دو ملین ان سائنسی اور تکنیکی اصطلاحات کو محیط ہیں جو یورپ کی بیشتر زبانوں میں موجود ہیں۔ اسی طرح مختلف زبانوں میں مترادفات بھی دیے گئے ہیں۔ گرامر سے متعلق معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کون سی اصطلاح کس شعبہ علم وفن سے تعلق رکھتی ہے اور اسے کیوں کر استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ معلومات کہاں سے حاصل کی گئی ہے تاکہ ضرورت پڑنے پر یا کسی رفع ابہام کے لیے اصل کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

ترجمے میں امداد دینے والی ڈکشنریوں میں سے نارمے ٹرم NORMATERM زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ الفاظ جوئی کا ایک خود کار نظام ہے جسے ۱۹۷۳ء میں آغاز کیا گیا تھا۔ اسے بس لفظوں کا سمندر ہی سمجھیے۔ اس انسائیکلوپیڈیائی ڈکشنری میں ہر لفظ اپنے تمام امکانی تعلقات کے ساتھ آپ کے اشارے کا منتظر ہوتا ہے۔ اپنی گہرائی اور گیرائی کے حوالے سے ہی اسے "ڈیٹا بنک" کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے بنک دن بدن زیادہ ہوتے جاتے ہیں۔ کیونکہ دنیا کے بڑے بڑے ممالک ہر لمحہ ایک دوسرے کی طرف دست تعاون بڑھانے کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس کرتے نظر آتے ہیں اور یوں ایسے بنکوں کی ناگزیری کا احساس روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب بڑے پیمانے پر لسانی ڈیٹا بنک قائم ہو جائیں گے جو کثیر اللسانی ڈکشنریوں کو عام انسانی ضرورت کے لیے بھی اور فنی ضرورتوں کے لیے بھی ایک مربوط نظام میں لے آئیں گے اور یوں ترجمہ کاروں، اصطلاحات سازوں، لغت نویسوں اور پبلشروں کا کام آسان ہو جائے گا۔ انجمن اقوام متحدہ کے "بابل" میں اس سہانے خواب کی ہلکی سی تعبیر آج بھی نظر آ رہی ہے۔

لیکن سوال تعبیر خواب کی اس جھلک کے ساتھ پھر وہی ابھرتا ہے کہ معیاری خود کار ترجمے کا امکان کہاں تک ہے۔ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جو بعض قنوطیوں نے دیا ہے اور دیے جا رہے ہیں کہ تا بامروز نہ کوئی ڈیزائن میں ترقی ہوئی ہے اور نہ کارکردگی میں۔ اور اگر انسانی مداخلت کسی نہ کسی مقام پر ناگزیر ہی ہے اور مشینی ترجمے کو بہر حال انسانی نظر ثانی کا محتاج رہنا ہی ہے تو اس اسراف مال و وقت سے کیا حاصل۔ ان لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ نظر ثانی کرنے والے کے لیے بسا اوقات دوبارہ ترجمہ کرنا زیادہ آسان رہتا ہے۔ کیونکہ بہتر سے بہتر کمپیوٹر بھی ایک متوسط ترجمہ کار انسان سے بہتر ترجمہ نہیں کر سکے گا۔ دوسری جانب انسان کی وہی امید پرستی ہے جس کی طرف

پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے اور جس کے سہارے اس نے اپنی بے پروبال کا خواب تسخیر کائنات میں دیا ہے اور اپنی خامی کو بالآخر درست کیا ہے۔ یہی امید دوستی خوب سے خوب تر کی تلاش میں آج بھی اس کا ساتھ دے رہی ہے اور کل بھی دے گی۔ اور مشینی ترجمہ ایک نہ ایک دن خوابِ یوسف بن کر تعبیر آشنا ہوگا۔ یہ بھی کم پیشرفت نہیں جس کا ذکر صفحات گذشتہ میں کیا جا چکا ہے اور جس کی ایک صورت وہ دستی سے "مقلب اللسان" Language Converter کمپیوٹر ہیں جو متاع بازار بن چکے ہیں۔ ان میں سے بعض کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ ترجمہ جانے والے لفظوں اور مرکبات کو نیز ترجمے کو بصارت آشنا کرتے ہیں اور بعض جو ترجمہ کاروں کے زیادہ کام آنے والے ہیں بصارت آشنا کرنے کے ساتھ سماعت آشنا بھی کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ان کو بعض نے "لغت گویا" کا نام دیا ہے۔ ان مقلب اللسان دستی کمپیوٹروں کو مفید سے مفید تر بنانے کے لیے ان کے ذخیرہ الفاظ میں بھی اضافہ کیا جا رہا ہے اور دائرہ ہائے لسانی میں بھی۔ اگرچہ ان کی کارکردگی اس لحاظ سے محدود بھی ہے کہ خانے میں نہ ڈالے گئے لفظوں کے معاملے میں یہ مشینیں گنگی ہیں۔ اسی طرح کثیر المعانی الفاظ بھی ان کے لیے وجہ دشواری بنتے ہیں۔ مستزاد یہ کہ ترجمہ بیشتر لفظی ہوتا ہے اور بعض ان پر یہ پھبتی کستے ہوئے ملتے ہیں کہ وہ پردیسی جو ٹوٹی پھوٹی اجنبی بولی بول لیتا ہے۔ الٹے سیدھے اشاروں سے کام لے سکتا ہے یا اٹک اٹک کر لفظ ادا کرتا ہے ان مشینوں سے زیادہ ابلاغ مافی الضمیر میں کامیاب رہتا ہے۔

بعض لوگوں نے مشینی ترجمے میں درپیش دشواری کا حل یہ بتایا ہے کہ ماخذی اور ہدفی زبانوں کے حروف و اصوات تہجی میں یگانگت پیدا کی جائے۔ اس صورت میں ان کا خیال ہے کہ یورپ کی بیشتر زبانوں میں امریکہ اور آسٹریلیا سمیت مشینی ترجمہ کاری کے لیے مناسب میم تائی نظام وجود میں آسکتا ہے لیکن شاید وہ چینی اور جاپانی طرز کی تصویر نما لکھاوٹ والی زبانوں میں کام نہ دے سکے اور عربی فارسی اُردو ایسی زبانوں کو بھی یا تو رومن رسم الخط کا مرہون ہونا پڑے یا دائرے سے باہر کوئی اپنا نظام تیار کرنا پڑے۔ جو پورے مشرق وسطیٰ میں پاکستان سمیت کام دے سکے جہاں کے حروف و اصوات تہجی قرآنی اصوات و حروف تہجی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور پھر ان "ہجائی بلاکوں" میں ابلاغ باہمی کے لیے کوئی اور میم تائی نظام اختراع کر لیا جائے یا ہو جائے جس سے مشرق و مغرب کے ہجائی و صوتی اختلاف سے پیدا ہونے والی دشواریوں کا درمان ہو سکے جو ناممکن نہیں ہے کہ گذشتہ نصف صدی سے بھی کم عرصے میں کمپیوٹر جس طرح انسانی معاشرے میں دخل انداز ہوا ہے اور دن بدن ہو رہا ہے اور جمع تفریق کے معمولی کام سے لے کر خلا نوردی ایسے حیرت انگیز کارنامے

تک ہر میدان میں انسان کا جس طرح مفید معاون ومشیر ثابت ہوا ہے اس سے بجا طور پر توقع وابستہ کی جا سکتی ہے کہ ترجمہ کاری میں بھی وہ ہماری حسب منشا امداد کے قابل ہو جائے گا ؏

در طلب کوش و مدہ دامن امید ز دست

دولتی ہست کہ یابی سر راہے گاہے

اوراق گذشتہ میں بیان کی گئی باتیں بیشتر اس صنف علم سے تعلق رکھنے والی کتابوں سے ماخذ ہیں جن میں سے انسائیکلوپیڈیا آف کمپیوٹر سائنس۔ ڈکشنری آف کمپیوٹنگ۔ پنگوئن ڈکشنری آف کمپیوٹر اور ڈبلیو جے ہچنز۔ راؤل سمتھ اور ولیم فرالے کے اس موضوع سے متعلق مقالے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اور یہاں ان کو اس لیے چھیڑا گیا ہے کہ آج نہیں تو کل ہمیں بھی ان سے واسطہ پڑنا ہے اور آخر ایک نہ ایک دن ہماری قومی زبان کو بھی ان مراحل میں سے گزرنا ہو گا جن سے آج دوسری ترقی یافتہ زبانیں گزر رہی ہیں۔

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو سیلی پرنٹر
۶۔ وزارت قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذِ اُردو
۱۰۔ وضع و استناد اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافت پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصاب تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلس زبان دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان ۔ آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور علمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو
۳۸۔ چترال میں اُردو
۳۹۔ اُردو، گنتی کے چند پہلو
۴۰۔ اُردو کتابت کیلئے چند کارآمد اصول
۴۱۔ اُردو اور صوفی ازم
۴۲۔ اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب
۴۳۔ ترکی میں اُردو
۴۴۔ چین میں اردو
۴۵۔ ذخیرۂ شیرانی میں اردو مخطوطات
۴۶۔ مشینی ترجمے کا ماضی اور مستقبل

عزیز احمد

(کتابیات)

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

۱۹۸۶ء

عزیز احمد

(کتابیات)

پمفلٹ نمبر ۴۷

مشاہیر اردو — سلسلہ نمبر ۱

طبعِ اوّل : ۱۹۸۶ء

طابع : پیپ بورڈ پرنٹرز لمیٹڈ ،
راولپنڈی

ناشر : ڈاکٹر وحید قریشی
(صدر نشین)

مقتدرہ قومی زبان
مکان نمبر ۱۰ ، گلی نمبر ۳۲ ،
سیکٹر ایف ۸/۱ ،
اسلام آباد

عزیز احمد

(کتابیات)

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مختصر سوانحی خاکہ

اصل نام : عزیز احمد

قلمی نام : عزیز احمد عثمان آبادی کے قلمی نام سے لکھنے کی ابتدا کی ، بعد میں صرف عزیز احمد (اصل نام) سے لکھا۔

تاریخ پیدائش : ۱۱ر نومبر ۱۹۱۳ء ضلع بارہ بنکی ، حیدر آباد (دکن)۔

تاریخ وفات : ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء ٹورنٹو ، کنیڈا۔

تعلیم : بی۔ اے (آنرز) مضامین : اُردو ، انگریزی ، فارسی (درجہ اول) جامعہ عثمانیہ ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۴ء۔

بی۔ اے (آنرز) انگریزی زبان و ادب ، لندن یونیورسٹی ۱۹۳۸ء۔

ڈی۔ لٹ (اعزازی) بطور اعتراف تواریخی تحقیقات ، لندن یونیورسٹی ۱۹۷۲ء۔

اعزاز :

(۱) فیلو آف دی رائل سوسائٹی آف کنیڈا۔

(۲) اعزازی شہریت بمع مہر زریں رقم من جانب حکومت اطالیہ (اٹلی)۔

(۳) عزیز احمد کے اعزاز میں یادگار مقالات کا مجموعہ 'ISLAMIC SOCIETY AND CULTURE' مرتبہ ملٹن اسرائیل وا ین۔ کے دیگل مطبوعہ MANOHAR انصاری روڈ ، ۲۔ دریا گنج ، نئی دہلی ۱۹۸۳ء

(۴) 'عزیز احمد لیکچرز' سالانہ انتظام ٹورنٹو یونیورسٹی ، کنیڈا۔

(۵) رکنیت اکادمی ادبیات ، کنیڈا۔

مصروفیات :

(۱) لیکچرر شعبۂ انگریزی جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن ۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۱ء۔

(۲) پرائیویٹ سیکریٹری، نواب میر عثمان علی خان کی بہو اور آخری خلیفۃ المسلمین عبدالمجید (سلطان ترکی) زوجہ ولیعہد (نظام حیدر آباد دکن) علی خاں بہادر شہزادی درشہوار ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء۔

(۳) ریڈر شعبۂ انگریزی، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۶ء تا ۱۹۴۷ء۔

(۴) پروفیسر شعبۂ انگریزی، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۹ء۔

(۵) اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات (مطبوعات وفلم سازی) حکومت پاکستان ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۰ء۔

(۶) ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ تعلقاتِ عامہ وزارت امور کشمیر حکومت پاکستان ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۳ء۔

(۷) ڈائریکٹر محکمہ تعلقاتِ عامہ وزارت امور کشمیر حکومت پاکستان ۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۷ء۔

(۸) اوورسیز لیکچرار شعبۂ اُردو، اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز، لندن ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۲ء۔

(۹) ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اسلامیات ٹورنٹو یونیورسٹی کینیڈا ۱۹۶۲ء تا وفات۔

(۱۰) وزیٹنگ پروفیسر کیلی فورنیا یونیورسٹی لاس اینجلز، امریکا ۱۹۶۹ء تا وفات۔

عزیز احمد نے بطور ہفت زباں مترجم، افسانہ نگار، ناولسٹ، اقبال شناس، نظم گو، محقق اور ناقد کے شہرت پائی۔

عزیز احمد کے والد بشیر احمد کاکوری کے محلّہ گھا محل میں اقامت پذیر تھے۔ ان کا شمار حیدر آباد دکن کے نامور وکلا میں ہوتا تھا۔ عزیز احمد بچپن میں والدین کی شفقت سے محروم ہو جانے کے بعد اپنے حقیقی ماموں محمد احمد کی سرپرستی میں چلے گئے۔ محمد احمد کا پیشہ وکالت تھا۔

عزیز احمد نے میٹرک کے بعد (۱۹۲۸ء میں) جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہیں سے ایف۔ اے کرنے کے بعد ۱۹۳۴ء میں اعزاز کے ساتھ بی۔ اے (آنرز) کیا۔ جامعہ عثمانیہ میں عزیز احمد کو ڈاکٹر

مولوی عبدالحق، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، پروفیسر عبدالقادر سروری، مولوی وحیدالدین سلیم اور مولانا مناظر احسن گیلانی جیسے اساتذہ میسر آئے۔ طالب العلمی کے زمانے میں دیگر اساتذہ کی نسبت سب سے زیادہ ربط ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور پروفیسر عبدالقادر سروری سے رہا۔ عبدالقادر سروری کے ماہنامہ مجلّہ 'مکتبہ' کے لیے بطور معاون کام کرتے رہے۔ بی۔اے (آنرز) کے بعد مولوی عبدالحق کی کوششوں سے عزیز احمد کو اعلیٰ تعلیم کے لیے وظیفہ ملا، سو ۱۹۳۵ء میں انگلستان چلے گئے۔ لندن یونیورسٹی میں قیام کے دوران ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے توسط سے ای۔ ایم۔ فورسٹر سے ملاقاتیں رہیں۔ ۱۹۳۸ء میں لندن یونیورسٹی سے بی۔ اے (آنرز) کی ڈگری لی اور کچھ عرصہ یورپ کی سیر و سیاحت میں گزارا۔ انہی ایام میں فرانس کی سوربون یونیورسٹی سے کچھ عرصہ منسلک رہے اور فرانسیسی زبان سیکھی۔ ۱۹۳۸ء میں وطن واپسی پر جامعہ عثمانیہ سے منسلک ہو گئے۔

عزیز احمد کی شادی ۱۹۴۰ء میں ہوئی۔ ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء شہزادی درشہوار کے پرائیویٹ سیکریٹری کے طور پر شہزادی صاحبہ کے ہمراہ اکثر موسم گرما میں کشمیر جانے کا اتفاق ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں ایک بار پھر جامعہ عثمانیہ سے منسلک ہو گئے اور ۱۹۴۹ء تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔ ۱۹۴۹ء میں استعفا دے کر پاکستان ہجرت کر آئے۔ ۱۹۵۷ء تک محکمہ اطلاعات پاکستان و وزارت امور کشمیر پاکستان سے متعلق رہنے کے بعد برطانیہ چلے گئے۔ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۲ء اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز (برطانیہ) اور ۱۹۶۲ء تا وفات شعبۂ اسلامیات، ٹورنٹو یونیورسٹی (کنیڈا) میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آخری عمر میں آنتوں کے سرطان کا شکار ہوئے۔ کنیڈا میں ان کے تین آپریشن کیے گئے۔ آخری آپریشن سے ان کی بڑی آنت نکال کر ایک پلاسٹک کی تھیلی لگا دی گئی تھی۔

عزیز احمد کو عربی زبان کی اچھی شد بد تھی۔ اُردو، انگریزی، فرانسیسی اور فارسی زبانوں پر کامل عبور حاصل تھا۔ جبکہ ترکی، اطالوی اور جرمن زبانوں میں گفتگو کر لیتے تھے۔ آخری عمر میں نارویجن زبان سیکھ رہے تھے۔

ٹورنٹو (کنیڈا) میں ان کا قیام سینٹ جان بلڈنگ کے تین بیڈ روم اپارٹمنٹ میں رہا۔ وفات (۱۶ر دسمبر ۱۹۷۸ء) کے ٹھیک چھ ماہ بعد ان کی مدت ملازمت ختم ہو رہی تھی۔ ٹورنٹو (کنیڈا) میں دفن ہوئے۔ اوائل ۱۹۷۵ء میں آخری بار قائد اعظم میموریل لیکچرز کے سلسلے میں اسلام آباد (پاکستان) آئے۔

ان کی آخری پبلک میٹنگ ۸ نومبر ۱۹۷۸ کی شام فیض احمد فیض کے اعزاز میں ہونے والے مشاعرہ منعقدہ ٹورنٹو کینیڈا میں شرکت تھی۔

ابتدائی مطبوعہ تحریریں:

اعجاز حنیف کے مطابق عزیز احمد نے تصنیف و تالیف کا آغاز ترجمے سے کیا۔ ان کی پہلی دو مطبوعہ تحریریں:

(۱) 'بچپن' (رڈیارڈ کپلنگ کے افسانے کا ترجمہ) مطبوعہ: لاہور، نیرنگ خیال، شمارہ ستمبر ۱۹۲۸ء

(۲) 'شریر لڑکا' (رابندر ناتھ ٹیگور کے افسانے کا ترجمہ) مطبوعہ، لاہور، نیرنگ خیال، شمارہ دسمبر ۱۹۲۸ء

ان دو ترجموں کے بعد عزیز احمد نے اپنا اولین افسانہ 'کشاکش جذبات' کے عنوان سے لکھا، جو پروفیسر عبدالقادر سروری کی ادارت میں شائع ہونے والے 'مجلہ مکتبہ'، حیدر آباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ شمارہ نومبر ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔

قلمی آثار (مطبوعہ کتب)

تنقید:

(۱) 'ترقی پسند ادب' (تنقیدی تاریخ) حیدر آباد دکن، ادارہ اشاعت اردو، طبع اوّل: ۱۹۴۵ء

(۲) 'اقبال نئی تشکیل' (تنقید) کراچی کتب خانہ تاج آفس، طبع اول: ۱۹۵۰ء

(۳) 'شعرائے عصر کے کلام کا انتخاب جدید' (بہ اشتراک آل احمد سرور) دہلی، انجمن ترقی اُردو (ہند) طبع اوّل: ۱۹۴۳ء

۱۹۷۳ء تک انجمن ترقی اُردو (پاکستان) کراچی نے پانچ ایڈیشن شائع کیے۔ یہ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۴۲ء کے شعرا کا انتخاب ہے۔ عزیز احمد نے تمہید کے طور پر ۱۱ صفحات شاملِ کتاب کیے ہیں

(۴) 'اقبال اور پاکستانی ادب' (تنقیدی مضامین: مرتبہ طاہر تونسوی) لاہور، مکتبہ عالیہ، طبع اول: ۱۹۷۷ء

ناول / ناولٹ

(۱) 'ہوس' (ناول) لاہور، مکتبہ اردو: سویرا پریس، طبع اوّل: س۔ن

لاہور، مکتبہ جدید طبع سوم: ۱۹۵۱ء

(۲) 'مرمر اور خون' (ناول)، لاہور، مکتبہ اُردو : سویرا پریس، طبع اوّل : ۱۹۴۴ء
(دیباچہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق) لاہور، مکتبہ جدید : طبع دوم : ۱۹۵۱ء
(۳) 'گریز' (ناول)، لاہور، مکتبہ اُردو : سویرا پریس، طبع اوّل : ۱۹۴۲ء
لاہور، مکتبہ جدید : طبع سوم : ۱۹۵۵ء
(۴) 'آگ' (ناول)، لاہور، مکتبہ اُردو : سویرا پریس، طبع اوّل : ۱۹۴۵ء
لاہور، مکتبہ جدید : طبع دوم : ۱۹۵۶ء
(۵) 'ایسی بلندی ایسی پستی' (ناول)، لاہور، مکتبہ جدید : طبع اوّل : ۱۹۴۸ء
(۶) 'شبنم' (ناول)، لاہور، مکتبہ جدید، طبع اوّل : ۱۹۵۱ء
(۷) 'مثلث' (ناولٹ)، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، طبع اوّل : ۱۹۸۵ء
(عزیز احمد : حیات و خدمات، از ابوسعادت جلیلی، پیش لفظ از عتیق احمد، ناولٹ کی روایت 'مثلث' از شمیم احمد شامل کتاب ہیں)
(۸) تری دلبری کا بھرم (ناول)، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، طبع اوّل : ۱۹۸۵ء
(تعارفیہ' از رفعت نواز، مقدمہ از پروفیسر عبدالسلام شامل کتاب ہیں ص ۹۳)
(۹) 'دو تاریخی (تیموری) ناولٹ'، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، طبع اوّل : ۱۹۸۵ء
(کتاب میں 'خدنگ جستہ' اور 'جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں' کے علاوہ تعارف از فاروق عثمانی اور افتتاحیہ از ڈاکٹر زہرہ مسیح الزماں شامل ہیں۔ کل صفحات ۱۵۲)

افسانہ :

(۱) 'رقص ناتمام' (افسانے)، لاہور، مکتبہ جدید، طبع اوّل : ۱۹۴۷ء
(۲) 'بیکار دن بیکار راتیں' (افسانے) لاہور، مکتبہ جدید، طبع اوّل : دسمبر ۱۹۵۰ء
(۳) 'آب حیات' (تاریخی افسانے) لاہور، مکتبہ میری لائبریری طبع اوّل : ۱۹۸۶ء
(شعلہ زار الفت، میرا دشمن میرا بھائی، مدن سینا اور صدیاں، زرین تاج، نن لل رومتہ الکبریٰ کی ایک شام اور آب حیات کُل سات افسانوں کا مجموعہ۔ افتتاحیہ از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ اور تعارفی تجزئیات از ممتاز شیریں، مسعود جاوید، شہزاد منظر، عتیق احمد اور خالد صدیقی شامل کتاب ہیں)

(۴) 'میٹھی چھری' (افسانے) لاہور، مکتبہ اُردو، طبع اوّل: ۱۹۴۷ء سے قبل نایاب)

(۵) 'کایا پلٹ' (افسانے) لاہور، مکتبہ اُردو، طبع اوّل: ۱۹۴۷ء سے قبل (نایاب)

تراجم:

(۱) 'معمارِ اعظم' (ڈراما از ہنرک ابسن)، دہلی، انجمن ترقی اُردو ہند، طبع اوّل: ۱۹۴۵ء

(نارویجن زبان سے 'THE MASTER BUILDER' کا انگریزی کی معرفت ترجمہ، پہلے انجمن کے سہ ماہی مجلہ "اردو" دہلی میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ نارویجن زبان انہوں نے بعد میں سیکھی)

(۲) 'فنِ شاعری' ('POETICS' از ارسطو) دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند) طبع اوّل: ۱۹۴۱ء

(بوطیقا' کا ترجمہ مع مقدمہ و حواشی۔ آخر میں بطور ضمیمہ مترجم کی طرف سے اشارات و تلمیحات کی وضاحت کر دی ہے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی نے ۱۹۷۷ء میں ۱۲۶ صفحات کی ضخامت میں شائع کیا۔)

(۳) 'رومیو جولیٹ' (ڈراما از ولیم شیکسپیئر) دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند) طبع اوّل: ۱۹۴۱ء

('ROMEO AND JULIET' کا ترجمہ مع مقدمہ و حواشی۔ اس ترجمے کو انجمن نے کراچی سے ۱۹۶۱ء میں دوبارہ شائع کیا۔)

(۴) 'مقالاتِ گارساں دتاسی' دو جلدیں (از گارساں دتاسی) دہلی، انجمن ترقی اُردو (ہند)

فرانسیسی زبان سے 'LA LANGUE ET LA LITTERATURE HINDUSTANIES EN 1871-1877' کا ترجمہ باشتراک: ڈاکٹر یوسف حسین خاں و ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری۔ پہلی جلد یوسف حسین خاں، دوسری جلد اختر حسین رائے پوری و عزیز احمد۔ نظرِ ثانی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ کتابی صورت میں شائع ہونے سے قبل یہ ترجمہ انجمن کے مجلہ 'اردو' جلد ۱۹ شمارہ ۴ جولائی ۱۹۳۹ء تا اپریل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ دوسری بار انجمن نے کراچی پاکستان سے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔

(۵) 'طربیہ خداوندی' دو جلدیں ('INFERNO' از دانتے) دہلی، انجمن ترقی اُردو (ہند)

طبع اوّل: ۱۹۴۳ء (جرمن زبان سے ترجمہ مع مقدمہ و حواشی۔ 'DIVINE-COMMEDIA' کا ترجمہ دوسری بار انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا۔)

(۶) 'تیمور' (از ہیرلڈلیم) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز بہ اشتراک مؤسسۂ فرینکلن، طبع دوم: س۔ن
(تمبرلینؔ کا ترجمہ امیر تیمور سے متعلق سوانحی فکشن)

(۷) 'چنگیز خان' (از ہیرلڈلیم) لاہور مکتبہ جدید ، طبع اوّل: ۱۹۵۲ء
(چنگیز خاں سے متعلق سوانحی فکشن)

(۸) 'تاتاریوں کی یلغار' (از ہیرلڈلیم) لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع دوم: ۱۹۶۰ء
('THE MARCH OF THE BARBARIANS' کا ترجمہ۔ دیباچہ: مولانا غلام رسول مہر۔ بقول مولانا غلام رسول مہر یہ کتاب "مستقل تصنیف کا درجہ رکھتی ہے۔" ص۔ ۴۰۰)

(۹) 'دنیا کے شاہکار افسانے' (مرتبہ: عبدالقادر سروری بہ اشتراک عزیز احمد) حیدر آباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ، (فرانسیسی افسانے) طبع اوّل: ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ یا ۱۹۲۳ء
(یہ کتاب کئی جلدوں میں شائع ہوئی۔ 'جرمن افسانے'، 'فرانسیسی افسانے'، 'روسی افسانے'، اور 'ولندیزی افسانے'، نام کی جلدوں میں عزیز احمد کے تراجم بھی شامل ہیں۔ مثال کے طور پر 'فرانسیسی افسانے' نامی جلد میں اناطول فرانس، گاشہ، موپاساں، ایمائل زولا، الکش فشہر، وکٹر ہیوگو اور بالزاک کے افسانوں کو صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر، غلام عباس، معراج الدین شامی اور بدرالدین بدر نے اُردو میں منتقل کیا۔

(۱۰) رسل کی ایک کتاب کا ترجمہ (تاحال دریافت طلب) دیکھیے 'مکتوبات عبدالحق' مرتبہ: جلیل قدوائی۔ ص ۵۵۴۔

تاریخ / پاکستانیات / اسلامیات / سماجیات:

(۱) 'نسل اور سلطنت' (تاریخ) دہلی، انجمن ترقی اُردو (ہند) طبع اوّل ۱۹۴۱ء
یہ تاریخ سے متعلق عزیز احمد کی طبع زاد تصنیف ہے۔ کل صفحات ۱۸۹۔ آریاؤں کی نسلی برتری کے جرمن ادعا کی تاریخی بنیاد پر تحقیق، علوم الابدان اور سماجیات کے حوالے سے۔

(۲) "STUDIES IN ISLAMIC CULTURE IN THE INDIAN ENVIRONMENT"
(تاریخ۔ سماجیات)، لندن، OXFORD VARSITY PRESS طبع اوّل ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۰ء

(۳) "ISLAMIC MODERNISM IN INDIA AND PAKISTAN"

لندن، OXFORD VARSITY PRESS، ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۰ء

(۴) 'AN ITELLECTUAL HISTORY OF ISLAM IN INDIA'

جرمنی، EDINBURGH VARSITY PRESS، طبع اوّل: ۱۹۶۹ء

(۵) 'READINGS IN MUSLIM SELF-STATEMENT IN INDIA AND PAKISTAN'

(1957-1969) - (باشتراک: WIESBADEN) طبع اوّل: ۱۹۷۰ء

(۶) 'RELIGION AND SOCIETY IN PAKISTAN' مشمولہ، CONTRIBUTION

TO ASIAN STUDIES') - جلد دوم۔ مرتبہ: LIEDEN E.J. BRILL، طبع اوّل: ۱۹۷۱ء

(۷) 'A HISTORY OF ISLAMIC SICILY' جرمنی EDINBURGH VARSITY PRESS طبع اوّل ۱۹۷۵ء

'STORIA SELLA SICILIA ISLAMICA'

(۸) 'INTELLECTUAL HISTORY OF MUSLIM'S'، طبع اوّل: ۱۹۷۵ء

(۹) 'QUAID-E-AZAM MEMORIAL LECTURES'، (سائیکلو سٹائل شدہ)

شاعری:

(۱) 'ماہ لقا اور دوسری نظمیں'، حیدر آباد دکن، اعظم سٹیم پریس، طبع اوّل: ۱۹۴۳ء
اس مجموعے میں، عمر خیام، مثنوی مصنفہ ۱۹۳۲ء، ماہ لقا مصنفہ ۱۹۳۸ء اور
فردوس بر روئے زمین، مصنفہ ۱۹۴۲ء شامل ہیں۔

ترتیب و تہذیب:

(۱) تحقیقی و ادبی مجلہ، 'مکتبہ' انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن۔ (پروفیسر
عبدالقادر سروری کے شریک مدیر رہے۔)

(۲) 'چار لقمے' مرتبہ: عزیز احمد، حیدر آباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ، طبع اوّل: ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء

متفرق مضامین (غیر مدوّن):

(۱) مرزا فرحت اللہ بیگ کا مزاحیہ اسلوب۔ نقوش لاہور نمبر ۱

(۲) ہماری زبان (مسئلہ) ” ” نمبر ۲

(۳) فسانۂ عجائب اور پدماوت . نقوش، لاہور نمبر ۵

(۴) 'کشکول' نمبر ۱۱، ۱۲

(۵) 'شاد عظیم آبادی' نمبر ۲۱، ۲۲

(۶) منٹو (شخصیت) " نمبر ۳۱، ۳۲

(۷) جدید اردو تنقید سویرا، لاہور نمبر ۴

(۸) اقبال اور فن برائے زندگی " نمبر ۵، ۶

(۹) افسانہ در افسانہ " نمبر ۱۲

(اب یہ مضمون 'آب حیات' میں شامل ہے)

(۱۰) ادبی تنقید نیا دور، بنگلور نمبر ۱۳

(۱۱) کلاسیکی تصورات پر اقبال کی تنقید، نیا دور، کراچی نمبر ۱۸، ۱۹

(۱۲) اقبال کا نظریۂ فن رسالہ اردو ، ۱۹۴۹ء

(۱۳) سب رس کے ماخذ و مماثلات " ، ۱۹۵۰ء

(۱۴) طلسم ہوشربا اردو ادب، لاہور، نمبر ۲

(۱۵) اقبال کا رد کردہ کلام ماہِ نو، کراچی، اپریل ۱۹۵۲ء

(۱۶) ناول " مئی ۱۹۵۵ء

(۱۷) 'URDU LITRATURE IN CULTURAL HERITAGE OF PAKISTAN'

(EDS. S.M. IKRAM AND PERCIVAL SPEAR.) KAR. OXFORD VARSITY PRESS, 1955

(اس کتاب کا ترجمہ 'اردو ادب ثقافت پاکستان' کے نام سے جلیل قدوائی نے کیا تھا جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا)

'INCYCLOPEDIA OF ISLAM' LEIDEN، جلد دوم، طبع اول ۶۳-۱۹۶۲ء میں مندرجہ ذیل تین مضامین شامل ہیں:

(۱۸) "DIN-I-ILAHI" Fasc. 27. pp. 296-7;

(۱۹) "Djam'iyya" (India & Pakistan) Fasc. 29. P. 437;

(۲۰) "Djamali" Fasc. 29. pp. 421-422

21. "Islam-d-Espagne et Inde Musulmane moderne" in (*E'tudes d'Orientalism de'diees la Memoire de Levi-Povencal*) Paris: G.P. Moisonneuve et Lorose, 1962.

22. "Origin of Country Love and the Problem of Communication" (*Islamic Culture,* Vol. XXIII, 1949, pp. 48–61).

23. "Sources of Iqbal's Perfect Man" (*Iqbal,* Vol. VII, No. 1, 1958).

24. "La Litterature De Langue Ourdou" (*Orient,* Vol. VII, 1958)

25. "Le Mouvement Des Mujahidin Dans I'Inde Au Xixe Siecle" (*Orient,* Vol. XV, 1960, pp. 105–16).

26. "Influence De La Litterature Francaise Sur La Litterature Ourdou" (*Orient,* Vol. XI, 1959, pp. 125–36).

27. "Iqbal Et La Theorie Du Pakistan" (*Orient,* Vol. XVII, 1961).

28. "Les Musulmans Et Le Nationalism Indien" (*Orient,* Vol. XXII, 1962, pp. 75–96).

29. "Remarques Sur Les Origines Du Pakistan" (*Orient,* Vol. XXVI, 1963, pp. 21–30).

30. "Sayyid Ahmad Khan, Jamal Al-din Al-Afghani and Muslim India" (*Studia Islamica* Vol. XIII, 1960, pp. 55–78)

31. "Trends in the Political Thought of Medieval India" (*Studia Islamica,* Vol. XVII, 1963).

32. "El Islam Espanol Y La India Musulmana Moderna" (*Ford International,* Vol. 1, No. 4, 1960).

33. "Religious & Political Ideas of Shaikh Ahmed Sirhindi" (*Rivista Degli Studi Oriental,* Vol. XXXVI, 1961).

34. "Akbar, Heretique Ou Apostat?" (*Journal Asiatique*, No. 1, No. CCXLIX, 1961).

35. "Monool Pressure in an Alien Land" (*Central Asiatic Journal*, Vol. VI, no. 3, 1961).

36. "Moghul Indien Und Dar-Al-Islam" (*Saeculum*, No. 3, 1961).

37. "Political and Religious Ideas of Shah Wali-Ullah of Delhi" (The Muslim World, No. 4, 1962).

38. "The Sufi and the Sultan in Pre-Mughal Muslim India" (Der Islam, Nos. 1-2, 1962).

39. "Dar al-Islam and the Muslim Kingdoms of Deccan and Gujarat (*Journal of World History*, No. 3, 1963).

40 "The Conflicting Heritage of Sayyid Ahmad Khan and Jamal Al-Din Afghani in the Muslim Political Thought of the Indian Sub-Continent" in *Trudi XXV Mejdunarodnovo Kongressa Vostokovedov*, Moscova 1960, Moscow: Izdatelstvo Vostochnoi Literaturi, Vol. IV, 1963-64).

41. "Sufism und Hindu Mystik" *Saeculum*, Vol. XV, No. 1, 1964.

- کیمبرج ہسٹری آف اسلام (CAMBRIDGE HISTORY OF ISLAM) کے لیے
عزیز احمد نے مندرجہ ذیل دو ابواب قلمبند کیے:

42. "India-Pakistan" being Chapter 6 in Part VIII, Vol. II. Section on *Urdu Literature* in Chapter I, *Literature*, in Part X.

43. *The Islamic Contribution to Civilisation:* Vol. II.

44. "Mawdudi and Orthodox Fundamentalism in Pakistan" (*Middle East Journal*, Vol. 21, No. 3, 1967, pp. 369–380).

45. *Universalqeschichte*, No. 1/2, 1967, pp. 1–12).

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (LEIDEN (ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM ، ۱۹۶۲ء
میں مندرجہ ذیل ۸ مضامین شامل ہیں:

Leiden (Encyclopaedia of Islam)

46. "Ghiyat-al-Din Tughluk I

47. "Ghiyat-al-Din Tughluk Shah II (II p. 1076-77).

48. "Hāli" (III, p. 93-94).

49. "Hamāsa" (Urdu Literature) III, p. 119.

50. "Hasan Dihlawi" (III, p. 249).

51. "Hidiā – IV Urdu" (III, p. 358-9).

52. "Hikāya – IV Urdu" (III, p. 375-6).

53. "Hind – Islamic Culture" (III, p. 438–40).

54. "Epic and Counter-Epic in Medieval India" (*Journal of the American Oriental Society*, Vol. 83, No. 4, 1963, pp. 470–76).

55. "Cultural and Intellectual Trends in Pakistan" (*The Middle East Journal*, Vol. 19, No. 1, 1965, pp. 35–44).

56. "Approaches to History in the Late Nineteenth and Early Twentieth Century Muslim India" (*Journal of World History*, Vol. IX, No. 4, 1966, pp. 987/1008).

57. "Problems of Islamic Modernism with Special Reference to Indo-Pakistan Sub-Continent" (*Archives De Sociologie Des Religions*, Vol. 23, 1967, pp. 107–116).

58. "An Eighteenth-Century Theory of the Caliphate" (*Studia Islamica*, Fasc. XXVIII, 1968, pp. 135–44).

59. "Afghani's Indian Contacts" (*Journal of the American Oriental Society*, Vol. 89, No. 3, July-Sep. 1969, pp. 476–504).

60. "Muslim Attitude and Contribution to Music In India" (Zeitschrift Der Deutschen Morgen Landischen Gesellschaft, Band 119, Heft I, 1969, pp. 86–92).

61. "L'Islam Et La Democratie Dans Le Sous-Continent Indo-Pakistanis", *Orient*, 51-52/3-4, (1969), pp. 9–26.

62. "The Role of Ulema in Indo-Muslim History" (*Studia Islamica*, Fasc. XXXI, Voluminis Memoriae J. Schcht Dedicati: Paris Prior, Paris: G.P. Maisonneuve-Larose, 1970, pp. 1–13).

63. "Pakistan Faces Democracy" (*The Round Table*, No. 242, April 1970, pp. 227–238).

64. "Islam and Democracy in the Indo-Pakistan Subcontinent" in *Religion and Change in Contemporary Asia*, by Robert F. Spencer Ed., pp. 123–142. Minneapolis: University of Minnesota Press, 1971.

65. "The Formation of *Sabk-i-Hindi*", in *Iran and Islam*, in Memory of the Late Vladimir Minorsky, Ed. C. E. Bosworth. pp. 1–9. Edinburgh University.

66. "Indien"; in *Fischer Weltqeschichte*, Band 15: *Der Islam* II, Herausgegeben von G. E. von Grunebaum. Frankfurt Am Main: Fischer Taschenbuch Verlac GMBH., 1971, pp. 226–287.

٦٧۔ ترقی پسند ادب کیا ہے؟ (مضمون) مطبوعہ: رسالہ اردو، اورنگ آباد۔ دکن اپریل ١٩٣٥ء

تبصرے:

(۱) لیلیٰ کے خطوط (از: قاضی عبدالغفار) مطبوعہ: رسالہ 'اردو' اورنگ آباد - دکن
اپریل ۱۹۲۵ء

(۲) 'موت سے پہلے' (از احمد علی) مطبوعہ 'نیادور' بنگلور شمارہ ۱۲

(۳) 'اور بنسری بجتی رہی' (از دیوندر ستیارتھی) ایضاً

(۴) 'آئینہ ہندی' (مرتبہ ایس ایس عطاالرحمٰن) بلیٹن آف دی سکول آف اوریئنٹل اینڈ افریقن سٹڈیز } جلد اوّل، لندن، ۱۹۶۱ء

(۵) 'مجموعہ اشعار شمس بلخی' (مرتبہ سید حسن) ایضاً ″

(۶) 'پنجابی قصّے فارسی زبان میں' (از: ڈاکٹر محمد باقر) ایضاً ″

(۷) 'مسلمانوں کے سیاسی افکار' (از: رشید احمد جعفری) ایضاً ۱۹۶۲ء

(۸) '۔ اسلام اور ۔' (از: رشید احمد جعفری) ایضاً ″

(۹) 'خیر المجلس' (از: خالق احمد نیازی) ایضاً (جلد دوم) ″

(۱۰) 'تعلیمات غزالی' (از: محمد حنیف ندوی) ایضاً ۱۹۶۳ء

(۱۱) 'الفخری' (از: جعفر شاہ پھلواروی) ایضاً ″

(۱۲) 'تاریخ تصوف قبل از اسلام' (از: بشیر احمد ڈار) ایضاً ″

(۱۳) { "STORIE DELL E LETTERATURE DEL PAKISTAN" (BY: ALESSANDO BAUSANI) } ایضاً (جلد سوم) ۱۹۶۱ء

(۱۴) { "RELIGIOUS AND POLITICS IN PAKISTAN" (BY: LEONARDO BINDER) } ایضاً (جلد دوم) ۱۹۶۲ء

(۱۵) { "AKBAR: THE RELIGIOUS ASPECT" (BY: R. KARISHNAMURTI) } ایضاً (جلد چہارم) ۱۹۶۲ء

(۱۶) { "HISTORY OF AFGHANS IN INDIA" (BY: M.A. RAHIM) } ایضاً (جلد دوم) ۱۹۶۳ء

(۱۷) "ARAB ROLE IN AFRICA" (BY: J. BAULIN) ایضاً (جلد دوم) "

(۱۸) "MODERN ISLAM" BY: G.E. VON GUNEBAUM ایضاً (جلد سوم) "

(۱۹) "POLITICAL CHANGE IN MOROCCO" (By: D.E. ASHFORD) ایضاً (جلد سوم) "

متفرق افسانے (غیر مدوّن)

(۱) 'نفرت کیوں تھی؟'، مطبوعہ: 'نقوش' لاہور شمارہ ۱
(۲) 'جَل منڈل'، مطبوعہ: ایضاً شمارہ ۲
(۳) 'بازیابی'، مطبوعہ: ایضاً شمارہ ۱۵، ۱۶
(۴) 'قاتل کبیر'، مطبوعہ: ایضاً شمارہ ۲۵، ۲۶
(۵) 'کٹھ پتلیاں'، مطبوعہ: اردو ادب لاہور شمارہ ۲
(۶) 'کشاکش جذبات'، مطبوعہ: مجلہ مکتبہ حیدرآباد دکن نومبر ۱۹۲۹ء

متفرق تراجم (غیر مدوّن)

(۱) 'بچپن' (رڈیارڈ کپلنگ کے افسانے کا ترجمہ) مطبوعہ: نیرنگ خیال' لاہور، ستمبر ۱۹۲۸ء
(۲) 'شریر لڑکا' (ٹیگور کے افسانے کا ترجمہ) مطبوعہ: ایضاً، دسمبر ۱۹۲۸ء
(۳) 'خراب آباد' (WASTE LAND: By T.S. ELIOT) مطبوعہ: رسالہ 'اردو'، ۱۹۳۶ء
(۴) 'بجارن' (ٹیگور کے افسانے کا ترجمہ) مطبوعہ: ماہنامہ 'انتخاب نو' کراچی شمارہ ۸، نومبر ۱۹۸۲ء
(۵) عزیز احمد کی تقریباً ۱۵ منظومات بمع انگریزی متون۔ مشمولہ: 'سازِ مغرب'

مرتبہ: حسن الدین احمد (بھارت)

متفرق فیچر / ڈرامے (غیر مدوّن)

(۱) 'مزاحیہ فیچر'۔ جامعہ عثمانیہ میں اسٹیج کیا گیا ۱۹۳۱ء
(۲) 'کالج کے دن' (ڈراما) ایضاً دسمبر ۱۹۳۱ء مطبوعہ مجلہ عثمانیہ، ۱۹۳۲ء

(یہ ڈراما محی الدین قادری زورؔ اور ڈاکٹر سیادت علی خاں (پروفیسر شعبہ قانون) کی نگرانی میں اسٹیج ہوا۔ ہدایات: سید محمد اکبر وفاقانی۔ اس ڈرامے میں مخدوم محی الدین، جمیل احمد، شکور بیگ، رفعت، اشرف اور ظفر الحسن نے مختلف کردار ادا کیے۔)

(۳) 'آنسو' (دیکھیے عزیز احمد اور ان کی ناول نگاری، از حشمت اللہ نیرؔ)

(۴) 'مستقبل' - بزمِ تمثیل حیدر آباد دکن نے اسٹیج کیا ۱۹۳۴ء

(بزمِ تمثیل کا پرانا نام 'حیدر آباد ڈرامیٹک ایسوسی ایشن' تھا۔ اس ادارے کے سرپرست نواب سر امین جنگ اور معتمد سید مصلح الدین تھے۔ ہدایات سید محمد اکبر وفاقانی کی تھیں۔)

غزلیں (غیر مدوّن)

غزلیں "بہ سلسلۂ آغوشِ مرگ" ۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۸ء

متفرق خطبات (غیر مدوّن)

(۱) خطبات اسلام آباد (قائد اعظم میموریل لیکچرز) بمع زبانی گفتگو اور سوال و جواب۔ موضوعاتی نشستیں متعلقہ پاکستانیات، مسلم برصغیر، عالم اسلام، مسائل تواریخ نگاری اور رسسی سے متعلق خطبات - اوائل ۱۹۷۵ء (رسسی سے متعلق خطبات بطور ابواب کتاب متعاقب ایڈیشن میں شامل ہیں جبکہ بقیہ لیکچرز کا مجموعہ تا حال ترتیب طلب ہے۔

(۲) امریکہ و یورپ کی جامعات اور دیگر ادارہ جات میں پیش کردہ خطبات ترتیب طلب ہیں۔

ادبی تواریخ نگاری (غیر مدوّن)

(۱) 'سب رس کے مآخذ اور مماثلات'، سنہ ۱۹۵۰ء

(۲) 'طلسم ہوش ربا'

(۳) 'فسانۂ عجائب'

(۴) 'پدماوت'

مترجمہ تصانیف

(۱) 'ایسی بلندی ایسی پستی' (ناول۔ از عزیز احمد) بعنوان THE SHORE AND THE WAVE' (انگریزی) ترجمہ: رالف رسل و عزیز احمد، مطبوعہ۔ لندن ۱۹۸۱ء سے قبل

(۲) 'تاریخ سسلی' (تاریخ از عزیز احمد) اطالوی زبان میں ترجمہ

(۳) "URDU LITRATURE IN CULTURAL HARITAGE OF PAKISTAN" از عزیز احمد کا اُردو ترجمہ بعنوان: 'اردو ادب: ثقافت پاکستان'۔ از جلیل قدوائی۔ طبع دوم: ۱۹۶۷ء

عزیز احمد سے متعلق تحقیقی کام : برائے ایم۔ اے، ایم۔ فل، پی ایچ۔ ڈی، ڈی لٹ

برائے ایم۔ اے (اُردو)

(۱) 'عزیز احمد اور ان کی ناول نگاری' از حشمت اللہ نیر (نگران : ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں) مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) حیدر آباد (سندھ) یونیورسٹی ۱۹۶۵ء

پہلا باب : سوانح حیات اور ادبی کارنامے ، دوسرا باب : عزیز احمد کا ذہنی ارتقاء۔

تیسرا باب : ناولیں۔ ہوس، مرمر اور خون ، گریز ، آگ ، ایسی بلندی ایسی پستی اور شبنم کا تجزیہ۔

چوتھا باب : اُردو ناول نگاری میں عزیز احمد کا مقام۔ (عزیز احمد کا درجہ ناول نگار حیثیت سے و عزیز احمد کا اثر اُردو ناول نگاروں پر۔

(۲) 'عزیز احمد : آثار و انتقاد' از ریاض احمد چودھری ، مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج ، لاہور سنہ ۱۹۶۵ء

(۳) 'عزیز احمد : آثار و انتقاد' از روشن خیال ، مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) کراچی یونیورسٹی۔ (سندھ) سنہ ۱۹۷۹ء

(۴) 'عزیز احمد کی ناول نگاری' ، از ثقلین احمد ، مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ، ملتان (پنجاب) سنہ ۱۹۸۳ء

برائے ایم۔ فل (اُردو)

(۱) 'ایسی بلندی ایسی پستی' از حیات محمد خاں مقالہ برائے ایم۔ فل (اُردو) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ (بھارت) غالباً ۱۹۸۶ء

حیات محمد خاں ایم۔ فل کے بعد عزیز احمد کی ناول نگاری پر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

برائے پی ایچ۔ ڈی (اُردو)

(۱) 'عزیز احمد : زندگی اور کارنامے' از اعجاز حنیف (نگراں : ڈاکٹر وحید قریشی) مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اُردو) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ ۱۹۸۵ میں مقالہ مکمل کرلیا۔ ڈگری کا انتظار ہے

(۲) عزیز احمد: احوال و آثار، از روشن خیال مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اردو)،
کراچی یونیورسٹی کراچی (سندھ)، مقالہ مکمل کرلیا۔ ڈگری کا انتظار ہے۔

برائے ڈی۔ لٹ (اردو)

(۱) 'عزیز احمد کی ناول نگاری' از شمیم افزا قمر مقالہ برائے ڈی۔ لٹ (اردو)،
بھاگل پور یونیورسٹی، (بھارت)۔ ڈگری دے دی گئی۔

ابواب: مقالہ جات برائے ایم۔ اے (اردو) ڈی۔ فل و پی ایچ۔ ڈی

(۱) 'طویل مختصر افسانہ نگاری' از طاہرہ، مقالہ برائے ایم۔ اے (اردو)،
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور (غیر مطبوعہ)

(۲) 'جدید اردو افسانہ اور نفسیات' از نسرین کوثر، مقالہ برائے ایم۔ اے (اردو)،
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور (غیر مطبوعہ)

(۳) 'جدید اردو افسانے میں داستانوی عناصر' از یاسمین قریشی، مقالہ برائے ایم۔ اے (اردو)،
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور۔ (پنجاب) پاکستان

(۴) 'اردو ناول بیسویں صدی میں' از عبد السلام، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اردو)،
کراچی یونیورسٹی (سندھ) (مطبوعہ)

(۵) 'پاکستان میں اردو ناول' از عبد الحق خاں، مقالہ برائے ڈی۔ فل (اردو)،
سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ)

(۶) 'اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک' از خلیل الرحمٰن اعظمی، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اردو)،
مطبوعہ ایجوکیشنل بک ہاؤس۔ دہلی

(۷) 'اردو ناول آزادی کے بعد' (۱۹۴۷ء تا ۱۹۶۷ء) از اسلم آزاد،
مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اردو) بھارت

(۸) 'اردو افسانے کا ارتقاء' از آغا مسعود رضا خاکی۔ مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اردو)،
پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پنجاب) پاکستان

(۹) 'اُردو کے افسانوی ادب کا سیاسی پہلو' از ابوخالد صدیقی، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی
کراچی یونیورسٹی، کراچی (سندھ) (غیر مطبوعہ)

(۱۰) 'اُردو کا نفسیاتی افسانہ' از غلام حسین اظہر۔ مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی
حیدرآباد سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (غیر مطبوعہ)

(۱۱) 'اُردو افسانے کا سماجی تناظر'، از شکیل احمد، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی
گورکھپور یونیورسٹی، بھارت (غیر مطبوعہ)

(۱۲) 'اُردو افسانہ کا سماجی پس منظر'، از انوار احمد، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی
بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان (غیر مطبوعہ)

(۱۳) 'بیسوی صدی میں اُردو ناول' از ڈاکٹر یوسف سرمست، مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی
مطبوعہ: نیشنل فائن پرنٹنگ پریس حیدرآباد، آندھرا پردیش (بھارت) طبع اول: دسمبر ۱۹۷۳ء

عزیز احمد پر مستقل تنقیدی کتب

(۱) 'عزیز احمد بحیثیت ناول نگار' از ڈاکٹر اسلم آزاد، پٹنہ (بھارت) آزاد بکڈپو
طبع اوّل: دسمبر ۱۹۸۰ء

(۲) 'ISLAMIC SOCIETY AND CULTURE' (ESSAYS IN HONOUR OF PROFESSOR AZIZ AHMAD)
مرتبہ: ملٹن اسرائیل و این۔ کے ویگل مطبوعہ منوہر پبلی کیشنز، نمبر ۲ انصاری روڈ، دریا گنج
نئی دہلی (بھارت) طبع اوّل ۱۹۸۳ء

(اس مجموعے میں پروفیسر امتیاز احمد (دہلی)، ایم۔ اختر علی (آگرہ)، اے ایل باشام (کینبرا)،
سائمن ڈگبی (لندن)، رچرڈ۔ ایم ایٹن (امریکہ)، پیٹر ہارڈی (لندن)، ریاض الاسلام (کراچی)
ملٹن اسرائیل (ٹورنٹو)، بروس لارنس (امریکہ)، باربرا ڈی میکلف (امریکہ)، گیل مائینولٹ
(امریکہ)، چودھری محمد نعیم (امریکہ)، جے۔ ٹی او کونل (ٹورنٹو)، ایس اے۔ اے رضوی (کینبرا)
رالف رسل (لندن)، خالد بی۔ سعید (کنگسٹن کینڈا)، اینی میری شمل (کیمبرج امریکہ)،
مایا سٹزر (ٹورنٹو)، این۔ کے ویگل (ٹورنٹو)، سٹینلے اے۔ والپرٹ (لاس اینجلز امریکہ)۔
کے یادگاری مقامین شامل ہیں۔)

دو صفحہ کا مقدمہ اور ۱۵ صفحات کے تعارفیہ میں عزیز احمد سے متعلق عمدہ مواد ملتا ہے۔ کتاب کے آخر میں عزیز احمد کے غیر ملکی زبانوں میں شائع ہونے والے مقالات و کتب کی فہرست دے دی گئی ہے۔

عزیز احمد پر مطبوعہ مضامین :

(۱) تبصرہ: 'فن شاعری' (ترجمہ از عزیز احمد) مبصر: نیاز فتح پوری، مطبوعہ: نگار، لکھنؤ اپریل مئی ۱۹۴۲ء

(۲) تبصرہ: 'ایسی بلندی ایسی پستی' (از عزیز احمد) مبصر: محمد حسن عسکری، مطبوعہ: اردو ادب لاہور شمارہ ۲

(۳) تبصرہ: 'بیکار دن بیکار راتیں'، (از عزیز احمد) مبصر: نیاز فتح پوری، مطبوعہ نگار، لکھنؤ دسمبر ۱۹۵۱ء

(۴) تبصرہ: 'شبنم' (ناول از عزیز احمد) مبصر: احمد راہی، مطبوعہ: سویرا، لاہور شمارہ ۱۲

(۵) تبصرہ: 'تاتاریوں کی یلغار' (ترجمہ از عزیز احمد) مطبوعہ: نقوش، لاہور، شمارہ ۸۷

(۶) تبصرہ: 'ایسی بلندی ایسی پستی' (ناول از عزیز احمد) مبصر: جلال الدین احمد، مطبوعہ: نقوش لاہور شمارہ ۲۱، ۲۲

(۷) "عزیز احمد کا ناول آگ"، از ابو سعادت جلیلی، مطبوعہ: 'معلومات' کراچی مارچ ۱۹۷۲ء

(۸) "یعقوب اُردو اور اُردو ادب کا یوسف گم گشتہ"، از ابو سعادت جلیلی 'قومی زبان' کراچی دسمبر ۱۹۷۹ء

(۹) "عزیز احمد بحیثیت شاعر" (بحوالہ ابتدائی مجموعہ شعری) از ابو سعادت جلیلی، 'افکار' کراچی دسمبر ۱۹۷۹ء

(۱۰) "پروفیسر عزیز احمد کی تحقیقات تاریخ اسلامی ہند"، از ابو سعادت جلیلی، 'فاران'، کراچی دسمبر ۱۹۷۹ء

(۱۱) "پروفیسر عزیز احمد: حیات و خدمات بیک نظر"، از ابو سعادت جلیلی، 'جنگ'، کراچی مارچ ۱۹۸۰ء

ایضاً 'جسارت'، کراچی اکتوبر ۱۹۸۰ء

(۱۲) "پروفیسر عزیز احمد اور مشرقی مزاج انگریزی شاعر ڈن"، از ابو سعادت جلیلی، 'محفل'، لاہور اگست ۱۹۸۰ء

(۱۳) "بارے کچھ عزیز احمد اور قرۃ العین کے ذکر میں"، از ابو سعادت جلیلی، 'محفل'، لاہور اکتوبر ۱۹۸۰ء

(۱۴) عزیز احمد کا اولین مستقل شعری کارنامہ عمر خیام"، از ابو سعادت جلیلی، 'ماہ نو'، لاہور دسمبر ۱۹۸۰ء

(۱۵) "عزیز احمد کا طویل منظومہ فردوس بروئے زمین"، از ابو سعادت جلیلی، 'محفل'، لاہور مئی ۱۹۸۱ء

(۱۶) "ناول نگار عزیز احمد کا آخری بڑا سنگ میل شبنم"، از ابو سعادت جلیلی، 'ماہ نو'، لاہور جولائی ۱۹۸۱ء

(۱۷) "فکشن نگار عزیز احمد کی آپ بیتی"، از ابو سعادت جلیلی، 'محفل'، لاہور فروری ۱۹۸۲ء

(۱۸) "عزیز احمد کے مجموعہ 'ماہ لقا' کا زیب عنوان منظومہ"، از ابو سعادت جلیلی، محفل لاہور مئی ۱۹۸۲ء

(۱۹) "نقد ادب کا اجتہادی کارنامہ: ترقی پسند ادب"، از ابو سعادت جلیلی، 'ماہ نو'۔ لاہور ستمبر ۱۹۸۲ء

(۲۰) "سب رس اور عزیز احمد"، از ابو سعادت جلیلی، قومی زبان کراچی، مئی ۱۹۸۳ء

(۲۱) "عزیز احمد کے تراجم بیک نظر"، از ابو سعادت جلیلی، 'نگار'، کراچی، جون ۱۹۸۳ء

(۲۲) "عزیز احمد بحیثیت ناول نگار"، از ابو سعادت جلیلی، 'قومی زبان'۔ کراچی ستمبر ۱۹۸۳ء

(۲۳) "عزیز احمد کا تخلیقی ارتقاء: ادب سے تاریخ گری تک"، از ابو سعادت جلیلی، 'اظہار'، کراچی جنوری ۱۹۸۴ء

(۲۴) "ذاتی تاثرات کے آئینے میں"، از اختر حامد خاں، مطبوعہ: جسارت، کراچی، اپریل ۱۹۷۹ء

(۲۵) "عزیز احمد کا ایک ناول: ایسی بلندی ایسی پستی"، از اختر حامد خاں، مطبوعہ، 'قومی زبان'، کراچی اکتوبر ۱۹۸۳ء

(۲۶) "عزیز احمد کا ایک اور ناول: شبنم"، از اختر حامد خاں، مطبوعہ: 'قومی زبان'، کراچی، مئی ۱۹۸۴ء

(۲۷) "اردو ادب کے عزیز احمد"، از ڈاکٹر انور سدید، مطبوعہ: روزنامہ 'جنگ'، لاہور

(۲۸) "رثا بر مرگ عزیز احمد"، از جابر علی سید، مطبوعہ: روزنامہ 'امروز'، ملتان، مارچ ۱۹۷۹ء

(۲۹) "عزیز احمد اور اردو ادب"، از ڈاکٹر جمیل جالبی، مطبوعہ: روزنامہ 'جنگ'، کراچی، مارچ ۱۹۷۹ء

(۳۰) "اردو ناول کا ایک اہم موڑ: گریز"، از عثمان فاروق، مطبوعہ: 'ماہ نو'، لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء

(۳۱) "اقبال اور پاکستانی ادب"، از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، مطبوعہ 'نقوش'، لاہور، ۱۹۷۹ء

(۳۲) "عزیز احمد کی یاد میں"، از فتح محمد ملک، مطبوعہ: روزنامہ 'جنگ'، راولپنڈی، ۱۹۷۹ء

(۳۳) "پاکستان کے ممتاز ناول نگار"، از ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی، مطبوعہ: ماہنامہ 'ساقی'، کراچی، ۱۹۶۵ء

(۳۴) "عزیز احمد"، از ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی، مطبوعہ: 'سب رس'، کراچی، دسمبر ۱۹۶۶ء

(۳۵) "پروفیسر عزیز احمد"، از محمد حفیظ الکبیر قریشی، مطبوعہ: 'کریسنٹ' کینیڈا، یکم جنوری ۱۹۷۹ء
طبع دوم: سب رس، کراچی، ۱۹۸۳ء

(۳۶) "عزیز احمد مرحوم"، از میر حسن علی امام، مطبوعہ: روزنامہ 'جسارت'، کراچی، ۲۴ اپریل ۱۹۷۹ء

(۳۷) "AZIZ AHMAD, SOUTH ASIA, ISLAM AND URDU" از پروفیسر رالف رسل، مطبوعہ: 'پاکستان ٹائمز' (میگزین سیکشن) ۱۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء

(۳۸) "غیر کی مدح کروں شہ کا ثنا خواں ہو کر"، از انتظار حسین، مطبوعہ: 'ساقی'، دہلی، مئی ۱۹۵۲ء

غیر مطبوعہ مجموعہ مضامین (زیر ترتیب) مرتب: ابوسعادت جلیلی

(۱) "عزیز احمد: پروفیسر یونیورسٹی آف ٹورنٹو"، از محمد حفیظ الکبیر قریشی

(۲) "عزیز احمد کی ناول نگاری"، از جابر علی سید

(۳) "ابن فرید کی تنقید 'بوطیقا'" از جابر علی سید

(۴) "عزیز احمد: چند پہلو، چند تاثرات"، از ڈاکٹر حسرت کاسگنجوی

(۵) "عزیز احمد کے ناولوں میں تخلیقی جذبہ" از ایضاً

(۶) "عزیز احمد: قرابت اور ارادت"، از اسماعیل مینائی

(۷) "عزیز احمد: ادبی اور شخصی تناظر"، از حفیظ الکبیر قریشی (کینیڈا)

(۸) "عزیز احمد: تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے"، از ایضاً

(۹) "عزیز احمد: دوستدار پاکستان"، از شان الحق حقی

(۱۰) "عزیز احمد جامعہ عثمانیہ میں"، از محمد اعظم

(۱۱) "تواریخ نگار عزیز احمد سے ملاقات"، از وقار احمد رضوی

(۱۲) "عزیز احمد کے احسانات ترقی پسند تحریک پر"، از معین زلفی

(۱۳) "ایسی بلندی، ایسی پستی"، از ڈاکٹر عبد السلام

(۱۴) "عزیز احمد اور کشمیر"، از ڈاکٹر صابر آفاقی

(۱۵) "عزیز احمد: ایک ناول نگار کا ظہور"، از خالد احمد

(۱۶) "رقص ناتمام اور بے کار دن بے کار راتیں"، از ابو خالد صدیقی

(۱۷) "ترقی پسند ادب"، از ابو خالد صدیقی

(۱۸) "جدید تنقید اور عزیز احمد"، از مرتضیٰ شفیع

(۱۹) "عزیز احمد ناول"، از روشن خیال

(۲۰) "عزیز احمد: چند یادیں"، از ریاض الاسلام

(۲۱) "اسٹڈیز ان اسلامک کلچر"، از ایضاً

(۲۲) "عزیز احمد کی اقبال شناسی"، از ڈاکٹر محمد ریاض

(۲۳) "گریز اور ایسی بلندی، ایسی پستی : ایک سرسری جائزہ"، از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
(۲۴) "عزیز احمد (احسن فاروقی بطور ناولسٹ"، از رحمت فرخ آبادی
(۲۵) "عزیز احمد : چند تاثرات"، از ڈاکٹر افتخار حسین
(۲۶) "عزیز احمد ایک ناول نگار کی نظر سے"، از رحیم گل
(۲۷) "عزیز احمد، بوطیقا اور میں"۔ از ڈاکٹر ابن فرید (علی گڑھ)
(۲۸) "عزیز احمد اردو ادب کا زندہ جاوید المیہ"، از شمیم احمد
(۲۹) "مثلث اور تری دلبری کا بھرم"، از ایضاً
(۳۰) "ماتم یک شہر آرزو، پروفیسر عزیز احمد میری نظر میں"، از ضیا علیگ (کنیڈا)
(۳۱) "وفیات نامہ"، از ابوسعید بزمی انصاری
(۳۲) "زریں تاج"، از انور عنایت اللہ
(۳۳) "عزیز احمد افسانہ"، از شکیل احمد
(۳۴) "اقبال اور عزیز احمد"، از ڈاکٹر ملک حسن اختر
(۳۵) "نسل اور سلطنت"، از ریحانہ مغنی
(۳۶) "ہندوستانی ماحول میں اسلامی ثقافت کا جائزہ"، از مبارک علی خاں
(۳۷) "گریز" کا تنقیدی جائزہ"، از سعدیہ نسیم
(۳۸) "عزیز احمد : ناول نگاری کا نفسیاتی پس منظر"، از ڈاکٹر شمیم افزا قمر (دربھنگہ۔ بھارت)
(۳۹) "تری دلبری کا بھرم"، از ڈاکٹر عبدالسلام

ادبی تاریخ و نقد کی کتب میں عزیز احمد کا حوالہ :

(۱) 'ترقی پسند ادب'، از علی سردار جعفری، مطبوعہ: مکتبہ پاکستان چوک انار کلی لاہور س۔ن
(۲) 'مکتوبات عبدالحق'، مرتبہ: جلیل قدوائی، مطبوعہ: مکتبہ اسلوب کراچی ۱۸، ۱۹۶۳ء
(۳) 'میں، ہم اور ادب'، از ڈاکٹر ابن فرید، مطبوعہ : علی گڑھ (بھارت)
(۴) 'وقت کی راگنی'، از محمد حسن عسکری، مطبوعہ: مکتبہ محراب، لاہور، طبع اول : ۱۹۷۱ء
(۵) 'معیار'، از ممتاز شیریں، مطبوعہ : نیا ادارہ، لاہور : ۱۹۶۳ء

(۶) "اُردو افسانہ اور افسانہ نگار"، از ڈاکٹر فرمان فتح پوری، مطبوعہ: مکتبہ جامعہ ملیہ، نئی دہلی
(۷) 'پکچر گیلری'، از قرۃ العین حیدر، مطبوعہ: توسین لاہور طبع اوّل : ۱۹۸۳ء
(۸) 'افسانے کا منظر نامہ'، از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، مطبوعہ: مکتبہ عالیہ ایبک روڈ لاہور، طبع اوّل: ۱۹۸۱ء
(۹) 'بیسویں صدی میں اُردو ناول نگاری'، از ڈاکٹر یوسف سرمست، مطبوعہ: نیشنل فائن پریس
آندھرا پردیش، دسمبر ۱۹۷۳ء
(۱۰) 'جدید اُردو افسانہ'، از شہزاد منظر، مطبوعہ: منظر پبلی کیشنز کراچی، طبع اوّل: ۱۹۸۲ء
(۱۱) 'افسانہ حقیقت سے علامت تک'، از ڈاکٹر سلیم اختر، مطبوعہ: اُردو رائٹرس گلڈ
الہ آباد ۳ (بھارت)
(۱۲) 'نیا ادب'، از پنڈت کشن پرشاد کول، مطبوعہ: انجمن ترقی اُردو (پاکستان) کراچی۔ ۱۹۴۹ء
(۱۳) 'اردو ناول کی تنقیدی تاریخ'، از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، مطبوعہ: اُردو اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۱ء
(۱۴) 'اردو ناول نگاری'، از ڈاکٹر سہیل بخاری، مطبوعہ: مکتبہ جدید۔ لاہور ۱۹۶۰ء
(۱۵) 'ناول کی تاریخ اور تنقید'، از علی عباس حسینی، مطبوعہ: اُردو اکیڈمی۔ لاہور ۱۹۶۴ء
(۱۶) 'عکس اور آئینے' (مقالہ جدید اردو نثر کا اسلوبی ارتقا)، از پروفیسر احتشام حسین
مطبوعہ: لکھنؤ ۱۹۶۴ء

مآخذ:

(۱) 'اُردو افسانہ اور افسانہ نگار'، از فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، مطبوعہ: دہلی، مکتبہ جامعہ ملیہ،

(۲) 'اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ'، از محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر، مطبوعہ: لاہور، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۱ء۔

(۳) 'اُردو ناول نگاری'، از سہیل بخاری، ڈاکٹر، مطبوعہ: لاہور، مکتبہ جدید، ۱۹۶۰ء۔

(۴) 'افسانے کا منظر نامہ'، از مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، مطبوعہ: لاہور، مکتبہ عالیہ ایبک روڈ، طبع اوّل ۱۹۸۱ء

(۵) 'بیسویں صدی میں اردو ناول نگاری'، یوسف سرمست، ڈاکٹر، مطبوعہ: آندھرا پردیش، نیشنل فائن پریس، دسمبر ۱۹۷۳ء۔

(۶) 'پکچر گیلری'، قرۃ العین حیدر، مطبوعہ: لاہور۔ قوسین، طبع اوّل: ۱۹۸۳ء

(۷) 'جدید اُردو افسانہ'، شہزاد منظر، مطبوعہ: کراچی، منظر پبلی کیشنز، طبع اوّل: ۱۹۸۲ء

(۸) 'عزیز احمد: آثار و انتقاد'، از ریاض احمد چودھری غیر مطبوعہ: مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۶۵ء

(۹) 'عزیز احمد: آثار و انتقاد'، از روشن خیال، غیر مطبوعہ: مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) کراچی یونیورسٹی (سندھ) کراچی ۱۹۷۹ء

(۱۰) 'عزیز احمد اور ان کی ناول نگاری'، از حشمت اللہ نیر، غیر مطبوعہ: مقالہ برائے ایم۔ اے (اُردو) حیدر آباد سندھ یونیورسٹی، ۱۹۶۵ء

(۱۱) 'عزیز احمد بحیثیت ناول نگار'، از اسلم آزاد، ڈاکٹر مطبوعہ: پٹنہ (بھارت) آزاد بک ڈپو طبع اوّل، دسمبر ۱۹۸۰ء

(۱۲) 'عزیز احمد: زندگی اور کارنامے'، از اعجاز حنیف (غیر مطبوعہ) مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اُردو) پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۸۵ء

(۱۳) 'ناول کی تنقیدی تاریخ'، از علی عباس حسینی (مطبوعہ) لاہور، اُردو اکیڈمی، ۱۹۶۴ء

ماخذ:

(۱) "اردو افسانہ اور افسانہ نگار"، [illegible] ڈاکٹر، مطبوعہ: دہلی، مکتبہ جامعہ [illegible]
(۲) "اردو ناول کی تنقیدی تاریخ"، [illegible] ڈاکٹر، مطبوعہ [illegible] اردو اکیڈمی [illegible]
(۳) "اردو ناول نگاری"، [illegible] ڈاکٹر، مطبوعہ [illegible] ۱۹۶۰ء
(۴) "افسانے کا منظر نامہ"، [illegible] ڈاکٹر، مطبوعہ [illegible] طبع اول [illegible]
(۵) "بیسویں صدی میں اردو ناول"، یوسف سرمست، ڈاکٹر، مطبوعہ [illegible]
[illegible] ۱۹۹۵ء
(۶) "پکچر گیلری"، [illegible] مطبوعہ: لاہور، [illegible] طبع اول [illegible]
(۷) "جدید اردو افسانہ"، [illegible] مطبوعہ: کراچی، [illegible] طبع اول ۱۹۸۲ء
(۸) "عزیز احمد: [illegible]"، [illegible] غیر مطبوعہ، مقالہ برائے ایم اے اردو
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۶۵ء
(۹) "عزیز احمد [illegible]"، [illegible] غیر مطبوعہ، مقالہ برائے ایم اے (اردو)
کراچی یونیورسٹی [illegible] ۱۹۶۹ء
(۱۰) "عزیز احمد [illegible]"، [illegible] غیر مطبوعہ، مقالہ برائے ایم اے اردو
[illegible] ۱۹۹۵ء
(۱۱) "عزیز احمد [illegible]"، [illegible] ڈاکٹر، مطبوعہ [illegible]
[illegible] طبع اول، دسمبر ۱۹۸۰ء
(۱۲) "عزیز احمد [illegible]"، [illegible] (غیر مطبوعہ) مقالہ برائے پی ایچ ڈی
(اردو) پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور ۱۹۸۵ء
(۱۳) "ناول کی تنقیدی تاریخ"، [illegible] علی عباس حسینی (مطبوعہ) لاہور، اردو اکیڈمی
۱۹۶۲ء



عزیز احمد

بلوچی سے اردو تراجم

(توضیحی کتابیات)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۱۹۸۶ء

بلوچی سے اردو تراجم

(توضیحی کتابیات)

بلوچی سے اردو تراجم

(توضیحی کتابیات)

ڈاکٹر انعام الحق کوثر

مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
۱۹۸۶ء

عرضِ ناشر

قومی زبان اور پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں کے درمیان ارتباطِ کار کا جائزہ لینے کے لیے کتابچوں کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اس میں سندھی، بلوچی، پنجابی، پشتو، براہوئی اور دیگر علاقائی زبانوں سے اُردو میں کیے گئے تراجم کے کتابیاتی جائزے پیش کیے جا رہے ہیں زیرِ نظر پمفلٹ اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ پمفلٹ دو حصوں میں منقسم ہے حصہ اوّل ترجمہ شدہ کتابوں سے متعلق ہے اور حصہ دوم میں رسائل و جرائد کی نشان دہی کی گئی ہے۔

اِس فہرست میں :-

۱- کتاب کا نام سب سے پہلے دیا گیا ہے۔

۲- اِس کے نیچے مترجم یا مترجمین یا مرتبین کے نام ہیں

۳- "ص" سے صفحات "س" سے سنہ اشاعت "ن" سے ناشر اور "م" سے مطبع مراد ہے۔

۴- نیچے کیفیت بیان کی گئی ہے۔

فہرست حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہے، جب کہ متفرقات کے تحت آنے والے اندراجات سنہ وار درج ہیں۔

کائیے لبر را کیے ترو۔	اپنی حقیقت جانو یا اپنے آپ کو پہچانو
لایبی بوئیگ۔	پیٹو ہونا
ہم دل بوئیگ۔	ہمدرد ہونا

بلوچی نامہ : حصہ اوّل

۱۸۷۵ء میں رائے بہادر منشی ہتورام سی۔آئی۔ای چیف ہیڈ اسسٹنٹ ایجنٹ گورنر جنرل بہادر بلوچستان نے تصنیف کیا۔ یہ دوسری بار ۱۸۹۶ء میں بمنظوری جناب معلےٰ القاب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب مطبع مفید عام لاہور میں منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز کے اہتمام سے چھپا۔

ص: ۱۶۰ صفحات۔ چار حصوں پر مشتمل ہے۔

بحر اوّل: درباب تفصیل وتشریح اسماء وحروف۔

بحر دوم: متضمن بتفصیل وترتیب فاعلات (بلوچی کے ساتھ ساتھ فارسی بھی دی گئی ہے)

بحر سوم: شعر گفت گو وحالات معمولی ورسمیہ اہلِ زبان

بحر چہارم: دربیان لغات۔

؛ بلوچی کے ساتھ ساتھ اُردو ترجمے بھی دیے گئے ہیں۔ ہتورام نے انگریزی حکام کی درسی ضرورت کے پیشِ نظر "بلوچی نامہ" مرتب کیا تھا۔ دیباچے میں کتاب کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتا ہے:

"اس بحرِ بے کنار سے جیسا گوہر مقصود کا ہاتھ لگتا تھا۔ بطور یادداشت جمع کرتا گیا۔ کیونکہ زمانہ قدیم کی کوئی کتاب اس زبان میں نہیں تھی اور بسبب ناخواندہ ہونے کے اہلِ زبان کے سخن مطلوبہ کا مطلب نہایت مشکل سے برآمد ہوتا تھا۔"

بلوچی نامہ پر انگریزی میں دیباچہ گلیڈ اسٹون نے لکھا ہے:

"جب میں نے اپنی کتاب بلوچی ہینڈ بک[1] طبع کرائی تو اس کے دیباچہ میں یہ صراحت کر دیا تھا کہ یہ ابتدائی کام ہے۔ اس کا اسلوب نصابی کتاب کے لیے موزوں نہیں۔ یہ محسوس کرتے ہوئے کہ نصابی کتاب ناگزیر ہے اور

---

[1] ۱۸۷۴ء، لاہور

ن : بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م : قلات پریس کوئٹہ

: ملک محمد پناہ وائس چیئرمین بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے تعارف میں لکھا ہے :

"اس میں جہاں کلاسیکی شاعری میں بیان کیے گئے روایاتی پس منظر کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی حقیقت پسندانہ عکاسی کی گئی ہے، وہاں پہلی بار اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بلوچوں کی والہانہ عقیدت وارادت کا سُراغ شعری روایات کے حوالے سے پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بلوچ ظہور اسلام کے ابتدائی ایام ہی سے دین اور بانی دین کے وفادار رہے ہیں اور شروع ہی سے مجاہدانہ کردار انجام دیا ہے۔"

اس کتاب میں زیادہ تر بلوچی اشعار (مع اُردو ترجمہ) کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

بلوچی ادب کا مطالعہ

: کامل القادری

ص : ۲۸۸

س : اکتوبر ۱۹۷۶ء

ن : سید فصیح اقبال، بولان بک کارپوریشن جناح روڈ کوئٹہ

م : انٹرنیشنل پریس کراچی

: کتاب نو ابواب (گل زمین، بلوچ، بلوچی زبان، لوک گیت، رزمیہ داستانیں، عشقیہ کہانیاں، دفتر شعر اور تحریری ادب) پر مشتمل ہے پہلے تین ابواب میں سرزمین، اس کے باشندوں اور زبان کے بارے میں بنیادی اور ضروری معلومات پیش کی گئی ہیں۔ بقیہ ابواب بلوچی زبان کے ادبی سرمایے کی تاریخ سے متعلق ہیں

مشفق خواجہ نے مقدمہ میں لکھا ہے: "بلوچی زبان کے ادب پاروں کے تراجم قادری صاحب نے خود کیے ہیں۔ ان تراجم میں تخلیقی شان ملتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قادری صاحب محض خشک محقق نہیں، خوش فکر شاعر اور خوش مزاج انشائیہ نگار بھی ہیں۔"

ن : ندکار پبلی کیشنز کراچی

م : انٹرنیشنل پریس، کراچی

بلوچی صرف و نحو کے علاوہ بلوچی میں ابتدائی گفتگو کے لیے جن الفاظ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ وہ کم وبیش جملوں کی صورت میں دیے گئے ہیں۔ ہر جگہ بلوچی کے ساتھ اُردو ترجمہ موجود ہے۔

بلوچی براہوی لوذ راھبند

(بلوچی براہوی گرامر)

: آغا نصیر خان احمد زئی (بی اے)

ص: ۱۰۷ (بڑی تقطیع)

س: اگست ۱۹۶۷ء

ن : حاجی محمد یوسف

م : اسلامیہ پریس کوئٹہ

ن : اس میں بلوچی اور براہوی کی صرف و نحو کو بمع اُردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ بقول مصنف: "کیونکہ مرکزی بلوچستان میں رہنے والے تمام بلوچ قبائل دونوں زبانوں کو بطورِ مادری زبان استعمال کرتے ہیں اور یہ اس علاقہ کی خاص خصوصیت ہے۔" مصنف نے مزید وضاحت کی ہے کہ جنوب مشرقی بلوچستان اور زیرین سندھ کے علاقوں میں براہوی زبان کو "گردی" یا "گردگالی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کے کل چودہ باب ہیں۔ بلوچی کے دو لہجوں (مشرقی اور مغربی) کا فرق بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

بلوچی کوذ راھبند (بلوچی گرامر)

: آغا میر نصیر خان احمد زئی بلوچ

ص : ۱۹۸ صفحات

س: دسمبر ۱۹۸۱ء

: یہ کتاب بلوچی زبان سیکھنے کی خواہش رکھنے والے افراد کے لیے مفید اور معاون ہے۔ اسی لیے اس میں بنیادی نوعیت کے الفاظ اور روزمرہ استعمال کی اشیاء اور فقرات کو ہی شامل کیا گیا ہے۔ ہر جگہ بلوچی کے ساتھ اُردو موجود ہے

بلوچی رزمیہ شاعری

: میر گل خان نصیر

ص: ۳۳۵

س: مئی ۱۹۷۹ء

ن: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م: قلات پرنٹنگ پریس کوئٹہ

: اس میں بلوچی کی رزمیہ شاعری (معہ اُردو ترجمہ) کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جو پندرہویں صدی عیسوی کے وسط سے بیسویں صدی عیسوی کی پہلی چوتھائی پر محیط ہے۔ زبان، طرز ادا اور دوسری شاعرانہ خصوصیات کو مدنظر رکھ کر اسے تین ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا دور: (متقدمین) یہ دور میر چاکر رند اور میر گواہرام لاشاری کے زمانے پندرہوں صدی کے اواخر سے شروع ہو کر پنجاب اور سندھ کی طرف ان کی نقل مکانی سولہویں صدی کے نصف اوّل پر ختم ہوتا ہے۔

دوسرا دور: (متوسطین) جو ۱۵۵۰ء کے بعد سے شروع ہو کر بلوچستان کی سرحدات پر انگریزوں کی آمد ۱۸۳۰ء کے زمانے پر ختم ہوتا ہے۔

تیسرا دور: (متاخرین) جو بلوچستان میں انگریزوں کی آمد ۱۸۳۰ء تا ۱۹۲۰ء تک پھیلا ہوا ہے۔ جسے بلوچستان میں انگریزوں کا دورِ حکومت کہتے ہیں۔

بلوچی عشقیہ شاعری

: میر گل خان نصیر

ص: ۵۹۸

س: جولائی ۱۹۷۵ء

ن: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م: قلات پریس کوئٹہ

: "کارگونگ" بلوچی میں مصدر کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں تقریباً سات سو مفرد مصادر کو ردلیف وار جمع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دو ہزار سے زیادہ مرکب مصادر یکجا کیے گئے ہیں۔ ہر لفظ کے نیچے رومن رسم الخط کے ذریعے صحیح تلفظ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ الفاظ کے معنی اُردو کے علاوہ انگریزی میں بھی آمنے سامنے لکھے گئے ہیں۔ تاکہ اگر قاری کو ایک زبان میں معنوں کی گہرائی تک پہنچنے میں کوئی دشواری ہو تو وہ دوسری زبان کے واسطے سے صحیح مفہوم تک رسائی حاصل کرسکے۔

علاوہ ازیں بلوچی کے ساتھ ساتھ براہوئی زبان کے ہم معنی مصادر بھی درج کیے گئے ہیں۔ اس سے نہ صرف اُردو اور انگریزی جاننے والے بلوچی یا براہوئی زبان کے متبادل مصادر معلوم کرسکتے ہیں بلکہ بلوچی اور براہوئی زبان دان بھی یکساں طور پر اُردو اور انگریزی کے متبادل الفاظ جان سکتے ہیں۔

بلوچی لوک کہانیاں

: عبدالرحمٰن غور

ص: ۱۶۰ صفحات

س: ۱۹۶۹ء

ن: قلات پبلشرز کوئٹہ

م: ہمدرد پرنٹنگ پریس ملتان

: اس کتاب میں بلوچی کی بعض لوک کہانیوں جیسے کسان، شیر اور گیدڑ، چار مرد اور ایک عورت کا بُت، چالیس بھائیوں کا پہاڑ، وزیر کی دانا بیٹی، خدا پرست لڑکا، تین عجیب تحفے، شہزادہ، چرواہا اور نینا بائی، قسمت پری، طوطا اور مینا، اور بعل بادشاہ وغیرہ کو اُردو میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں دو تین منظوم داستانیں

بعض خیالی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ بلوچی اشعار کا اُردو ترجمہ بھی رواں ہے۔

بلوچی لوک گیت

: عطا شاد، عین سلام

ص: ۱۴۲

س: ۱۹۶۵ء

ن: زمرد حسین بھٹہ۔ قلات پبلشرز مستونگ

م: قلات پریس مستونگ

: اس منظوم ترجمہ میں "دو باتیں" کے عنوان سے مترجمین لکھتے ہیں: ہماری یہی کوشش رہی ہے کہ ترجمے کی ہیئتی حیثیت وہی رہے جو اصل گیت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ترجموں میں آپ کو بلوچی بحور کے علاوہ کہیں کہیں بلوچی الفاظ اور ترکیبیں بھی ملیں۔ بلوچی الفاظ اور ترکیبوں کا عمداً استعمال، اُردو زبان و ادب کی ترویجی افادیت کے پیش نظر، محض ایک تجربے کے طور پر کیا گیا ہے، تاہم اس کے ساتھ ساتھ تا حد بساط یہ خیال بھی رکھا گیا ہے کہ یہ سعی گیت کی معنویت کو مجروح نہ کرے اور معنویت اور تاثر کو برقرار رکھنے کے لیے کہیں کہیں گیتوں کی اصل ہیئت سے انحراف بھی کیا ہے ـــــ" گیارہ صنفوں کے گیتوں کو پیش کیا گیا ہے۔

چند نمونے: کجیر جان دا نگے توتیں

پری زاتاں ودی لوتیں

کجیر[۱] جاں ہے رسیلا ساتوت[۲] کا دانہ

وہ جیتا جاگتا اک معجزہ ہے پریوں کا

او ستارہ سری[۳]

۱۔ کجیر جاں۔ محبوبہ کا فرضی نام۔ ۲۔ ساتوت۔ شہتوت

۳۔ اے ستاروں سے مزین دوپٹے والی۔

: اس کتاب کے چار ابواب ہیں۔ پہلا باب روزمرہ کی بول چال میں مستعمل بلوچی کے ۵۴ اسباق ہیں۔ دوسرا باب بلوچی قواعد پر مشتمل ہے جس میں ۳۱ اسباق ہیں۔ تیسرا باب بلوچی خط وکتابت پر مبنی ہے چوتھے باب میں بلوچی کے چار سو کے لگ بھگ محاورات اور ضرب الامثال کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساری کتاب میں بلوچی کے ساتھ ساتھ اُردو ترجمہ موجود ہے۔

بلوچی گرامر

: محمد بیگ بلوچ

ص: ۱۱۸ صفحات

س: ۱۹۷۳ء

ن: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م: البرٹ پریس کوئٹہ

: میجر ای۔ موکلر کی مرتب کردہ اس کتاب کا انگریزی ایڈیشن ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ کتاب نو ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر میں ایک ضمیمہ ہے۔ بلوچی کا اُردو ترجمہ موجود ہے۔ مناسب مقامات پر بعض باتوں کی اُردو میں تشریح بھی کی گئی ہے۔

بلوچی لوک ادب (پریوں کی کہانیاں)

: عبدالغفار ندیم

ص: ۵۵

س: ۱۹۸۰ء

ن: بلوچی اکیڈمی۔ کوئٹہ بہ تعاون مرکزی وزارت تعلیم، اسلام آباد

م: قلات پریس کوئٹہ

: بلوچی کی جن کہانیوں کے ترجمے پیش کیے گئے ہیں اُن کے عنوانات یہ ہیں:

پریوں کا تخت، لعل بادشاہ اور وزیرزادی، کالا سونا، لعل پری اور سیمرغ، مور مرغ، گل باران اور

س: ۱۹۶۶ء

: سید ہاشمی نے پیش لفظ میں ورنا داننده گل کی ادبی سرگرمیوں کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کتاب سالانہ جلسے کے موقع پر پیش کی جا رہی ہے، بقول اُن کے پندرہ دنوں کے مختصر عرصے میں بلوچ ادب کے جملہ اصناف کے سلسلے میں ایسی کوششیں بہت کم ہوئی ہیں۔"

اس کتاب میں سولہ مضامین اور چار نظمیں ہیں۔ رحم علی مری (میر مٹھا خاں مری)، بی برگ (عبدالقیوم بلوچ) بلوچی لوک گیت کے اوصاف (مبین سلام)، بلوچی رسوم (عبدالغفار ندیم) بلوچی خواتین کی شاعری (صورت خان مری) اور بلوچی شاعری" رجحانات" (عطا شاد) مضامین میں بلوچی اشعار کے حوالوں کے ساتھ ساتھ اُردو ترجمے بھی دیئے گئے ہیں۔

دونوں نظموں (بلوچی نُورت از محمد حسین عنقا ص ۵۳، ۵۴ —— عاقبت کندھے از عطا شاد ترجمہ عاقبت، ایک انتہا از مبین سلام ص ۲۲۸ تا ۲۳۴) کے منظوم اُردو ترجمے دیے گئے ہیں۔

بلوچی ادب

: سلیم خاں گمی

ص: ۱۱۹

س: ۱۹۶۱ء

ن: اُردو اکادمی بہاولپور

: اس میں بلوچی شعری ادب کے اصناف زیر بحث لائے گئے ہیں اور عوامی گیتوں کے اُردو ترجمے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر بلوچی اشعار کے صرف اُردو ترجمے ہی کو کافی سمجھا گیا ہے "بلوچی ادب" اپنے دامن میں گیتوں اور عظیم عوامی شاعری جام دُرک کے شعروں کے علاوہ دو داستانیں (حانی شہ مرید، بالاچ حسن گورگیج) بلوچوں کے عوامی کھیل اور ایک ریڈیائی تمثیل (دوستین و شیرین) سمیٹے ہوئے ہے۔

تاریخ بلوچستان

: متھرا رام، رائے بہادر، سی۔آئی۔ای

ص: پہلا ایڈیشن: ۲۶۳، دوسرا ایڈیشن، زنظر ثانی محمد پناہ، ۸۹۰

س: ۱۹۰۷ء، بارِ دوم ۱۹۷۳ء

م: اسلامیہ پریس کوئٹہ

: اس میں کئی ایک قدیم بلوچی نظمیں مع اُردو ترجمہ موجود ہیں جو قریباً سو صفحات پر مبنی ہیں۔

تاج محمد تاجل

: عبدالرحمٰن براہوئی

ص: ۶۳

س: مئی ۱۹۷۹ء

ن: لوک ورثے کا قومی ادارہ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۱۸۴۔ اسلام آباد

م: الائیڈ پریس۔ دی مال لاہور

: "پہلی بات" میں تاج محمد تاجل (۱۸۳۱ء — ۱۹۴۴ء) کے حالات زندگی، شاعری کی ابتدا۔ تحریک خلافت میں پیش پیش رہنے اور ترکی جانے کے لیے روانگی اور کراچی سے واپس لوٹائے جانے کا ذکر اور کرامت کا تذکرہ موجود ہے۔ پھر براہوئی کلام ہے اور آخر میں بلوچی کلام مع اُردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

ثقافت اور ادب وادی بولان میں

: مختلف صاحبان

ص: ۳۷۰

ص: ۲۵۱ صفحات

س: ستمبر ۱۹۶۵ء

ن: بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ

م: پاکستان پریس، کوئٹہ

: یہ کتاب مبنی ہے: "داستانِ عشق و سوانح حیات حضرت طوق علی مست رحؒ" پر ـــ اس میں ص ۹۸ سے لے کر ۲۵۱ تک مست توکلی کے بلوچی کلام کو اُردو ترجمے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ پیشتر ازیں بھی آپکے جن بلوچی اشعار کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اُن کا اُردو ترجمہ موجود ہے۔

مست توکلی انیسویں صدی کے عظیم بلوچی شاعر و صوفی تھے۔

سنگاب

: عطا شاد

ص: ۲۱۷ صفحات

س: اگست ۱۹۸۵ء

ن: منصور بخاری سیلز اینڈ سروسز، کوئٹہ

م: پرنٹ مین، ۳۴، ریٹی گن روڈ، لاہور

: 'سنگاب'، کا پس منظر اور پیش منظر بلوچی ہے۔ چند ایک مقامات (ص ۵۳، ۴۷، ۱۲۹، ۱۳۴) پر بلوچی الفاظ اُردو کلام میں نگینے کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ ماہناز، حانی شاہ مرید (حانی شاہ مرید کی داستان سے ماخوذ) اور گِل کدہ (مہر گڑھ کے آثارِ قدیمہ سے ایک تاثر) بلوچی ماحول کی عکاس ہیں۔ عطا شاد نے اپنی بلوچی غزل سے ماخوذ (ص ۵۰) بلوچی بحر (ص ۹۷) اپنی بلوچی نظم سے ماخوذ (ص ۱۱۱) اور پھر بلوچی انداز کے گیت بعنوان گل زمین (ص ۱۸۷ تا ۲۱۶) لکھے ہیں۔ شاعر غیر شعوری طور پر بلوچستان کی جغرافیائی اور ثقافتی قدروں کے حوالے سے بات کرتا ہے۔ اس سے یقیناً اُردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے۔

عہدی شاعری

:عبدالرحمٰن براہوئی

ص: ۹۶ صفحات

س: جنوری ۱۹۷۶ء

ن: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م: اسلامیہ پریس کوئٹہ

یہ کتاب ٹی جے ایل میٹر کی مرتب کردہ ہے۔

: مترجم نے "عرضِ مترجم" میں لکھا ہے: "کلاسیکل ادب کا یہ مجموعہ میٹر نے ڈیمز سے پہلے جمع کیا تھا کیونکہ ڈیمز نے اس کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا ہے۔ جب مجھے اس کا نسخہ دستیاب ہوا تو میں نے مزید خیال کیا کہ رومن رسم الخط سے اسے فارسی رسم الخط میں تحریر کروں اور ساتھ ہی اُردو ترجمہ بھی پیش کروں"....

ان عنوانات کے تحت نظمیں یکجا کی گئی ہیں۔

ورنائی پیری، بیورغ، حضرت موسیٰؑ، ریحان، چاکر ریحان رند، بالاچ، بلیدی لولی نمبر۱، نمبر۲، لولی نمبر۳، ۴، بیورغ نمبر۲، شے مرید وحانی، مانی حانی ءِ شیئر، گوہرام نمبر۱، میر چاکر لیتو، گواہرام ءِ شعر نمبر۲، میر چاکر خان، گوہر، مہتر موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، پیرات (فرہاد) میزان۔

قدیم بلوچی شاعری

:میر خدابخش بجارانی مری بلوچ

ص: (بڑی تقطیع) ۳۹۷ صفحات

س: ۱۹۶۳ء

ن: بزمِ ثقافت کوئٹہ

م: اسلامیہ پریس کوئٹہ

: ۱۸۷۵ء میں ایک انگریز پولیٹیکل افسر مسٹر لانگ ورتھ ڈیمز آئی سی ایس، ایم آر اے، ایس (لندن) نے

م: قلات پرنٹنگ پریس۔ کوئٹہ

: بلوچی کی جن کہانیوں کے عام فہم اور دلچسپ انداز میں ترجمے پیش کیے گئے ہیں۔ اُن کے عنوانات یہ ہیں ہاتھ دیکھنے والا فقیر، لنگڑا، ڈاچی، عقلمند غریب، دغاباز وزیر، گول مٹول، بادشاہ اور سوداگر، موچی بھائی، کنیز کا بیٹا۔

کتاب میں خیالی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

گُل زمین

: سید عابد رضوی

ص: ۶۱ صفحات

س: اپریل ۱۹۷۸ء

ن: حکومتِ پاکستان، بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن۔ کوئٹہ

م: مشرق پریس۔ کوئٹہ

: اس میں ص ۲۲ تا ۴۲ بلوچی ادب میں حُب الوطنی کے جذبات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ قدیم شاعری کے بعد چند جدید شعرا (قیامِ پاکستان کے بعد اُن میں مقصدیت کا رنگ زیادہ نمایاں ہے) کی بلوچی نظموں کے رواں اُردو ترجمے پیش کیے گئے ہیں۔ اُن جدید شعرا میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: محمد حسین عنقا، قاضی عبدالرحیم صابر، اسحاق شمیم، آزاد جمال دینی، مراد ساحر، عطا شاد، صدیق آزاد، کریم دشتی، پیر محمد زبیرانی ملک محمد رمضان، محمد ہاشم شاکر، حکیم خدائے رحم، مومن بُزدار، عبدالصمد شاہین، الفت نسیم اور غوث بخش صابر (ص ۲۸)۔

کوچ و بلوچ اور بلوچ نسل (لانگ ورتھ ڈیمز)

: گل خان نصیر

ص: ۱۷۳ صفحات

س: بار اول: ۱۹۶۹ء بار دوم: ۱۹۸۳ء

"آزمان ءَ پدغ بندغ" آسمان کو پیچھے چھوڑنا۔ ناممکن کو ممکن بنانا

"دِل ءِ تُرِ بیغ" دل کا بھر آنا

"دل سیر بیغ" جی بھرنا

نازیہ کروس ءَ کرُس بانگ ءَ ندات: جن پر نکمیہ تھا وہی پتے مراد دینے لگے۔

لّلہ گراناز

: بشیر احمد ایم۔اے۔ایل ایل بی

ص: ۵۶ صفحات

س: ۱۹۷۰ء

ن: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م: اسلامیہ پریس کوئٹہ

: یہ بلوچی لوک کہانی بلوچی، اُردو اور انگریزی میں پیش کی گئی ہے۔ یہ قصہ بلوچستان کے ضلع لسبیلہ میں کلمت کی بندرگاہ سے متعلق ہے۔ اور تین سو سال سے زیادہ پُرانا ہے۔ ساری کہانی تو طویل نظموں پر محیط ہے جو للّہ اور گراناز نے ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہی ہیں۔ اصل شاعر کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر نظموں کی زبان نہایت عمدہ، صاف اور شُستہ ہے۔

مست ءِ توار (للکار)

: آزاد جمالدینی

: انجم قزلباش

ص: ۳۶ صفحات

س: ۱۹۵۳ء

ن: انجم قزلباش منیجر "بلوچستان پبلی کیشنز" خوب چند روڈ کوئٹہ

: اس کتاب میں انجم قزلباش نے آزاد جمالدینی کی شاعری کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

مہماتِ بلوچستان (حصہ دوم)

: کامل القادری

ص: ۲۳۵ صفحات (ہر دو حصوں کے صفحات ۶۰۲)

س: جنوری ۱۹۸۰ء

ن: نساء ٹریڈرز، کوئٹہ

م: علی پرنٹرز۔ پیسہ اخبار، لاہور

: اس کتاب کے چار حصے (جلوہ ہائے رنگ رنگ، جام دُرک (مزید بلوچی اشعار بمعہ اُردو ترجمہ)، بلوچی تنقید اور جدید بلوچی شعرا اور ادباء) ہیں۔ بلوچی کے اچھے خاصے اشعار مندرج ہیں۔ زیادہ تر اشعار کا اُردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

نغمۂ کوہسار

: عبدالرحمٰن غور

ص: ۲۳۶ صفحات

س: مئی ۱۹۶۸ء

ن: بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

م: اسلامیہ الیکٹرک پریس کوئٹہ

: یہ کتاب بلوچی زبان کے قدیم شعرا و ادبا کے حالات اور نمونہ کلام پر مبنی ہے۔ مصنف/ مؤلف نے بعض شعرا کے کلام کا منظوم اُردو ترجمہ پیش کیا ہے۔ نثری ترجموں میں بھی غور صاحب نے اپنی فنی صلاحیتوں کا کامیاب مظاہرہ کیا ہے۔ پیش لفظ کے بعد ایک باب میں "بلوچوں کی تاریخ اور اُن کا ادب" کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ پھر ۲۳ شعرا کا ذکرِ خیر ہے۔ اُن میں ایک شاعرہ "مہناز" ہے۔ باقی چند ایک یہ ہیں: شہ مرید بیبرگ، میران رند، جام دُرک، ملا فاضل رند، عزت پنجگوری، بالاچ، غلام محمد بالاچانی، سیمک، رحم علی مری، جمعہ کلرانی، تاجل، مولوی حضور بخش، سہنا بخش علی، محمد خان مری، ملا بہرام، فقیر قیصر خاں اور

قومی کردار اور اُس کی مخصوص روایات اخلاق اسلامی کی آئینہ دار ہیں۔"

ضرب الامثال مختلف عنوانات کے تحت درج کی گئی ہیں جیسے گداگی کی مذمت، کردار کی اہمیت عمل صالح، نکمے لوگ، نیکی کی تلقین، بہادری، دوستی، محبت، جنگ اور امن، بھوک، حیا، جد وجہد، اور سخاوت اور بخیلی وغیرہ۔ واقعاتی، شعر اور ثقافتی کہاوتیں علیحدہ علیحدہ تحریر کی ہیں۔

دو چار ضرب الامثال یہ ہیں :

نان آسان پہ کار آسان

کام کرنے سے ہی روٹی آسانی سے ملتی ہے

سردار کہ دُزئِ یار بیت

ناموس دننگے گار بیت

جب کوئی سردار چوروں کا طرفدار بن جاتا ہے تو قومی ننگ وناموس ختم ہو جاتا ہے۔

نیکی ءَ کس ءَ را مہ گُش

نیکی اس طرح کر کہ اس کا کسی کو علم نہ ہو

خدا یک درے بندی

تہ صد درے بوژی

اللہ تعالیٰ ایک در بند کرتا ہے تو سو دروازے اور کھول دیتا ہے۔

رہیل وبلد

: عبدالصمد شاہین سورابی

ص: ۱۱۹

س : جنوری ۱۹۸۰ء

ن : عبدالصمد شاہین سورابی۔ ملنے کا پتہ: یعقوب ٹی سٹور، سورج گنج بازار کوئٹہ

م : اسلامیہ پریس کوئٹہ

: یہ بول چال کی کتاب بلوچی، براہوئی اور اردو پر مشتمل ہے۔ اس میں بلوچی گرامر کے علاوہ مختلف الفاظ ،

متفرقات

عنوان	مترجم		مطبوعہ
بلوچی لوری	ادارہ (بلوچی اُردو)	بولان	گورنمنٹ کالج کوئٹہ اگست ۱۹۴۹ء ص ۴۶، ۴۷
شجرہ نسب بلوچاں بلوچستان کا ایک شعلہ نفس شاعر	محمد نواز مری (شعر بلوچی مع اُردو ترجمہ)	"	گورنمنٹ کالج کوئٹہ ۵۷-۱۹۵۶ء ص ۹۱، ۹۲
رحم علی مری (اُردو مضمون میں بلوچی اشعار مع اُردو منثور ترجمہ موجود ہیں)	انجم قزلباش	بلوچی دنیا ملتان	اگست وستمبر ۱۹۵۷ء ص ۱۷ تا ۲۰
(بلوچی کلام کا منثور ترجمہ)	آزاد جمالدینی	"	اگست وستمبر ۱۹۵۷ء ص ۳۸ تا ۳۹
جنگ نامہ (جنگ بلوچاں کہ در حمایت ہمایوں شہنشاہ قند جنگیدہ شد)	سردار سیف الرحمٰن خان مزاری (مصنف میر شاہ داد خان خلف میر چاکر خان رند)	"	اگست وستمبر ۱۹۵۷ء ص ۴۱ تا ۴۳
وقتءِ توار یعنی وقت کی پکار (مخمس)	محمد اسحاق شمیم بلوچ (بلوچی/منثور اُردو ترجمہ)	"	اگست وستمبر ۱۹۵۷ء ص ۴۸
وقتءِ توار یعنی وقت کی پکار (مخمس)	قاضی عبدالرحیم صابر (بلوچی/منثور اردو ترجمہ)	"	اکتوبر ۱۹۵۷ء ص ۵۰ تا ۵۱
جام دُرک (بلوچی زبان کا قادر الکلام شاعر) (اُردو مضمون۔ بلوچی اشعار مع منثور اُردو ترجمہ کے حوالے موجود ہیں۔ جام دُرک کے	میر محمد حسین عنقا	"	دسمبر ۱۹۵۷ء ص ۱۷ تا ۲۶

عنوان	مترجم	مطبوعہ	
بلوچی متنوں اور تراجم کے تقابلی مطالعے کے بعد آزادانہ کیے گئے ہیں)			
میر شداد کاروان	سلیم خان گمی	بلوچی دنیا ملتان	جنوری فروری ۱۹۶۰ء
(اُردو مضمون۔ کہیں کہیں بلوچی اشعار مع اُردو نثری ترجمے کے حوالے دیے ہیں)		ثقافت نمبر	ص ۸۱ تا ۹۱
بلوچی پہیلیاں	میر اکرام مینگل	؍؍	جنوری فروری ۱۹۶۰ء
(اُردو مضمون۔ بعض بلوچی پہیلیوں کا صرف اُردو منثور ترجمہ دیا گیا ہے بعض بلوچی منظوم پہیلیوں کا متن اور نثری اُردو ترجمہ موجود ہے)			ص ۹۳ تا ۹۶
بلوچی کے تین شعر	عبدالصمد امیری	بلوچی دنیا	ستمبر ۱۹۶۱ء
(بلوچی کے تین شعروں کی تشریح اُردو میں کی گئی ہے۔)		ملتان	ص ۵۹ تا ۶۱
مراد ساحر	نسیم دشتی	؍؍	جنوری ۱۹۶۲ء
(بلوچی زبان کا ایک رومانی شاعر)			ص ۳۰ تا ۳۴
(اُردو مضمون۔ بلوچی اشعار مع اُردو نثری ترجمہ موجود ہیں۔)			
جام دُرک	سید کامل القادری	؍؍	اگست ستمبر ۱۹۶۳ء
(طویل اُردو مقالہ۔ بلوچی کلام مع منثور اُردو ترجمہ کے حوالے دیے گئے ہیں)			ص ۱ تا ۶۸
جام دُرک پر ایک نظر	بشیر احمد بلوچ	؍؍	دسمبر ۱۹۶۳ء
اُردو میں بعض نکتہ چینیوں کی وضاحت کرتے ہوئے بلوچی اشعار اور اُن کا نثری اُردو ترجمہ دیا گیا ہے۔)			ص ۱۷ تا ۲۲
للہ اور گراناز (ایک بلوچی کہانی)	بشیر احمد	؍؍	فروری ۱۹۶۴ء
(اُردو میں۔ بلوچی اشعار کا بھی صرف اُردو منثور ترجمہ ہی دیا گیا ہے۔)			ص ۱۹ تا ۲۱
خانی و شہ مرید (اُردو میں بلوچی رومان)	ذوقی بلوچ (مرحوم)	؍؍	فروری ۱۹۶۴ء
(بلوچی اشعار مع اُردو نثری ترجمہ کے حوالے دیے گئے ہیں۔)			ص ۲۵ تا ۳۰
بلوچستان کے گبر بند	مولانا عبداللہ درخانی	؍؍	فروری ۱۹۶۴ء
(اُردو مضمون میں بعض بلوچی جملوں کی بھی اُردو میں وضاحت کی گئی ہے)			ص ۳۹ تا ۴۰

عنوان	مترجم	مطبوعہ
کیا گیا ہے۔		
دشیں واب (حسین خواب) (یہ نثری بلوچی مع اُردو نثری ترجمہ میں تحریر کیا گیا ہے۔)	امام بخش بلوچ	بلوچی دنیا ملتان نومبر دسمبر ۱۹۶۴ء ص ۵۰ تا ۵۲
کھلکھلاتی بجلیاں	- (جام درک کی نظم کھنداثیں گروکت کا ترجمہ)	" فروری ۱۹۶۵ء ص ۲
بلوچی شعری ادب پر ایک نظر (اس میں بلوچی شاعری کے مختلف ادوار اور اقسام پر بحث کی گئی ہے۔ مثال بلوچی اشعار مع نثری اُردو ترجمہ سے دی گئی ہے۔)	عطا شاد	" فروری ۱۹۶۵ء ص ۳۵ تا ۴۴، ۴۷
بلوچی ادب	انجارج مومن بزدار	" فروری ۱۹۶۵ء ص ۴۹ تا ۵۲
داستانہ	عثمان بزدار، درگیژ دخ اسحاق ہتھی ماڑی (بلوچی کلام/اُردو ترجمہ نثر میں)	"
گشوخ	شیدا بزدار، درگیژ دخ، مومن بزدار	" ص ۵۲
بلوچ ثقافت: (اُردو مضمون میں بلوچی اشعار مع اُردو منثور ترجمہ کے دیے گئے ہیں۔)	میر مٹھا خان مری	" مارچ ۱۹۶۵ء ص ۹ تا ۲۷
بلوچی ادب (بلوچی مصادر)	مومن بزدار (بلوچی/اُردو)	" مارچ ۱۹۶۵ء ص ۵۱ تا ۵۲
بلوچی کی قدیم ترین رزمیہ نظمیں (اُردو مضمون۔ بلوچی اشعار کے صرف اُردو منثور ترجمے کے حوالے دیے گئے ہیں۔)	انجم قزلباش	" مئی ۱۹۶۵ء ص ۳۱ تا ۳۳، ۳۷

عنوان	مترجم	مطبوعہ
بلوچی سیکھیے (الف)	میر نیک محمد بزدار اُردو/مشرقی بلوچی/مغربی بلوچی	بلوچی دنیا ملتان فروری ۱۹۶۶ء ص ۵۵ تا ۵۶
بلوچی لوک گیت: بلوچ ماں کی لوری	- (اُردو نثر میں ترجمہ)	" مارچ ۱۹۶۶ء ص ۲۴
ملا اسماعیل پچلاآبادی (مرحوم)	بشیر احمد بیدار (بلوچی اشعار مع اُردو نثری ترجمہ کے حوالے)	" مارچ ۱۹۶۶ء ص ۲۹ تا ۳۰
بلوچی سیکھیے (ب) ('ب' سے شروع ہونے والے اُردو الفاظ کے مقابل بلوچی (مشرقی اور مغربی) کے الفاظ دیے گئے ہیں.)	میر نیک محمد بزدار بلوچ	" مارچ ۱۹۶۶ء ص ۴۹ تا ۵۱
امیر تیمور کا حسب و نسب اور زادِ بوم (اُردو مضمون میں کہیں کہیں بلوچی اشعار مع اُردو نثری ترجمہ موجود ہے۔)	عنقا بلوچ	" اپریل ۱۹۶۶ء ص ۳۸ تا ۴۴
بلوچی سیکھیے (پ) ('پ' سے شروع ہونے والے اُردو الفاظ کے مقابل بلوچی (مشرقی اور مغربی) کے الفاظ دیے گئے ہیں.)	نیک محمد خان بزدار اُردو/مشرقی بلوچی/مغربی بلوچی	" اپریل ۱۹۶۶ء ص ۴۹ تا ۵۱
بلوچی لوک گیت (بلوچی لوک گیت مئے چہ حیدانت مابو نہ دیتہ کا اُردو ترجمہ، اپنی ترعید جانِ وفا تیری دید ہے.)	عطا شاد	" اپریل ۱۹۶۶ء ص ۵۲
مرہیکر (بلوچی کلام)	عطا شاد (ملا فاضل کے بلوچی کلام کا منظوم ترجمہ)	" جون جولائی ۱۹۶۶ء ص ۳۰

عنوان	مترجم	مطبوعہ
سردار خیر بخش خان مری (اوّل)	میر محمد خان مری	بلوچی دنیا مارچ ۱۹۶۹ء
(بلوچی اشعار سے اُردو نثری ترجمہ کے حوالے موجود ہیں)		ملتان ص ۹ تا ۲۸
لاٹ بِوگھی	ملامزار بنگلزئی بلوچ	" مارچ ۱۹۶۹ء
	(بلوچی اشعار اُردو ترجمہ نثر میں)	ص ۴۳ تا ۵۰
بلوچی بولیاں	سید کامل القادری	" مئی ۱۹۶۹ء
(مکران کی بولیوں کا فرق سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے)		ص ۴۲ تا ۴۷
مُوتک (نوحے) بلوچی اشعار	سید کامل القادری	" مئی ۱۹۶۹ء
	(بلوچی اشعار کا اُردو نثر میں ترجمہ)	ص ۴۸ تا ۵۰
ملا فاضل رند (استاد سخن)	بشیر احمد بیدار	" نومبر ۱۹۶۹ء
(بلوچی اشعار مع اردو نثری ترجمہ اور تشریح موجود ہیں)		
کوہ چلتن سے خطاب	انور حسین صدیقی	" جون جولائی ۱۹۷۰ء
	(میر گل خان نصیر کی تخلیق کا اُردو نثر میں ترجمہ)	ص ۴۹ تا ۵۱
نیا سال	انور حسین صدیقی	" جون جولائی ۱۹۷۰ء
	(میر گل خان نصیر کی تخلیق کا اُردو نثر میں ترجمہ)	ص ۵۲ تا ۵۴
بولان ہو جیسے!	عطا شاد	" جون جولائی ۱۹۷۰ء
	(بلوچی سے منظوم اُردو ترجمہ)	ص ۸۹
ایک نظم تین شاعر (بلوچی/اُردو)	سید کامل القادری	" فروری ۱۹۷۱ء
(بلوچی اشعار مع اُردو نثری ترجمہ اور تشریح موجود ہیں۔)		ص ۲۵ تا ۳۱
بلوچی دَربَر (بلوچی سیکھیے)	سید ہاشمی	" جولائی ۱۹۷۳ء
(بلوچی اُردو الفاظ اور جملے الفاظ اور جملے)۔		

عنوان	مترجم	مطبوعہ	
میر چاکر رند	عبدالرحمٰن کرد (ایک بلوچی تواریخی نظم کا اردو منثور ترجمہ)	ماہنامہ معلم سریاب کوئٹہ	فروری ۱۹۵۱ء ص ۹ تا ۱۱
جام دُرک (جام دُرک کی چھ طویل بلوچی نظموں "ڈھاڈر کا بازار، پیام، نیم شبی کا خواب، میری آواز، زرنک کا چشمہ، ایکباتی بیریاں" کو منظوم اردو میں پیش کیا گیا ہے)	عبدالرحمٰن غور	ماہنامہ معلم سریاب کوئٹہ	جون ۱۹۵۸ء ص ۱۹ تا ۲۲، ۲۴
بلوچی شاعری (ایک جائزہ) (بلوچی اشعار کے حوالے سے اردو ترجمہ یا پھر بلوچی شعرا کے کلام کے منظوم ترجمے موجود ہیں)	غوث بخش صابر	قلم قبیلہ (جلد دوم) کوئٹہ	اپریل ۱۹۸۳ء ص ۱۸۸ تا ۱۹۹
بلوچی شاعری اور تاریخ (بلوچی اشعار مع اردو ترجمہ موجود ہیں)۔	عزیز بگٹی	”	ص ۲۰۰ تا ۲۰۴
آ نشگاں کنداں و گروک (بلوچی نظم) (جام دُرک کی نظم کا ترجمہ۔ قہقہہ زن تھیں بجلیاں شب کو)	عطا شاد	”	۸ اپریل ص ۲۲۳ تا ۲۲۴
محمد خان مری (اردو مضمون۔ شاعر کے بلوچی اشعار مع اردو منثور ترجمہ موجود ہیں)	عبدالرحمٰن غور	بلوچی دنیا ملتان	جون جولائی ۱۹۶۷ء ص ۲۵ تا ۲۸
جذبۂ الفت (میر گل خان نصیر کی ایک نظم کا منظوم ترجمہ)	انزر حسین صدیقی	”	ایضاً ص ۳۴ تا ۳۵
فریبِ زندگی	صدیق آزاد (ایک بلوچی نظم کا منظوم ترجمہ)	”	ایضاً ص ۳۶
بلوچی لوک گیت	میر مٹھا خاں مری (اردو مضمون۔ بلوچی اشعار مع اردو منثور ترجمہ)	”	ایضاً ص ۶۵ تا ۶۸

مقتدرہ کے پمفلٹ

۱۔ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کی حیثیت
۲۔ سائنس اور ریاضی کی درسی کتابیں
۳۔ اُردو ہندسے اور ریاضی کی علامتیں
۴۔ مقتدرہ قومی زبان اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اشتراکِ عمل
۵۔ مقتدرہ قومی زبان اور اُردو ٹیلی پرنٹر
۶۔ وزارتِ قانون اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اُردو تراجم
۷۔ اُردو کمپیوٹر ہی بہتر ہے
۸۔ مشرقی ممالک میں قومی زبان کے ادارے
۹۔ آزاد کشمیر میں نفاذِ اُردو
۱۰۔ وضع و استنادِ اصطلاحات
۱۱۔ قومی زبان کا نفاذ، چند دشواریاں
۱۲۔ تربیتی ورکشاپ برائے ادارہ ثقافتِ پاکستان
۱۳۔ بلوچستان میں نفاذِ اُردو
۱۴۔ قومی زبان اور علاقائی زبانوں کا رشتہ
۱۵۔ قومی زبان کی پالیسی کے بارے میں چند خیالات
۱۶۔ دفتری زبان اور نصاب تعلیم
۱۷۔ دفتری اُردو
۱۸۔ برطانیہ میں اُردو کی تعلیم
۱۹۔ ایران میں وضع اصطلاحات کے اصول
۲۰۔ اُردو کی وسعت اور جامعیت
۲۱۔ مجلس زبان دفتری پنجاب، ایک تعارف
۲۲۔ مقتدرہ قومی زبان ۔ آئندہ منصوبے
۲۳۔ پاکستان میں نفاذِ اُردو کی داستان
۲۴۔ ہندسے اور ان کی تاریخ
۲۵۔ قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں
۲۶۔ قومی زبان کے بارے میں چند انٹرویو (حصہ اول)
۲۷۔ مغربی ممالک میں ترجمے کے قومی اور علمی مراکز
۲۸۔ قطر میں اُردو
۲۹۔ اُردو ذریعہ تعلیم اور نفاذِ اُردو
۳۰۔ قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص
۳۱۔ اُردو بحیثیت قومی زبان
۳۲۔ اُردو ٹائپ کی کہانی
۳۳۔ متحدہ عرب امارات میں اُردو
۳۴۔ مقتدرہ کے سیمیناروں کی قراردادیں
۳۵۔ کویت میں اُردو
۳۶۔ جاپان میں اردو
۳۷۔ جامعہ کراچی میں اُردو
۳۸۔ چترال میں اُردو
۳۹۔ اُردو، گنتی کے چند پہلو
۴۰۔ اُردو کتابت کیلئے چند کارآمد اصول
۴۱۔ اُردو اور صوفی ازم
۴۲۔ اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب
۴۲۔ اردو کی پہلی مطبوعہ کتاب
۴۳۔ ترکی میں اردو
۴۴۔ چین میں اردو
۴۵۔ ذخیرۂ شیرانی میں اُردو مخطوطات
۴۶۔ مشینی ترجمے کا ماضی اور مستقبل
۴۷۔ عزیز احمد (کتابیات)
۴۸۔ بلوچی سے اردو تراجم